انسان اور اسکی تقدیر

مرتبہ

فیروز ڈسکوی

بحق تالیف مولف منشی رحیم بخش مالک و مہتمم

رسالہ انوار الاسلام شہر سیالکوٹ نے

چھپا

مطبع مفید عام شہر سیالکوٹ میں

چھپوائی

سنہ ۱۳۲۸ھ

مفید عام پریس شہر سیالکوٹ

انوار الاسلام

شہر سیالکوٹ

سخت افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان میں آریہ اور عیسائیوں کی طرف سے کئی رسالے اور اخبار ہفتہ وار ... جن میں دنیا کے ہادی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی نسبت بیہودہ بدزبانیاں اور گالیاں دی جاتی ہیں اور ... مسلمانان کا دل بھر آتا ہے اور آنکھوں میں خون اتر آتا ہے ان رسالوں میں کچھ ایسا زہر بھرا ہوا ہے کہ بعض بے علم پڑھ پڑھ کر اسلام سے مشکوک اور مرتد ہو جاتے ہیں ہندوستان میں کروڑوں مسلمان موجود ہیں کیا ایک بھی خدا کا بندہ ایسا نہیں جو اپنی طرف سے فائدہ نہیں چھپتا جو ان مخالفین کے دندان شکن جواب دے اسلام کو دشمن کے شر سے بچائے اور ان کا حوصلہ ٹوٹ جائے۔

کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے مشن کا بہت سا روپیہ اسی ایک بات سے وصول ہو جاتا ہے کہ عیسائیوں نے ایک وقت کی چاء میں شکر ڈالنا چھوڑ دیا ہے۔ اور اسی ایک دفعہ کے میٹھے سے بے شمار روپے روز جمع ہو جاتے ہیں جو وہ عیسائی مذہب اور عیسائی رسالوں کی اشاعت پر صرف کرتے ہیں اسلام جو خدائی اور سچا مذہب ہے کیا اس کے لئے مسلمانوں کو اتنی غیرت بھی نہ ہونی چاہئے۔ ضرور ہونی چاہئے اور اسی غیرت نے ہمارا دامن پکڑا۔ کہ ہم یہ رسالہ نکالیں جس میں نور افشاں وغیرہ عیسائی اخباروں اور آریہ گزٹ وغیرہ آریہ کے اخباروں کے تمام اعتراضات کے مفصل جواب دیئے جاتے ہیں۔ اب بفضل خدا ہر ماہ ... جاری

پندرہ روزہ

کر دیا ہے۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اس رسالہ کو ضرور منگائے اور مطالعہ فرمائے حجم ۳۲ صفحہ روزہ قیمت نہایت کم صرف دو روپے سالانہ مع محصول ڈاک۔

نیازمند

رحیم بخش مالک و مہتمم رسالہ انوار الاسلام سیالکوٹ

دیباچہ

خدا کی قدرت دیکھئے تقدیر کا مسئلہ جو اسلام کا اصل اصول ہے یہی مسئلہ اسلام کی شان اور مذہب حق کی
صداقت کا نشان تھا۔ مگر عوام الناس نے اسے کیا سمجھ لیا اور سیدھے سادے مسئلہ کو کیسا پیچیدہ بنا دیا
اسلام نے یہ مسئلہ اس لئے قائم کیا تھا کہ تمام دنیا خدا تعالیٰ کے مقررہ قوانین (فطرت) سے آگاہی حاصل کرے
انکی تبعیت کی نگہداشت سے فائدہ اٹھائے سنن الٰہی (قوانین ایزدی) کو اٹل اور اوٹ سمجھ کر
انکی مخالفت سے بچے ننکے عواقب شنیعہ اور نتائج قبیحہ سے ڈرے لیکن تقدیر کے مارے لوگوں نے کیا سمجھ
لیا انہوں نے تقدیر الٰہی کو جبر کے مرادف سمجھ کر خدا تعالےٰ کے دین آئین ارسال انبیاء و رسل شرائع
الٰہی سب کو فضول قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو تلف کیا۔ تقدیر جبری کے قائل ہو کر
خدائے قدوس پر اعتراض کا موقعہ دیا۔ اعدی بن بیٹھے خود بھی ہمت ہار دی۔ اور دوسروں کو کاہلی
اور سستی کی ہدایت کی۔ غیر قوموں کو بھی اپنے اور پرایا علوم سے بے بہرہ ہو گئے۔ سلطنت کھو دی۔ قومی
ترقی پر پانی پھیر دیا نہ اس دنیا کے رہے نہ اس دنیا کے تدبیرات کو تقدیر کا مخالف سمجھا۔ ہاتھ پاؤں
ہلانے سے رہ گئے۔ ازین سو راندہ و ازاں سو ماندہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ
کا فرمان واجب الاذعان اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم انسان کی کمر ہمت بندھوا رہا ہے و
اتوا البیوت من ابوابہا سنن الٰہی کی ٹھیک ٹھیک پیروی کی ہدایت کر رہا ہے ومن یتعد
حدود اللہ فاولئک ہم الظلمون قوانین الٰہی کی مخالفت سے ڈرا رہا ہے جبری جبر ہوتا تو
ان ہدایات کے ارشاد کی کیا ضرورت تھی؟ آنحضرت صلعم کا ارشاد اعملوا فکل میسر لما خلق لہ
ہدایت کر رہا ہے کہ ہر ایک شخص جس امر کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لئے آسان ہو چکا ہے ہر ایک
شخص جس امر کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ صحیح تدبیر جو قوانین قدرت کی تبعیت سے سوچ سمجھ کر اور
جانچ تول کر کیجائے وہی تقدیر ہے سچ پوچھو تو اسلام کا مسئلہ تقدیر تمام ترقیوں کی جڑ اور درجات
کا زینہ ہے تقدیر ہمیں ہر ایک کام کو آئین ایزدی کے موافق کرنے کی ہدایات کرتی ہے اعلیٰ سے اعلیٰ
تدابیر کیطرف جو قوانین قدرت پر غور کر کے کیجائیں ہمیں رہنمائی کرتی ہے خلق کل شیء فقدرہ
تقدیرا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شئے پیدا کی پھر اس کے لئے ایک مناسب اندازہ ٹھیرا دیا۔ وکل شیء
عندہ بمقدار ہر شئے کیلئے اس کے ہاں ایک پیمانہ اندازہ ہے اس پیمانہ اور اس اندازے سے قدم
باہر رکھا نہیں اور تقدیر کے پھیر میں آئے نہیں مسلمانان حال کی تقدیر کے برگشتہ ہونیکا باعث یہی
ہے کہ تقدیر کا سچا ایمان نہیں انہوں نے تقدیر کو جبر کا مرادف سمجھا ہمت ہار دی حوصلہ چھوڑ دیا۔
اگر وہ تقدیر کے حقیقی معانی کو سمجھتے اس کے نفس الامری حقیقت پر غور کرتے تو کبھی ان کو یہ دن دیکھنے
نصیب نہ ہوتے جو آجکل ان کا حال ہو رہا ہے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا بھی تقدیر پر ایمان تھا۔
مگر انہوں نے بھی کمر ہمت باندھا کہ جو کچھ کیا سارے جہان پر ظاہر ہے صحابہ رضہ بھی تقدیر کو اٹل مانا
رکھتے تھے مگر انہوں نے بھی جو کچھ کر کے دکھایا صفحات عالم پر نمایاں و درخشاں ہے تاریخ کے اوراق
انکے کارناموں سے سنہری ہو رہے ہیں اور ہم مسلمانوں نے تقدیر کا مفہوم کیا سمجھا کہ ظاہری باطنی
دینی اور دنیاوی ترقی اور علوم و فنون ہاتھ سے کھو بیٹھے اور جو قومیں ہماری دست نگر اور ہم سے
مستفیض تھیں آج بات بات میں انکے دست نگر اور محتاج ہو گئے۔

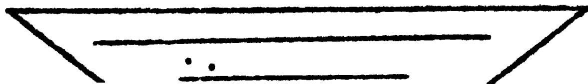
مختصر ترقیات کا اصل الاصول کلام ربانی یعنی قرآن شریف ہے ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کہ کم از
کم قرآن شریف کے معانی سے ضرور واقفیت پیدا کرے جسقدر ترقی دنیا و دین میں اہل اسلام نے پائی
اس کتاب سے پائی۔ اور پھر جب وہ ترقی پائیں گے اسی سے ترقی پائیں گے عام حکام کے احکام سنتے
سیلئے ہوں پر کستہ۔ یہ صرف ہوتا ہے تو اس احکم الحاکمین کے بینات اور احکامات الٰہی پانے کے لئے دل
میں کچھ بھی عذر نہیں ہوتی پہلے سب لوگوں کو مناسب ہے کہ وہ اپنے بالادست حکام کے احکام
سے واقفیت حاصل کریں تو دل سے اس پر عمل کریں باہم اتفاق رکھیں دینی اور دنیاوی علوم میں
گوئے سبقت لیجائیں [illegible] وہ دن پھر واپس آتے ہیں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کا قرآن شریف میں
حکم ہے واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم واصبروا ان اللہ
مع الصابرین۔ مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ اس سے
تم بزدل ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔ اور صابر و مستقل رہو خدا اہل استقلال کے ساتھ
ہے اور پھر حکم ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا فیہ تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی
کو پکڑو۔ اور [illegible] تفرقہ نہ ڈالو۔

سب مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اپنے پیارے اللہ کے رسول واجب الاذعان کو دل وجان
سے سنیں باہم اتفاق رکھیں علوم دینی و دنیاوی میں ترقی کریں امید ہے کہ بہت جلد اٹھی گئی ہوئی
حشمت پھر لوٹ آئیگی۔ کوئی حنفی ہے کوئی وہابی کوئی شیعہ ہے کوئی مرزائی ہے ان باتوں کو قومی ترقی
سے کیا مطلب۔ تھوڑے تھوڑے اختلاف سے آپس میں مت لڑو مت جھگڑو۔ سب کے سب متفق ہو جاؤ
اور دنیا کے سامنے قدیمی شان وشوکت اسلامی کا نقشہ پیش کرو۔ صحابہؓ میں بھی اختلاف تھے۔
مشاجرات تھے۔ تنازعات تھے۔ مگر ہماری طرح قومی ترقی میں ان کے لئے یہ باتیں بالکل سد راہ نہ
تھیں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں کسقدر مشاجرات و تنازعات واقع ہوئے مگر جب
قیصر روم نے سلطنت اسلام پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت معاویہ نے یہ جواب دیکر کہ گو ہماری باہم خانہ جنگی
ہے مگر تمہارے مقابلہ میں سب سے پہلے حضرت علیؓ کی طرف سے میں جنگ میں پیشقدمی کرونگا۔ اس کے
پست کر دیا جس سے وہ اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔ اور آگے پھر اہل اسلام پر حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی
تمام مسلمانوں کو مناسب ہے کہ وہ باہمی اختلاف و تنازعات کو ایک طرف رکھکر سب کے سب ایک
قوم بنجائیں اور کم از کم دنیاوی اغراض پر متفق ہو کر سب ترقی قومی میں سعی اور کوشش کریں۔
سلکی متاد والاتمام من اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون ومن یتوکل علی اللہ فان
اللہ عزیز حکیم۔

ذیل میں ہم
کتاب انسان اور اسکی تقدیر کی فہرست درج کرتے ہیں امید ہے کہ سب مسلمان نسخہ کو منگا لینگے

فہرست مضامین کتاب انسان اور اس کی تقدیر

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انسان اور اُس کی تقدیر

شانِ اُلوہیت

زمین - آسمان - سورج - چاند ستاروں اور ہر ایک چیز کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے - کہ اُن کا بنانے والا کوئی ضرور ہے - وہی خدا تعالےٰ ہے - اگرچہ وہ بزرہستی آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی - لیکن اُس کے ہونے میں کچھ بھی شبہ نہیں ہے - ولایت کی بنی ہوئی گھڑی کو جب دیکھتے ہیں تو گو اُس کا بنانے والا آنکھوں کے سامنے موجود نہیں ہوتا - لیکن کوئی شخص اسبات سے انکار نہیں کرسکتا - کہ اُس کا بنانے والا کوئی ضرور ہے - ہر ایک شخص کے مُنہ سے بنانے والے کے لئے بے اختیار واہ واہ نکلتی ہے - جو دیکھتا ہے پکار اُٹھتا ہے کہ کیا ہی عقلمند کاریگر ہے جس نے ایسی عمدہ گھڑی بنائی تو کیا یہ سارا جہان ایک عمدہ گھڑی نہیں ہے ؟ جس کے سب کَل پُرزے کس خوبی سے سجے ہیں ؟ سورج چاند ستاروں پر نگاہ ڈالو - کوئی اُن میں سے اپنے حدِ مقررہ سے باہر نہیں جاتا - اگر اُنکا سربراہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ سلسلہ تمام درہم برہم ہو جاتا - اجرامِ فلکی کے اتنے بڑے عظیم الشان اور ایسے ملکا گولے ہیں - جن کے تھوڑے سے بگاڑ سے تمام دنیا تباہ ہو سکتی ہے - یہ کیسی قدرت حق ہے

کہ وہ آپس میں نہ ٹکراتے ہیں نہ بال بھر رفتار بدلتے ہیں۔ اور نہ اتنی مدت تک کام دینے میں کچھ گھٹے اور نہ اُنکے کل پُرزوں میں کچھ فرق آیا۔ باوجودیکہ وہ سب بے جان ہیں۔ اور کسی ایک کو اپنی ہستی تک کی بھی خبر نہیں۔ تو بھی برابر اپنے اپنے مداروں اور راستوں میں چلے جاتے ہیں۔ بس اگر سر پر کوئی محافظ نہیں تو کیونکر اتنا بڑا کارخانہ بے شمار برسوں سے خود بخود چل رہا ہے۔ خدا جانے قدرت کا کتنا بڑا انجن ہے۔ اور کیسا بڑا زبردست ڈرائیور اس انجن کو چلا رہا ہے کہ ہزاروں لاکھوں برسوں سے یہ کل برابر چل رہی ہے اور اُس کے کیل پُرزوں ڈھروں اور پتیوں میں ذرا خلل نمایاں نہیں ہوا۔ نہ رفتار میں کچھ فرق آیا۔

اگر انسان کچھ بھی عقل سے کام لے تو ہر ہر جگہ ہر ہر قدم پر خداتعالیٰ کی ہستی کے ثبوت پائے گا۔ باغ میں چلو اور پھولوں کی سیر کرو۔ اُس باحکمت کاریگر نے ایک پھول کی پتیوں میں وہ وہ خوبیاں اور باریکیاں رکھی ہیں کہ اگر ساری جہان کے دستکار جمع ہو کر ہزاروں سال کوشش کریں۔ تو ایک پتی ویسی نہ بنا سکیں۔ کیا اس سے خداتعالیٰ کی عظیم الشان قدرت اور حکمت نظر نہیں آتی؟ دور کیوں جاؤ اپنے جسم ہی کی بناوٹ کی طرف غور کرو۔ اس سارے جسم میں آنکھ کیسی پیاری چیز ہے۔ اُس بڑے مہربان کاریگر نے اس لئے دو آنکھیں بنائیں کہ اگر ایک پھوٹ جائے تو دوسری سے ہی کام چل جائے۔ آنکھوں کو سر میں ایسی جگہ رکھا۔ کہ جہاں سے بہت آسانی اور آرام کے ساتھ سب چیزوں کو دیکھ سکیں۔ اگر مان لیا جائے۔ کہ یہ آنکھیں سر کے اوپر ہوتیں تو کیسی تکلیف ہوتی۔ ناک ٹھیک منہ کے پاس بنائی۔ اگر ہم کوئی سڑی ہوئی چیز کھانے لگیں تو اُسکی بو معلوم کرکے پھینک دیں۔ اسی طرح اس جسم کے ہر جوڑ بند میں غور کیا جائے تو ایسی مصلحتیں اور ایسی حکمتیں ہیں۔ جنکی تعریف نہیں ہو سکتی سچے دل کا آدمی اُن کو دیکھ کر آپ سے آپ پکار اُٹھتا ہے۔ کہ بے شک خدا ہے اور ضرور ہے جس کی قدرتوں کی یہ شان اور حکمتوں کی یہ شان

واقعی انسان خداتعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا ایک بڑا عالی شان نمونہ ہے جس میں دست قدرت نے اپنی صنعت عالیہ کو کمال تک پہونچا دیا ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون وہ اس پر نظر ڈالو۔ کہ یہ کیا

تھا اور کیا سے کیا ہوگیا۔ اگر غور کرو تو قدرت نے بڑی ہی شان اور جلوہ گری کا اظہار کیا ہے کہ ایک قطرۂ منی سے جو محض ناپاک تھا۔ اور جس کے نام لینے سے نفرت اور کراہت ہوتی ہے۔ حضرت انسان کو کس صناعی کے ساتھ پیدا کیا۔ پہلے انسان مختلف غذائیں اور مختلف ترکاریاں کھاتا ہے جو منی سے بنیں۔ ان غذاؤں کا خلاصہ اور ست منی ہے جو خون سے پیدا ہوتی۔ اور منی رحم مادر میں جاکر پھر خون بن گئی ہے اُس کے اثر نے حیض کے خون کو اپنی جانب کھینچنا شروع کیا۔ وہ خون جو ماہوار عورت کے اندر سے جاری ہوتا تھا۔ اب وہ رحم میں جمع ہونے لگا۔ اور جمع ہونے سے اُس میں غلظت آگئی۔ غلیظ ہوکر ہڈیاں گوشت کے ساتھ بننی شروع ہوئیں اور پھر ایک ہی چیز نہیں۔ صدہا چیزیں اپنے اپنے موقعہ پر اور کس خوبی کے ساتھ انہیں ناپاک اور حقیر چیزوں کی میل سے بنیں۔ جن کے دیکھنے سے کراہت اور حقیقت پر غور کرنے سے نہایت ہی تعجب اور حیرت ہوتی ہے +

وہی مرد اور عورت کا خون ہے۔ جس سے ہڈیاں جُدا بن رہی ہیں۔ بال علیحدہ۔ دانت۔ ناک۔ آنکھیں۔ کان۔ ہاتھ۔ پا۔ سر۔ ناخن وغیرہ اعضا تو ظاہری اور اندرونی اعضا۔ دل۔ دماغ اور جگر وغیرہ جدا بن رہے ہیں۔ اور پھر کسقدر جلدی کہ نو مہینے میں یہ مضغہ گوشت اچھی طرح سے بن سنور کر رحم کے دم میں سلامتی کے ساتھ صاف ستھرا عالم شہود میں جلوہ گر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی کلام پاک میں فرماتا ہے ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ۰ ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین ۰ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ۰ ثم انشاناہ خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ۰ اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ پھر ہم نے اسے ایک حفاظت کی جگہ (یعنی رحم) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفہ کو لوتھڑا بنایا۔ پھر اُس لوتھڑے کو مضغہ بنایا۔ پھر ہم نے اُس مضغہ کو ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت مڑھا۔ پھر ہم نے اُسکو اور ہی صورت شکل کا بنا دیا۔ سو خدا تعالیٰ جو تمام بنانے والوں اور خوبصورت نقش و نگار کرنے والا اور اعلے درجہ کا صانع اور خالق ہے۔ کیا ہی بابرکت ہے اور نہ

الحمد لواهب العطایا ✦ اس قدر نے کیا مزا چکھایا
والشکر لصانع البریۃ ✦ جس نے ہمیں آدمی بنایا

یا تو یہ حالت تھی کہ اس کی اصلیت (منی) کو کوئی دیکھ بھی نہ سکتا تھا نام لینے سے بھی قے آتی تھی۔ یا اب یہ کیفیت ہے کہ گود میں لیتے ہیں چومتے ہیں۔ چاٹتے ہیں۔ آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ اور یہ زندہ ہے۔ سب کو دیکھتا ہے۔ مگر ابھی مُردے سے بدتر۔ نہ اس کو خبر ہے کہ میں کون ہوں۔ اور یہ کون لوگ ہیں جو مجھ کو آنکھوں پر لئے پھرتے ہیں۔ اور کہاں سے آیا ہوں اور کس حال میں تھا۔ نہ اپنے جسم کی سُدھ ہے نہ کسی چیز کی خبر۔ نہ اٹھاؤ سے اٹھے نہ بٹھائے سے بیٹھے۔ دنیا میں آگئے مگر کسی کام کے نہیں۔ پھر جو اسنے بڑھنا اور نشوونما پانا شروع کیا۔ تو اچھا قوی۔ زبردست۔ خوبصورت۔ تنومند جوان بن گیا ✦

اللہ اکبر۔ انسان کی اصل کیا تھی۔ پانی کی ایک حقیر بوند۔ جسے دیکھ کر نفرت اور کراہت پیدا ہوتی تھی۔ اس میں عقل۔ سماعت بصارت اور سر۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ زبان۔ آنکھ۔ رگ۔ پٹھا۔ گوشت۔ ہڈی۔ چمڑا کچھ نہ تھا بلکہ ایک ہی طرح کا سفید پانی معلوم ہوتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا اور کیسا بنایا۔ کہ انسان کی عقل دنگ ہوتی ہے اور بے اختیار فتبارک اللہ احسن الخالقین پکار اٹھتی ہے۔ انسان کا ڈھانچہ جس روش و اسلوب پر بنا ہے۔ اگر ساری دنیا کے حکما و فلاسفر اس کے برخلاف اس سے بہتر سوچنا چاہیں۔ ہرگز ممکن نہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس خلاق عالم حکیم و خبیر خدا کا علم کہاں تک وسیع اور علیٰ کل شیٔ محیط ہے جو شخص ان حکمتوں پر جتنا زیادہ غور کرے۔ اتنا ہی خدا کے علم کی عظمت اور وسعت سے ششدر و حیران ہوتا ہے ✦

اس خلاق اکبر کی قدرت کاملہ پر غور کرو کہ اس نے اپنے بندے پر [illegible] جس چیز کی انسان کو جتنی کم اصل ضرورت تھی [illegible] کہ اصل میں وہ بھی ایسے عطا فرمائی۔ اور جس چیز کی اسے حاجت تھی وہ بھی درست فرمائی۔ جیسے ہاتھ۔ پاؤں [illegible] آنکھ [illegible] چیزوں کی کم حاجت تھی وہ مزید [illegible] سو صرف

سجاوٹ اور زینت تھی - وہ بھی عطا فرائیں - جیسے بالوں کی سیاہی - لبوں کی سُرخی - بھووں کا خم - آنکھوں اور پلکوں کی ہمواری تاکہ بندہ نہایت خوبصورت اور سجیلا معلوم ہو اور خدا تعالیٰ کی رحمانیت کا تقاضا دیکھو نہ صرف انسان بلکہ ادنے ترین مخلوقات یہاں تک کہ جھینگا اور مکھی اور پھر تک کو جو جو چیز درکار تھی عطا فرمائی - الذی اعطے کلشیٔ خلقہ ثمّ ھدٰی وہی اللہ ہے جس نے ہر مخلوق کو خاص طرح کی بناوٹ عطا فرمائی - پھر اُسکو ایک راہ پر لگا دیا +

انسان کے بدن کی بناوٹ پر غور کرو - اس سے اُس عزیز و حکیم کی کیسی قدرت و حکمت ظاہر ہوتی ہے بدن انسانی کی نظم و ترکیب و تقویم پر غور کی جائے تو انسان ہزار جان سے اپنے پیدا کرنے والے قادر کریم پر فدا ہو جاتا ہے - بدن انسانی کا ہر ایک حصہ کس طرح اپنے اپنے ٹھکانے پر لگا ہے - اور پھر کیا کیا کام دیتا ہے اور پھر اس ساری کل میں ایک پُرزہ بھی بیکار نہیں ہے اگر اس نظم و ترکیب میں ذرا سا بھی فرق ہو جائے تو نظام بدنی کی ساری کل بگڑ جاتی اور بے کل ہو جاتی ہے +

اب سارے بدن کا سرتاج سر ہے - جس میں عقل - ہوش - سننے سونگھنے دیکھنے اور مزہ لینے کے اعضا بنے ہوئے ہیں - اور چہرہ جس پر انسان کی ساری خوب صورتی کا مدار ہے - اُس میں لگا ہوا ہے - اللہ تعالےٰ نے اُسکو سب سے اونچا بنایا اور پھر اُسکو گردن سے اس طرح جوڑا - کہ وہ بآسانی ہر طرف پھر سکتا ہے اور اس سے ہم جھٹ پٹ ہر طرف نگاہ دوڑا سکتے ہیں - اور اپنے سب کاموں کو بسہولت انجام دے سکتے ہیں - چہرہ کی طرف غور کرو - انسان کی پیشانی کیسی چمک رہی ہے - آنکھ - ناک - کان - منہ - رخسارے اور ٹھوڑی کس حسن اور انداز سے بنائے گئے ہیں +

پھر اس بات کی طرف غور کرو - کہ اگرچہ ہر ایک انسان کا چہرہ صرف دو چار عضوں سے بنا ہے اور وہ سب جیسے ہر ایک انسان کے چہرہ میں ہیں تاہم کچھ نہ کچھ خصوصیت رکھتی ہے - جس سے ہر ایک انسان صاف جُدا پہچانا جاتا ہے - ایسے دو آدمی بھی نہیں ہیں - جو سب باتوں میں بالکل مشابہ ہوں ہر ایک آدمی کے چہرہ میں کچھ نہ کچھ نئی بات ہے - آواز میں فرق ہے رنگ

میں فوق ہے۔ ناک میں فرق ہے۔ آنکھوں میں فرق ہے۔ اور نہیں۔ تو پیشانی ہی چوڑی یا تنگ ہے۔ یہ کس قدر خدا تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت و حکمت کا نشان ہے کہ صرف دو چار اعضا میں استقدر فرق کر دیا۔ کہ جس دن سے دنیا پیدا ہوئی ہے اور جب تک دنیا قایم رہے گی۔ کروڑوں اربوں آدمی پیدا ہوئے۔ اور اربوں کھربوں پیدا ہونگے۔ اسپر بھی ایک شخص کا چہرہ دوسرے سے کلیتہً نہیں ملتا۔ اور دیگر اعضاء بدنی میں بھی کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اگر انسان اتفاقیہ طور پر آپ سے آپ پیدا ہوتے ہوتے۔ تو ایسے ہوتے جیسے ایک ہی قالب کی گولیاں یا ایک ہی ڈول کی پونڈیں۔ مگر نہیں حکیم برحق نے اپنے ارادہ خاص سے ہر ایک شخص کے چہرہ اور بدن وغیرہ میں کچھ نہ کچھ امتیاز رکھ دیا ہے جس سے اُس کی عجیب حکمت الہیہ کا پتہ ملتا ہے۔ اگر سب انسانوں کے چہرے یکساں ہوتے تو ان میں امتیاز مشکل تھا۔ اس لئے حکمت الہیہ نے تشخصات انسانی میں امتیاز رکھ دیا ہے۔ گردن کی طرف نگاہ ڈالو وہ سر کو کس طرح ہر طرف پھرا سکتی ہے اور آپ اُسی جگہ پر قایم رہتی ہے۔ گردن سے کندھے کس طرح ملحق کئے گئے ہیں۔ جن سے پیدا کرنے والے کی عجیب حکمت ٹپک رہی ہے۔ اور کندھے اس طرح بنائے گئے ہیں۔ کہ ان سے بہت طاقت حاصل ہوتی ہے۔ کندھوں میں باہیں لگائی گئی ہیں اور باہوں میں ہاتھ اور ہاتھوں میں پنجے لگائے گئے ہیں۔ جنکی بناوٹ سے نہایت دانائی ظاہر ہو رہی ہے ✤

آدمی کی باہیں اور ہاتھ اُن سب کاموں کے انجام کے لئے ہے۔ جو کہ آدمی کو ہر روز کرنے پڑتے ہیں۔ اگر آدمی کا ہاتھ نہ ہوتا تو وہ نہایت ناچیز ہوتا۔ جس شخص کا ایک ہاتھ بھی زخم سے یا کسی اور طرح سے جاتا رہے یا شل ہو جائے۔ اُس سے ہر ایک کام کا ہونا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور اُس کو بہت سے کاموں میں غیر کی مدد درکار ہوتی ہے۔ آدمی کا ہاتھ عجیب غریب بندوں کے سبب ایسا بنا ہوا ہے کہ وہ ہر طرف پھر سکتا ہے۔ اور اوپر نیچے کو ہل جُل سکتا ہے۔ اور انگلیاں ایسی بنائی گئی ہیں۔ کہ ان سے سب چیزیں آسانی سے پکڑی جا سکتی ہیں۔ جیسے کاریگری کے ہتھیار۔ قلم وغیرہ ✤

خیال کرنا چاہیئے کہ انگوٹھا بہت مضبوط اور دیگر انگلیوں سے جدا لگا ہوا ہے۔اور اس بات سے ہاتھ کو بہت پکڑ دور اور قابو حاصل ہوتا ہے چار انگلیاں انگوٹھے سے کسی قدر فاصلہ پر ہیں۔انگوٹھا ہر انگلی کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔اور سب انگلیوں پر پھرتا ہے۔انگلیوں میں تین تین گرہیں ایسی بنائی ہیں کہ کوئی اگر چاہے تو ہاتھ کا آبخورا بنالے چاہے مٹھی بند کرکے گھوسا بنالے اور گھوسے سے اپنا اوزار بناکر بے دریغ دشمن پر چلائے خواہ مٹھی کھول کر تشتری بنالے۔خواہ دونوں ہاتھوں کو ملاکر ایک بڑا طباق بنالے اور جس کام میں چاہے لائے۔اگر سارے جہان کے حکما اس وضع کے خلاف اس سے بہتر کوئی نئی وضع تجویز کرنا چاہیں۔ممکن نہیں مثلاً یہ کہ سب انگلیاں ایک ہی انداز کی ہوں۔یا تین ایک طرف اور دو ایک جانب ہوں۔یا پانچ کی جگہ چھ یا چار ہوں۔یا تین گرہوں کے بدلے دو دو گرہیں یا چار چار ہوں۔ان میں جو باتیں سوچیں اور کہیں سب ناقص ہیں۔اور جس انداز پر خداوند کریم نے پیدا کیا ہے وہی سب سے اچھی اور احسن تقویم ہے +

ایسا ہی انسان کے پاؤں اور ٹانگیں خدا کی حکمت کو ظاہر کرتی ہیں چونکہ وہ بدن انسان کے سہارے کے لئے بمنزلہ ستون ہیں۔اس لئے ایسی مضبوط اور طاقتور بنائی گئی ہیں کہ وہ بدن کے بوجھ کو تھام سکتی ہیں۔اور بندوں سے ایسی حکیمانہ ترتیب سے جڑی ہوتی ہیں۔اور ان میں اس طرح کے پٹھے ہیں۔کہ آدمی کو چلنے پھرنے کی طاقت بلا دقت وتکلیف کے حاصل ہے۔اگر پاؤں بھی ہاتھ کی طرح نازک نرم اور ہلکے بنے ہوتے۔تو انسان تھوڑی دیر تک بھی بہ مشکل چل سکتا۔پاؤں کی ہڈیاں قدرت نے ایسی مضبوط بنائی ہیں اور اس کا چمڑا بھی ایسا موٹا ہے۔کہ آدمی خوب چل پھر سکتا ہے۔پھر دیکھو باوجود ایسی صنعت عجیب کے ٹانگیں اور پاؤں خوبصورت کیسے ہیں۔رانوں سے لیکر پاؤں تک کے حصہ پر غور کرو۔خوب صورتی۔مضبوطی۔عجیب صنعت میں کیا شان رکھتے ہیں۔ران گھٹنے۔پنڈلی۔ٹخنہ۔پیر۔ایڑی۔تلوے اور انگلیوں کی بناوٹ اور خوبصورتی کی طرف ایک ایک نگاہ ڈالو۔صانع حقیقی کی صنعت کو کس طرح یاد دلا رہی ہیں۔

اب پھر سر کی طرف آؤ۔ اور ذرا انسان کے دماغ کی بناوٹ پر جو اللہ نے اُس کے سر میں رکھا ہے غور کرو۔ حکمت الٰہیہ نے دماغ میں کس قدر عجائبات صنعت رکھے ہیں۔ کہ اُس حکیم مطلق کی عمیق در عمیق قدرت اور حکمت کا پتہ بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پانچ حواس ظاہری عطا فرمائے جو گویا علم کے پانچ دروازے یا پانچ ہرکارے ہیں۔ یعنی باصرہ سامعہ شامہ۔ ذائقہ۔ لامسہ ان حواسوں کے مقام۔ آنکھ۔ کان۔ ناک۔ زبان و انگلیوں کے پورے اور جلد بدن ہیں۔ ان اعضا سے اعصاب پھیلتے ہیں۔ جو دماغ میں جا کر منتہی ہوتے ہیں۔ اور تار برقی کی طرح علے الفور ہر شے کی آواز۔ بو رنگ۔ مزے وغیرہ سے دماغ کو متاثر کر دیتے ہیں۔ دماغ آگے اُسے روح نفسانی کے آگے عرض کرتا ہے اور روح نفسانی اس کیفیت کے باعث کو دوڑ معلوم کر لیتا ہے۔ انہی حواس خمسہ سے ابتدائی حقائق نفس کو معلوم ہوتے ہیں۔ جو پھر آیندہ کی تمام معلومات کا دارو مدار ہے۔ انہی دروازوں سے وہ بنیاد کے پتھر نفس میں پہونچتے ہیں۔ جن پر عقل اپنی عالی شان ایوانوں کی بنیاد رکھتی ہے ◆

پھر اللہ تعالیٰ نے دماغ کو پانچ حواس باطنی عطا فرمائے ہیں۔ جن میں سے ایک حس مشترک ہے یعنی حواس خمسہ کے ادراکات کا ہیڈ کوارٹر جہاں حواس خمسہ ظاہری کے سارے محسوسات پہونچتے ہیں۔ پھر ایک قوت خیال ہے جو ان صور محسوسہ کو جسے حس مشترک نے ادراک کیا ہے۔ بعد غائب ہونے ان صورتوں کے اپنے اندر نگاہ رکھتی ہے اور حس مشترک کا خزانہ ہے ◆

پھر ایک قوت واہمہ ہے جو صور محسوسہ سے معانی جزیہ کو ادراک کرتی ہے اور ایک قوت حافظہ ہے کہ وہم نے جن معانی کو ادراک کیا ہے اُنکو نگاہ رکھتی ہے۔ اور یہ قوت گویا واہمہ کا خزانہ ہے جس طرح خیال حس مشترک کا ہے پھر ایک قوت متصرفہ ہے جو ان صور محسوسہ اور اُنکے معانی جزئیہ میں تصرف کرتی ہے ◆

اب انسان کی آنکھوں کو دیکھو حکمت الٰہیہ نے اُنہیں کس صنعت لطافت سے بنایا ہے آنکھ سے ۔ نازک اور عجیب چیز ہے اس کی حفاظت کے واسطے قدرت نے کیا کیا سامان بہم پہونچائے ہیں آنکھ کی بیرونی بناوٹ

کیسی عجیب ہے آنکھ کے ڈھیلے کو مضبوط ہڈی کے خول میں کھوپری سے ٹھوڑی دور اندر تک رکھا ہے اس وجہ سے اُسے جلد صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔اگر انسان کا چہرہ کسی سخت چیز سے ٹکرا جائے۔تاہم آنکھوں کو اندر گڑھے میں ہونے کی وجہ سے ضرر نہیں پہونچتا۔بھوؤں کے ہونے سے آنکھ کی سجاوٹ اور حفاظت ہے اور پلکوں سے روشنی کی چمک اور اَور چیزیں جو آنکھ کو نقصان دینے والی ہوں اندر نہیں جاسکتیں۔اور پلک کے بالوں سے بھی یہی فایدہ ہے اور اسکے سوا آنکھ میں گرد و غبار نہیں جا سکتا۔

اب اندرونی بناوٹ کی طرف غور کرو۔اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو کئی پردوں سے بنایا ہے اور وہ سب پردے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔اُن میں سے اگر ایک بھی کم ہو تو انسان کے دیکھنے میں خلل آجائے۔آنکھ کے پٹھے اس طرح سے لگائے گئے ہیں کہ آنکھ ہر طرف پھر سکے۔باہر کی چیزیں آنکھ کے وسیلے سے اس طرح دکھائی دیتی ہیں کہ روشنی کی کرنیں پہلی جھلی پر گرتی ہیں اور اُسکے گول ہونے سے وے کرنیں بھی ایک ہی مقام پر مل جاتی ہیں۔اور آنکھ کی پہلی رطوبت اور پتلی میں گذر کر دوسری رطوبت میں اور زیادہ پاس پاس مل جاتی ہیں۔اور اس حالت میں وے کرنیں تیسری رطوبت میں گھس کر چوتھی جھلی میں جو کہ آنکھ کے پچھاڑی ہے گرتی ہے اور وہاں باہر کی چیزوں کا نقش ہوتا ہے۔کہ جس کی بینائی کی نس کے وسیلے سے مغز اور دل کو خبر ہوتی ہے۔

انسان کے کان کی بناوٹ بھی بڑی عجیب ہے۔اگرچہ آنکھ جیسی صنعت اس میں نہیں۔مگر پھر بھی جس کام کے لئے بنایا گیا ہے اسکام کے واسطے وہ آنکھ کی مانند موزوں ہے۔کان کے ایسے موقع پر لگنے سے بڑی حکمت معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ وہ مغز کے قریب ہے۔جہاں کہ حواس کے ذریعہ سے سب باتوں کی خبر پہنچتی ہے۔کان کی بیرونی بناوٹ پر غور کرنا چاہئے۔جس چیز سے کان بنا ہوا ہے وہ چیز نہ تو گوشت کے برابر نرم اور نہ ہڈی کی مانند سخت ہے۔اگر کان گوشت کی طرح نرم یا ہڈی کی مانند سخت ہوتا تو جس کام کے لئے بنا ہے اُس کام کے لئے موزوں نہ بنتا۔کان کرکرا بنا ہوتا ہے اور وہ اس مقدار کا کڑا ہوا اور سخت اور صاف

ہوتا ہے کہ آواز کو پہنچ سکے - کیونکہ آواز کان میں ہوا کی لرزشی حرکت کی وجہ سے پہونچتی ہے کان کے باہر کے حصہ کا یہ بڑا کام ہے کہ وہ ہوا کی تھرتھراہٹ کو لے کر کان کے سوراخ میں لے جاوے اور اُس کے لئے یہی شکل موزون تھی - کان کی اندرونی بناوٹ اس سے بھی عجیب تر ہے - کان کے اندر ایک سوراخ ہوتا ہے - اُس سوراخ کے مُنہ پر بال ہوتے ہیں جنکی وجہ سے کیڑے اور گرد کے ذرے کان کے اندر نہیں جا سکتے - اس سوراخ سے ایک جھلی لگی ہوتی ہے جو ڈھول کی شکل سے بہت کچھ ملتی ہے - کیونکہ وہاں ایک ہڈی کا حلقہ ہوتا ہے - جسپر کہ وہ جھلی پھیلی ہوئی ہے - اندر کی طرف اس جھلی سے ایک چھوٹی ہڈی ملی ہوئی ہوتی ہے - جب کہ ہوا کے تھرتھرانے کا اثر جھلی تک پہونچتا ہے تب وہ اُس ہڈی پر لگتی ہے - جھلی سے دو پٹھے لگے ہوئے ہوتے ہیں - ایک پٹھا جھلی کو تنگ کر کے اُسے ہلکی اور ملایم آواز سے اثر پانے کے موافق کر دیتا ہے - اور دوسرا پٹھا جھلی کو ڈھیلا کر دیتا ہے اور اس سبب سے وہ جھلی زور کی آواز سُن سکتی ہے - اس ہڈی کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ہوتی ہیں - اور اُن کے ہونے سے یہ فایدہ ہوتا ہے کہ وہ جھلی سے آواز کو لے جاتی ہیں - اس کے بعد ایک سوراخ ہے جس کی صورت ایک گھونگے کے چھلکے سے ملتی ہے - کیونکہ وہ پیچدار ہوتا ہے اور سب سے پیچھے سننے کی نس ہوتی ہے - جو کہ مغز میں جا ملتی ہے +

انسان جب بولتا ہے تو اُسکا اثر ہوا پر پہونچتا ہے - ہوا بذریعہ موجی حرکت کے وہ اثر کان تک پہونچا دیتی ہے - اس سبب سے وہ جھلی جو کہ ڈھول کی صورت سے ملتی ہے ہلنے لگتی ہے - اور پھر یہ حرکت اُس ہڈی کو پہونچتی ہے جو کہ جھلی کے پیچھے ہوتی ہے اور پھر اُن ہڈیوں میں پہونچتی ہے اور پھر اُن کے ذریعہ سے مغز اور من تک خبر ہوتی ہے اور جتنے زور سے کہ وہ تھرتھراہٹ بذریعہ ہوا کے کان میں پہونچتی ہے - اُتنے ہی زور سے آواز سُنی جاتی ہے +

ناک بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ایک عجیب نمونہ ہے جس شخص کی ناک نہ ہو - وہ کیسا بھدا اور بدصورت معلوم ہوتا ہے - ناک نتھنے ایسی حکمت کے ساتھ بنائے گئے ہیں - کہ اُن کے وسیلہ سے انسان خوشبو اور

بدبو کو فوراً محسوس کر سکتا ہے۔ قسم قسم کی خوشبودار چیزوں کا لطف ناک ہی سے دماغ انسانی کو حاصل ہوتا ہے ✤

مُنہ کی طرف نگاہ ڈالو ناک اور ٹھوڑی کے بیچ میں کس خوشنما انداز سے رکھا گیا ہے۔ دو خوشنما ہونٹوں کی طرف نگاہ ڈالو۔ کیا مُڑ تُڑ سکتے ہیں۔ مُنہ کے دروازے کے گویا کواڑ ہیں۔ ہونٹ بولنے کے وقت کیسا کام دیتے ہیں ✤

جبڑوں کو دیکھو ایک اوپر ہے ایک نیچے۔ صرف نیچے کا جبڑا حرکت کرتا ہے۔ ایک اوپر ہے جس کی وجہ سے بیچ کے دانت چیزوں کو کاٹ سکتے ہیں۔ دوسرے اِدھر اُدھر۔ اس حرکت کے سبب ڈاڑھیں خوراک کو پیس سکتی ہیں ✤

زبان کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے کیسی کھردری۔ ملایم اور لچکدار پیدا کی ہر طرف مُڑ سکتی ہے۔ سب طرف حرکت کرتی ہے۔ اپنے کام کے لئے کیسی موزون ہے بولنے میں بھی کام دیتی ہے اور کھانے پینے میں بھی ✤

تالو مُنہ کی گویا چھت ہے۔ خوب سخت باہر گوشت اور اندر ہڈی اپنے کام کے لئے نہایت موزون ✤

رخساروں کی طرف نگاہ ڈالو دو طرف گویا مُنہ کی دو دیواریں نہایت نرم پھول کی پتیوں کو مات کرنے والے۔ اور نہایت خوبصورت اور خوشنما جو چہرہ کو چمکا دیتے ہیں ✤

دانتوں کی صورت جو بالفعل موجود ہے وہ دیکھنے اور غور کرنے کے قابل ہے سامنے کے دانت تیز بنائے گئے ہیں۔ تاکہ کھانے کی چیز کو کاٹ کر ددّدی کر دیں۔ پھر کھانے کی چیز کو مہین کرنے کے لئے اور چوڑی ساتھ ساتھ لگائے گئے۔ دانتوں کے قریب زبان پنہاری کی آنچوری کی شکل ہے۔ کہ اناج چکی میں ڈالتی ہے۔ اور قوت جو زبان کے نیچے ہے خمیر بنانے والے اور پانی چھڑکنے والے کی مانند ہے۔ کہ جس وقت جتنا پانی چاہئے۔ پانی بہا کر کھانے کو تر کر کے حلق کے نیچے سے اُتار دے۔ تاکہ کھانا حلق میں نہ اٹکے۔ دانت کھانے پینے میں بھی کام آتے ہیں۔ بولنے میں بھی آواز کو سُریلا کرتے ہیں۔ پھر دانتوں کی خوبصورتی کو دیکھو گویا

موتیوں کی دو خوبصورت لڑیاں منہ میں رکھ دی گئی ہیں۔ اس صورت کے خلاف اور کوئی شکل جو اس سے بہتر ہو۔ ساری دُنیا کے عقلمند اور فلاسفر ملکر نہیں نکال سکتے ؂

پھر دل کی طرف آؤ۔ کہ یہی حضرت ساری دُنیا کے بادشاہ ہیں۔ بدن انسانی انہی کی مملکت ہے۔ انہی کے وجود سے یہ مملکت قایم ہے یہی حرارت غریزی کا منبع اور روح حیوانی کا مقام ہے۔ جس سے سارے بدن کو فیض زندگانی پہونچتا ہے۔ انسان کی سعادت یا شقاوت انہی حضرت پر موقوف ہے۔ معرفت الٰہی انہی کا کام ہے۔ تصوّر ذات الٰہی باوجود اس کے بے حد و بے پایان ہونے کے انہی کا کام ہے ؎

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

انسان کے دل کو دیکھو۔ اللہ تعالیٰ نے کس خوبی کے ساتھ اُسے بنایا ہے۔ اُس کی شکل گاؤدم نما ہے۔ اور باہر کی طرف اُس کے دو حصّے ہیں ایک حصہ جو کہ اوپر ہے رگوں سے ملا ہے اور دوسرا حصہ بائیں پسلی کی طرف جھکا ہے اور اُسپر پھڑکتا رہتا ہے۔ اندر کی طرف دل میں دو قسم کے خول یا خانے ہیں۔ جہاں سے کہ رگیں بدن کے حصّوں میں خون لے جاتی ہیں۔ ایک قسم کے خانے خاص دل میں ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک خانہ دوسری قسم کے خانوں میں سے اپنے والے سے ملا ہوا ہے داہنی اوپر والے خانے میں۔ ایک بڑی رگ کے وسیلے سے سر اور بدن کے اوپر کے حصوں میں سے خون آتا ہے۔ اور اسی طرح سے اس میں خون بدن کے نیچے کے حصوں میں سے رگوں کے وسیلے سے پھر اُلٹا آتا ہے یہ رگیں ایک رگ میں خون جمع کرتی رہتی ہیں۔ اور وہ رگ اُس خانہ سے ملی ہوئی ہے۔ اور یہ خانہ جب کہ خون سے خوب بھر جاتا ہے تب سُکڑ جاتا ہے اور اس کی سکڑنے کی حرکت سے سارا خون نیچے والے داہنے خانہ میں چلا جاتا ہے۔ اور یہ خانہ بھی سُکڑ جاتا ہے اور خون کو ایک اور رگ میں پہونچاتا ہے۔ جو خون کو پھیپھڑے میں لیجاتی ہے

وہاں خون تبدیلی پاتا ہے اور پھر رگوں کے وسیلے سے اوپر والے بائیں خانہ میں جاتا ہے اور وہاں سے نیچے والے بائیں خانہ میں آتا ہے اور اُسکے سکڑنے سے وہ ایک اور رگ میں چلا جاتا ہے اور اُسکے پھیلنے سے پھر بدن کے تمام حصوں میں پہونچتا ہے۔ وہاں سے اوپر والے داہنے خانہ میں پھر چلا جاتا ہی اسی طرح سے خون ہمیشہ پھرتا رہتا ہے۔ جیتے جی نہ دل کا دھڑکنا بند ہوتا ہے اور نہ اس خون کا دورہ تندرستی کی حالت میں دل ایک منٹ میں ستر دفعہ سکڑتا ہے اور ہر دفعہ ایک چھٹانک خون آگے کی طرف دوڑ جاتا ہے +

دل میں بہت سی عجیب باتیں ہیں۔ اور اُس کی بناوٹ اور خاصیت کی تعریف کرتے وقت ضرور اُس ذات کی صنعت میں غور کرنا چاہئے جس نے دل کو بنایا۔ جس وقت دل کا دھڑکنا بند ہوجاتا ہے۔ خون کا پھرنا بھی رک جاتا ہے۔ اور فلکت بدن کے تمام کام بند ہوجاتے ہیں۔ اور یہ کارخانہ حس و حرکت سے رہکر پھینکنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ دل کے قریب ہی معدہ و جگر ہیں۔ معدہ اس لئے بنایا کہ جو غذا حلقوم کے ذریعہ سے اُس میں پہونچے اپنی گرمی سے اُسے پکائے +

جگر اس لئے بنا ہے کہ معدہ سے جو غذائے منہضم اُس میں پہونچے۔ ان سبکو ایک اندازپر خون کے رنگ کا کردے کہ وہ اعضا کی غذا کے قابل ہو +

تلی اس لئے بنی ہے کہ جگر میں پکے ہوئے خون کے نیچے جو تلچھٹ رہ جاتا ہے وہ تلچھٹ ہانڈی کے کھرچن کی مانند سودا ہو جاتا ہے۔ اُسے جگر سے لے لے +

پتّا اس لئے ہے کہ جگر میں پکی ہوئی غذا کے اوپر جو زرد زرد پھین ہوتا ہی جسے صفرا کہتے ہیں اُسے خون پر سے کھینچ لے۔ اور جب خون جگر سے باہر نکلتا ہے پتلا اور بے قوام ہوتا ہے +

گردہ اس لئے ہے کہ پانی کو لہو سے کھینچ لے تاکہ بغیر سودا اور صفرا کے قوام ہوکر خون خالص رگوں میں جائے۔ اگر پتے پر کچھ آفت پہونچ جاتے تو صفرا خون میں رہ جاتا ہے۔ اور صفراوی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اگر تلی میں کچھ خلل ہوتا ہے تو سودا خون میں ملا رہ جاتا ہے اور سوداوی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اگر گردے کو کچھ آفت پہونچ جائے تو خون میں پانی رہ جاتا ہے اور استسقا کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے +

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے ظاہری و باطنی اعضا میں سے ہر ایک کو ایک ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے کہ بغیر اسکے بدن کی کل ٹھیک نہیں چل سکتی۔ سچ ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا گویا خدا کو پہچان لیا ٭

پس دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس حکمت و صنعت سے پیدا کیا انسان کی بناوٹ میں اللہ تعالیٰ کی کیسی شان و حکمت چمک رہی ہے کہ دیکھنے والا بے اختیار فتبارک اللہ احسن الخالقین پکار اُٹھتا ہے۔ اسپر اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور استغنا کی شان کو دیکھو کہ ایسے پُر صنعت و حکمت مخلوق کو آن کی آن میں فنا کر دیتا ہے۔ پھر چراغ لے کر ڈھونڈنے سے کہیں اُسکا پتہ نہیں ملتا آدمی کا مرنا سچ پوچھو تو نہایت ہی خوفناک اور حیرت انگیز ہے کہ ابھی چلتا پھرتا سنتا بولتا۔ کھاتا پیتا خوشیاں کر رہا تھا۔ یکایک ایسا ساکت اور بیہوش ہو گیا۔ کہ کسی بات کی خبر نہیں۔ سب اُسکی خاطر روتے ہیں۔ پیٹتے ہیں چلاتے ہیں۔ کسی کی آواز نہیں سُنتا۔ یا تو ایک پتے کے کھڑکے سے چونک پڑتا تھا یا اب ایسا بےحس و حرکت پڑا ہے کہ بجلی کا کڑکا ہو تب بھی اُسے خبر نہ ہو ٭

اس سے حیرت انگیز نمونہ خدا تعالیٰ کی شان کبریائی کا دن اور رات ہے کہ جس وقت دن ہوتا ہے تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ تاریکی کا نام نہیں رہتا تمام عالم ایسا روشن ہو جاتا ہے کہ غور کرنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب یہ روشنی کہیں جا سکتی ہے؟ لیکن چار پہر کے بعد وہ کالی رات ڈراونی یکبیک آجاتی ہے کہ دن کی روشنی کا نشان تک باقی نہیں رہتا وآیۃ لہم اللیل نسلخ منہ النہار فاذا ہم مظلمون ۰۔

یا تو تمام دنیا میں اُجالا اور چہل پہل ہو رہی تھی اور سب آدمی چرند پرند وغیرہ اُچھل کود رہے تھے یا اب ایک سناٹے کا عالم چھایا ہوا ہے اور تمام دنیا میں اندھیرا چھایا ہوا ہے گویا کہ کوئی عالم میں نہیں ہے۔ اور دنیا بالکل ویران اور ایک اُجڑا جہان ہے ٭

اُسوقت ایسی حالت ہوتی ہے کہ یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اب عالم میں پھر ویسی ہی چمک دمک ہو جائے گی اور وہی بہار اور وہی رونق رفتہ از سر نو پھر آ جائے گی لیکن دس بارہ گھنٹہ کے بعد ایک نئی حالت پلٹ

جاتی ہے نہ ستاروں کی چمک کا نشان ہے اور نہ اندھیرے کا نام ہے
و۔ یا تو تمام دنیا مُردہ پڑی تھی۔ یا اب سب چمک نور کا عالم اور حیوان چرند پرند
ایک شور و غل کر رہے ہیں۔ گویا ابھی زندہ ہوئے ہیں +
یہ طلسم پُر حیرت پُر زور آنکھوں کے سامنے نظر آتا ہے اور یہ تماشائے
عجیب جو ہر روز دیکھا جاتا ہے واقعی دانشمندوں کے لئے ہُما غور کے قابل
اور قدرت الٰہی کا ایک عجیب نشان ہے ان فی خلق السمٰوٰت والارض
واختلاف الیل والنہار لآیات لاولی الالباب +
انسان کا یہ ایک فطرتی خاصہ ہے کہ جس شئے کو وہ ہر روز اپنی نظر
سے دیکھتا ہے اُس سے متعجب نہیں ہوتا اور نہ اُسپر عبرت کی نگاہ ڈالتا
ہے۔ کیسا ہی قدرت کا کرشمہ ہو۔ اُس کے ہر وقت دیکھنے سے ایک معمولی بات
ہو جاتی ہے۔ ورنہ دنیا کا ذرہ ذرہ۔ اور بات بات قدرت الٰہی کا ایک
زبردست نشان ہے وکاین من اٰیۃ فی السمٰوٰت والارض یمرون
علیہا وھم عنہا معرضون اور آسمان و زمین میں بہتیرے ہی نشان
ہیں جنپر وہ گذرتے ہیں اور اُن سے مُنہ پھیر جاتے ہیں +
ہماری عادت ہی واقعہ ہوئی ہے کہ ایک نقش کے دیکھنے سے فوراً
نقاش کا ایک صنعت کے دیکھنے سے علی الفور صانع کا خیال یقین کے
ساتھ ہمارے دل میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس نے اس عالم صغیر یعنی
انسان کو اس صنعت اور حکمت کے ساتھ بنایا۔ جس میں قدرت کے
بے انتہا نشان اور خدا تعالیٰ کی صنعت کی اعلیٰ درجہ کی شان جلوہ گر ہے
اُس احسن الخالقین عزیز وحکیم کی فوق الفوق صنعت و حکمت پر واقعی
دلیل بیّن اور ثبوت بدیہی ہے +
اب عالم کبیر کی طرف ایک نگاہ ڈالو اور غور کرو۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف
میں فرماتا ہے ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنہار لآیات
لاولی الالباب (۱) الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبہم و
یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک
فقنا عذاب النار۔ تحقیقاً آسمان و زمین کی پیدائش اور دن رات کے اولنے
بدلنے میں دانشمندوں کے لئے بڑے زبردست نشان قدرت ہیں

جو خدا کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے یاد کرتے ہیں - اور آسمان اور
زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور آخرکار اس نتیجہ پر پہونچ جاتے ہیں۔ کہ
ضرور اُن کا کوئی نہ کوئی عظیم الشان خالق ہے۔ جس نے اس خوبی اور حکمت
کے ساتھ ان چیزوں کو بنایا ہے اور بے اختیار پکار اُٹھتے ہیں۔ کہ اے پروردگار
ان میں سے تو نے کوئی چیز بھی بے فایدہ اور فضول پیدا نہیں کی - ہر ایک
چیز کی پیدائش کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے۔ تیری ذات لغویات سے
پاک ہے۔ تو نے ہر ایک بات میں حکمت رکھی ہے - پس ہمکو ایسے خیالات
سے بچا۔ کہ ہم تیری قدرتوں اور حکمتوں کو فضول سمجھیں - ورجہنم کی آگ
کے مستحق بنیں +

ذرا خدا تعالی کی عظمت شان اور قدرت عالیہ پر غور کرو۔ سورج ہماری
زمین سے ساڑھے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے - اور ہماری زمین ۸ ہزار میل قطر
رکھتی ہے۔ اس سے خیال کرو۔ کہ آفتاب کا جسم کسقدر بڑا ہوگا - اور اب
دُوربین سے معلوم ہوا ہے کہ وہ باریک باریک ستارے جو رات کو آسمان
پر نظر آتے ہیں - اور اکثر اُن میں چمکتے ہوئے نقطے معلوم ہوتے ہیں - وہ
سب سورج کے برابر بلکہ سورج سے بھی بڑے ہیں - چنانچہ وہ سفید راستہ
جو آسمان پر رات کو دکھائی دیتا ہے اور کہکشان کے نام سے نامزد
کیا جاتا ہے وہ اسی قسم کے بے اندازہ ستاروں سے ملکر بنا ہوا ہے - اب
اگر ہم اپنے سورج کی طرف غور کریں - تو آجتک سات سیارے دریافت ہو چکے
ہیں - جو سورج کے گرد گردش کرتے ہیں - اُن میں سے ایک ہماری زمین ہے
جس پر اللہ تعالیٰ نے اسقدر سامان اور اسباب بنا رکھے ہیں - جنکا احاطہ
کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے - رات کے وقت جبکہ سورج کی عالمگیر
روشنی سے محرومی ہوتی ہے - ہماری زمین کو چاند سے روشنی پہونچتی ہے والقمر
قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر
کر رکھی ہیں - یہاں تک کہ آخر میں وہ پھر کھجور کی پرانی خمیدہ ٹہنی کی طرح باریک
ہو جاتا ہے - غور کرو اسی طرح باقی سیارات کے بھی کئی کئی چاند ہیں - جو انہیں
رات کو روشن کرتے ہیں - اب خیال کرو کہ جن سیاروں کو رات کے وقت روشن
کرنے کے لئے ہماری زمین سے اسقدر بڑھ چڑھ کر سامان میسر ہیں تو وہاں

پر جو مخلوق آباد ہوگئی اور قدرت کے جو سامان وہاں پھیلے ہوئے ہونگے
انسان اُن کا تصور بھی نہیں کر سکتا ۔

اب جبکہ ایک سورج کے گرد سات سیارے گردش کر رہے ہیں۔ اور
اُن کے گرد مختلف چاند وغیرہ روشنی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیدا کر رکھو
ہیں۔ چاند زمین کے گرد پھرتا ہے اور زمین مع چاند کے سورج کے گرد۔ اور
یہ ہمارا سورج بھی ایک جگہ قائم نہیں بلکہ وہ بھی فضائے عالم میں آگے بڑھتا
چلا جاتا ہے اور تمام سیاروں۔ چاندوں اور دُمدار ستاروں کو اپنے جلو میں
ساتھ رکھتا ہوا ساڑھے ستارہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اس جُز عالم
میں نہایت سرعت کے ساتھ آگے دوڑ رہا ہے۔ اور ابھی نہیں معلوم
کہ یہ کس اور بڑے نظام عالم کا جزو ہے۔ والشمس تجری لمستقر لہا ذالک
تقدیر العزیز العلیم ۔

اسی طرح وہ بے انت اور ان گنت سورج جو رات کو آسمان کی زینت
نظر آتے ہیں۔ اور اُنکے گرد کتنے بے انت در بے انت اور بے عدد در بیعدد
سیارے اور پھر ان سے چھوٹے سیارے ہونگے جو سب کے سب اپنے
محوروں کے گرد گردش میں ہیں۔ اور سبکے سب اس خلا میں ہیں جو لا انتہا
دور تک زمین سے اوپر ہے جس کو سما (آسمان یا جوت) کہتے ہیں۔ مگر کوئی
ایک دوسرے سے ٹکر نہیں کھاتا اور اُسکو ان گنت زمانہ ہوچکا ہے کہ وہ
اپنا اپنا کام برابر کر رہے ہیں۔ لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ولا اللیل
سابق النہار کل فی فلک یسبحون ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیزیں سواری والی یا چلنے والی یا گھومنے والی
انسان نے بنائی ہیں وہ ایک دوسری سے کسی نہ کسی وقت ٹکر کھاتی ہیں
اور بگڑ جاتی ہیں۔ مثلاً بچے جو لٹو پھراتے ہیں۔ تو وہ ایک دوسرے سے ٹکرا
جاتے ہیں۔ گاڑیاں آپس میں بھڑتی ہیں۔ گھوڑے گھوڑوں سے اور گدھے
گدھوں سے یہاں تک ریلیں آپس میں ٹکر کھا جاتی ہیں۔ اور جہاز آپس
میں ٹکرا جاتے ہیں۔ حالانکہ اُنکے واسطے انسان کی طرف سے بڑا بھاری

لے نہ سورج ہی کو ہو پہنچے کہ وہ چاند کو جا لے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے۔ ہر
ایک ستارہ ایک ایک مدار میں گھوم رہا ہے ۔

[illegible] اب حادثہ وقوع میں نہ آئے مگر پھر بھی کبھی نہ کبھی [illegible] وقوع میں ہی جاتا ہے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد ان مصنوعی چیزوں کے پُرزے اور جوڑ گھس کر گھسنے اور بیکار ہو جاتے ہیں۔ اگر ان سب سواری کی چیزوں کو بلا ارادہ یونہی چھوڑ دیا جائے۔ تو اول تو اُن کا چلنا مشکل اور بفرض محال اگر چلیں بھی تو بچنا محال۔ ایک دوسرے سے ٹکرا کر سب فنا ہو جاتی ہیں ✤

غور کرو۔ یہ لا انتہا تمام اجرام سماوی جو آکاش میں حرکت کرتے ہیں اور سب کے سب بے جان ہیں۔ جن میں حس و حرکت اور اپنی ہستی تک کا شعور نہیں۔ اگر اُن کا انتظام و انصرام کرنے والا کوئی عظیم الشان قادر برحق اور حکیم مطلق نہ ہوتا۔ تو اول تو اُن اجرام کا وجود ہی نہ ہوتا۔ اور اگر بفرض محال ہوتا بھی۔ تو آپس میں ٹکرا کر لمحۃ البعد میں چکنا چور ہو جاتا۔ بس اس سے ظاہر ہے۔ کہ ضرور کوئی ایسی بڑی عظیم الشان اور فوق الفوق طاقت موجود ہے۔ جس کی قوت ارادیہ کا یہ سب ظہور ہے ✤

اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ انسان کی کاریگری کی گاڑیاں وغیرہ زمین کے سہارے پر چل کر بھی ٹھوکریں کھاتی اور ٹکریں لڑتی ہیں۔ اور ایک ادنےٰ سے ادنےٰ گولی بھی انسان بغیر سہارے کے خلا میں قایم نہیں رہ سکتا فوراً زمین پر گر پڑتی ہے۔ چہ جائیکہ اُسکو متحرک کر سکے۔ یقیناً اس سے اُس صانع حقیقی اور قیوم عالمین کی وراء الورا اور فوق الفوق قدرت کا پتہ لگ سکتا ہے کہ کس طرح سے اُس نے بلا کسی سہارے کے (بغیر عمد) ان اجرام سماوی کو اُن کے پیچ در پیچ حرکتوں کے باوجود بغیر کسی حادثہ کے ہونے کے تھام رکھتا ہے ومن آیاتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکہما من احد من بعدہ۔ اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونہا ثم استوی علی العرش اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان و زمین اُس کے حکم سے قایم ہیں۔ یقیناً [illegible] نے ہی آسمانوں اور زمین کو تھام رکھا ہے۔ اور اگر وہ اپنی جگہ سے [illegible] ہیں تو پھر اُس کے سوا کوئی بھی نہیں جو اُن کو اس طرح پر تھام سکے وہی عظیم الشان ذات ہے جس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا۔ پھر وہ

عرش سلطنت پر جا براجا ۔

ایسا ہی خوردبین کے ذریعہ سے جو باتیں معلوم ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہوا میں جو مختلف قسم کے بیشمار ذرات ہیں جب باہر سے کسی سوراخ میں سے دھوپ کمرہ کے اندر پڑتی ہے تو بہت سے اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مٹی کے ذرات ہیں ۔ جو ادھر ادھر اڑتے پھرتے ہیں ۔ مگر ان ذرات کو خوردبین سے دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ وہ قریباً سب جاندار ہیں ۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی مخفی مخلوق ہیں جو ہر سانس کے ساتھ ہمارے معلوم کئے بغیر ہمارے اندر جاتے اور باہر آتے رہتے ہیں ۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو مختلف امراض کو پیدا کرتے ہیں ۔ اور اتنی ننھی سی جان تو [illegible] واسطے انسان پر مسلط ہو جاتے ہیں ۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جو [illegible] والے ذرات کو کھا جاتے اور ہضم کر جاتے ہیں ۔ اور [illegible] صحت اور قوت بخشتے ہیں ۔ اور ان چھوٹے چھوٹے ذرات کی [illegible] ہے اور معدہ بھی اور اور دیگر اعضا بھی انسانی صنعت [illegible] محدود ہے جو کسی قدرتی چیز کا مقابلہ نہیں کرسکتی ۔ یہاں تک [illegible] انسان ایک گھاس کا تنکا بھی نہیں بنا سکتا ۔ مکھی کا پر نہیں بنا سکتا ۔ اور جب کہ کوئی چیز خود بخود نہیں ۔ تو یہ مخلوقات اجسام بھی ضرور [illegible] اور فوق الفوق طاقت کی ایجاد ہیں ۔ جو اس کی بے پایاں [illegible] اور غیر محدود قدرت کو ظاہر کر رہے ہیں ۔

پانی کی ایک بوند کیا شے ہے ایک قطرہ آب کو خوردبین کے نیچے رکھ کر دیکھو تو اس میں ایک نئی ہی دنیا معلوم ہوتی ہے ۔ اس میں کئی طرح کے کیڑے اور جاندار دکھائی دیتے ہیں ۔ اگر ایک قطرہ آب کی بناوٹ اور ماہیت و خواص وغیرہ پر بحث کی جائے ۔ تو پانی کی ایک بوند سے کئی گنا بڑھ کر سیاہی خرچ ہوتی ہے ۔ اسی طرح سے اگر ان سب قطروں کے خواص اور ماہیت لکھی جائے جتنے کہ ساتوں سمندر کے برابر سیاہی خرچ ہو جائے گی ۔ اور ابھی ان کے خواص و صفات بالکل ختم نہ ہونگے ۔ ایسا ہی اگر کسی درخت کی ٹہنی کی نسبت مفصل لکھیں [illegible] طرح سے [illegible] بناوٹ

ہے کیا کیا اُس میں پردے اور راستے ہیں۔کیا کیا اُس میں پرورش کا سامان
ہے اور اُن میں بھی ایسی ندیاں اور نالیاں ہیں۔ جیسے کہ انسان میں
شریانیں اور وریدیں اور یہ کہ کس طرح وہ زمین سے اپنی غذا حاصل
کرتی ہے اور کس مُنہ کے ذریعہ سے غذا کا (رس چوس) لیتی ہے اور
کس پھیپھڑے سے وہ اس غذا اور رطوبت کو صاف کرتی ہے۔ اور پھر
کس طرح سے وہ ابر سے بری ہوجاتی ہے۔اور کس طرح سے سُرخ۔ سفید۔
اودی اور زرد رنگ کے پھول لگتے ہیں۔ اور اُس کے پتوں اور پھولوں
پر وہ خط اور خال کیا مطلب رکھتے ہیں۔تو ضرور ہے کہ یہ کیفیت لکھتے
لکھتے اگر اُس ٹہنی کی قلمیں بنائی جائیں۔تو وہ گھس گھس کر تفصیل لکھنے
سے پیشتر ہی خرچ ہوجائیں۔ اسی طرح سے اگر ان سب قلموں کی ماہیت اور
بناوٹ وغیرہ لکھی جائے جو زمین کے درختوں سے بنی ہیں تو وہ سب کے
سب درخت خرچ ہوجائیں۔پیشتر اسکے کہ اُن کے خواص ختم ہوں۔ قل
لوکان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو
جئنا بمثلہ مددا۔ ولو ان من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ
ابحر ما نفدت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم تو کہہ اگر میرے رب کی
حکمت کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر سیاہی ہوجائیں تو وہ اس سے
پیشتر ختم ہوجائیں۔کہ میرے رب کی حکمتیں ختم ہوں۔اور اگرچہ اسی قدر
سیاہی اور مدد کو لے آئیں۔اگر سارے جہان کے درخت قلمیں بن
جائیں۔اور سمندر اُس کی سیاہی ہو اُس کے بعد سات سمندر اور مدد
کے لئے لائے جائیں۔تو بھی اللہ کی حکمتیں ختم نہ ہونگی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ
بڑا ہی صاحب قدرت اور اعلےٰ درجہ کی حکمتوں کا مالک ہے ؎

غرض کہ عظمت شانِ خالق حقیقی میں نہ حیراں بماند ہر کہ دریں
افتکار کرد۔ والا معاملہ ہے۔جب یہ حال ہے کہ صرف زمین کے درختوں
اور سمندروں کی ذاتی ماہیت وخواص کے لکھنے میں ان درختوں کے
برابر قلمیں اور سمندروں کے برابر سیاہی خرچ ہو جاتے تو پھر مختلف اجرام
ارضی وسماوی جس میں لا انتہا ستارے سیارے چرند پرند۔حیوانات
مع نباتات وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔اُن کی کیفیت اور اصلی ماہیت لکھنے

کے لئے جس قدر قلمیں اور سیاہی درکار ہوں اُسکا دیا ہی اندازہ ہے۔ اُسکی اپنی ذات کا علم اور معرفت کا پانا اور بھی محال در محال ہے ان فی خلق السموت والأرض واختلاف الیل والنہار والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء واحیا به الارض بعد موتها وبث فیها من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایات لقوم یعقلون۔ یقیناً آسمان و زمین کی پیدائش اور دن رات کی آنے جانے اور جہازوں میں جو سمندر کے اندر لوگوں کے فایدہ کی چیزیں (اسباب تجارت) لیکر چلتے ہیں۔ اور مینہہ جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا اور اُس سے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد جلایا اور زمین میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے اور ہواؤں کے اِدھر اُدھر جانے اور بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان حکم الٰہی میں مسخر ہے۔ البتہ اہل عقل کے لئے قدرت الٰہی کے بڑی زبردست نشان ہیں ؎

وحدت کے ہیں یہ جلوے نقش و نگار کثرت
گر سِرّ معرفت کو پاوے شعور تیرا

فلسفہ الٰہی

(وحی ۔ الہام اور رسالت)

اس میں کچھ شک نہیں کہ عقل جو قدرت نے ہمکو عطا فرمائی ہے وہ ایک ایسا چراغ جسم میں ہے جس سے ہم دنیا کی اُن اشیاء کو بھی جہاں تک ہماری نگاہ نہیں پہونچ سکتی اور حواس کی وہاں تک رسائی نہیں دیکھ سکتے اور معلوم کر سکتے ہیں۔ جو امر ہنوز ظہور نہیں پایا اُس کی صورت بنا کر یہ عقل کھڑی کر دیتی ہے کہ اگر ایسا کروگے تو ایسا ہوگا ۔

عقل ہی سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ عقل ہی نے اُس کے سر پر افضلیت و اشرفیت کا تاج پہنا رکھا ہے۔ عقل ہی سے انسان اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ قدرت نے یہ جوہر نفیس اور گوہر بے بہا صرف

انسان ہی کو بخشا ہے۔ دیگر حیوانات میں یہ ادراک نہیں ہے۔ نہ وہ کسی چیز کی اصلیت اور حقیقت کو دریافت کر سکتے ہیں۔ صرف اُنکی اتنی ہی مقدور ہے کہ وہ اپنی خوراک اور آرام کی چیزوں کو جانتے اور اپنے مضر کو پہچانتے ہیں۔ اُن میں حقایق اشیا کے ادراک اور ایجادات کا مادہ ہرگز نہیں ہے ایک ہی طرح کا مکان یا گھونسلا بنانا اُنکا فطرتی خاصہ ہے۔ وہ جب بنائینگے۔ اُسی قسم کا بنائینگے۔ اُس سے ترقی نہیں کر سکتے نہ دوسری قسم کا بناسکتے۔ مگر انسان ہے جو روزمرہ نئی نئی وضع۔ نئی طرز ہر ایک امر میں اپنی عقل خداداد سے کرتا اور بناتا رہتا ہے۔ انسان کی عقل عالم بالا تک کی اشیاء کو دریافت کرتی ہے۔ اور اُن کی حقیقت معلوم کرکے قسم قسم کی اشیاء اور چیزیں بناتی ہے غرضکہ انسان کی عقل غیر محدود اور حیوان کی سمجھ بالکل محدود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ زمین پر اُسے آباد کیا اُس وقت اُسکے پاس بجز آلہ عقل کے اور کچھ نہیں تھا۔ عقل ہی سے اُسنے سب کچھ ایجاد کیا۔ رہنے کے لیے مکانات بنائے۔ شہر بسائے۔ لباس بنائے۔ ترکاریاں اور غلے بوئے۔ طرح طرح کے نفیس کھانے پکائے۔ اور جہالت اور وحشت کی اسفل السافلین سے نکلکر ترقی اور تہذیب کے اعلے علیین پر جا گزین ہوا۔ دنیا میں جو کچھ چہل پہل اور رونق نظر آتی ہے سب عقل ہی کا کرشمہ اور اُسی کا کھیل ہے۔

یہ عجیب عجیب حویلیاں اور خوب صورت مکانات قسم قسم کے پھل پھول درخت اور باغات تار۔ ریل اور قسم قسم کے اور ایجادات۔ سمندروں میں اگن بوٹ اور جہازات سب عقل ہی کی نادر اختراعات کا نمونہ ہے اگر عقل نہ ہوتی تو ان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ انسان وحشیوں کی طرح اِدھر اُدھر مارے مارے پھرا کرتے۔ اُن کے پاس اپنے بچاؤ تک کا کوئی آلہ نہیں تھا یہ سب طعمہ شیر و پلنگ اور لقمہ مار و نہنگ ہو جاتے۔ اُنکی دنیا میں قیام کی کوئی صورت نہ تھی۔ لیکن عقل سے اس نے شیروں اپنے قابو میں کر لیا وحشیوں کو اپنا مطیع بنا لیا۔ آگ ہوا پانی سے اُس نے وہ کام لیا۔ جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور ان طلسمات کے مشاہدہ سے خدا تعالےٰ کی

عجیب حکمت و قدرت یاد آتی ہے۔ عقل ہی ہمکو اپنی بہتری اور نیکی کے کاموں کی طرف راغب کرتی اور برائی اور بدی کے کاموں سے مصئون و محفوظ رکھتی ہے۔ انسان حتی الامکان وہ کام نہیں کرتا جس سے اُسکو تکلیف یا نقصان ہو +

جب عقل میں فرق آجاتا ہے تو آدمی دیوانہ ہوجاتا ہے اُسے کچھ ہوش اور سُدھ بُدھ نہیں رہتی۔ وہ اپنا نیک و بد نہیں سمجھتا۔ نہ اپنے مال کی حفاظت کا اُسکو خیال ہوتا ہے اور نہ جان کے تلف کاموں۔ عزت۔ دولت۔ راحت۔ کلفت۔ وقت کسی کی طرف بھی اُسکی نظر نہیں پہنچتی +

در اصل یہ عقل ہماری نہایت درجہ کی محافظ۔ صلاح کار اور اعلے درجہ کی مفید مطلب ہے۔ لیکن جہاں اس میں جہان بھر کی خوبیاں اور سرتاپا نکوئیاں ہیں۔ وہاں اتنا نقص بھی اُسکو لگا ہوا ہے کہ یہ خطا سے محفوظ نہیں۔ کتنا ہی عقل ذکی اور فہیم آدمی ہو مگر بالکل خطا سے وہ بھی محفوظ نہیں۔ بعض دفعہ کوئی ایسی رائے دیتا ہے جو اصلیت سے کوسوں دور اور جس کا نتیجہ نہایت ہی مضر اور خراب نکلتا ہے +

یونان کی عقل نہایت ہی مشہور اور مسلم ہے۔ بطلیموس [illegible] کے حکماء میں پرلے درجہ کا عقلمند اور دانا حکیم ہوا ہے جس کے مقلد افلاطون اور ارسطو جیسے مشہور اور نامی فلاسفر ہو گذرے ہیں۔ اُس کی رائے تھی کہ زمین ساکن ہے اور آسمان کو گردش ہے یہ عقیدہ تمام دنیا میں پھیل گیا۔ اور ہزاروں سال تک لوگ اسی کے قایل رہے۔ اور زمین کے سکون اور آسمان کی گردش پر سینکڑوں رسالے تالیف اور تصنیف ہو گئے۔ اور اب تک کروڑوں آدمی اسی بات پر متفق ہیں +

لیکن بعد میں جو ایک زبردست حکیم فیثاغورث اُس ملک یونان میں پیدا ہوا۔ اُسکی عقل بطلیموس کے بالکل برخلاف اس جانب آئی کہ زمین ساکن نہیں۔ بلکہ آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے۔ اور آفتاب ساکن اور نظام عالم کا سینٹر ہے۔ اُس نے اس مسئلہ کو ایسی روشن دلایل کے ساتھ لوگوں کے ذہن نشین کیا کہ بہت آسانی سے لوگ سمجھ کر دنگ رہ گئے اور کوئی شخص عمدہ براہین کے ساتھ اُسکو رد نہ کرسکا +

کے بعد جو حکما ہوئے۔ سب نے فیثا غورث کی رائے کو پسند کیا۔ اور بطلیموس کی رائے کو بالکل ترک کر دیا۔ نظام فیثا غورثی دنیا میں ایسا مقبول اور رایج ہوا۔ کہ آج تمام مہذب دنیا اسی کی گرویدہ ہے۔ مدونداوہ ہے۔ سارا یوروپ۔ امریکہ۔ ایشیا کے اکثر ممالک۔ افریقہ کی مہذب قومیں تہ دل سے اس خیال کی قائل ہیں اور آفتاب کو مرکز عالم۔ مدوزمین کو ساکن قرار دیتی ہیں +

بااین ہمہ قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ کہ فیثا غورث ہی کی رائے بالکل ٹھیک اور بکلی غلطی سے محفوظ ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں بھی بعض غلطیاں ہوں جو اپنے وقت پر ظاہر اور فاش ہو جائیں +

ایسا ہی افلاطون کا یہ قول ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کو اُس مادہ سے بنایا جو پہلے سے بے ترتیب موجود تھا۔ جس طرح کمہار مٹی سے مختلف قسم کے برتن اور کھلونے بنا لیتا ہے۔ اسی طرح خدا نے مادہ موجودہ سے دنیا کو پیدا کیا۔ گویا افلاطون آریوں کی طرح مادہ کو قدیم اور خدا تعالیٰ کی خالقیت سے باہر رکھتا ہے اور باوجود اتنا بڑا عقلمند مشہور ہونے کے جس طرح افلاطون نے مرتے وقت ایک بُت کے نام مُرغی کی قربانی چڑھوائی۔ اسی طرح یہاں بھی اُس کی عقل ماری گئی اور اُسے یہ سمجھ نہ آئی کہ جب مادہ مع اپنے مختلف صفات و خواص کے ازخود موجود ہے اور اپنے وجود و بقا میں ایک موجد کامل اور علت العلل کی ضرورت نہیں رکھتا تو مادی چیزوں کو جوڑ جاڑ کر مختلف اشیاء کے رچنے کے لئے خدا کی کیا ضرورت ہے وہ بھی اپنے طور پر مادہ کا ظہور اور نیچر کا نقشہ مان لینا چاہئے۔ اُسکے خلاف اس حکیم ربانی اور فلاسفر زبردست حضرت لقمان حکیم کا یہ قول ہے کہ دنیا تو مادہ سے بنی۔ مادہ کو کس نے بنایا۔ مادہ کا ظہور بغیر ایک خالق برحق اور موجد کامل کے نہیں ہو سکتا۔ اور اسی سے خدا کی ایجادیت اور خالقیت حقیقی کا اثبات ہوتا ہے +

تو بات یہ ہے کہ دنیا میں عقلاً ہر دو اقوال کی عقلمند نے بارہا چکر کھایا ہے۔ آج کسی امر کی نسبت کچھ رائے ہوتی ہے۔ کل کچھ۔ سمجھا کچھ ہے نکلا کچھ۔ مدت تک ایک چیز کا فائدہ کچھ سمجھتے رہے۔ مگر آخر کار کچھ اور نکلا۔ نیز مدت کا تو نون سمجھ کچھ۔ مگر وہ اور طرح پر ثابت ہوا۔ اُن سے مفہوم

وجوزہ قوانین قدرت میں ہمیشہ شدید انقلاب واقعہ ہوتا رہا۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ عقل انسانی خطا سے بکلی محفوظ نہیں۔ اور جس کے واسطے فطرتی خطا لگی ہوئی ہے کہ وہی غلطی بھی کرتی ہے تو اسپر قطعی اعتماد نہیں ہوسکتا۔

دنیا میں کوئی عقلمند یہ دعوی نہیں کرسکتا۔ کہ میری عقل کبھی خطا نہیں کرتی۔ نہ آجتک کسی نے دعوی کیا۔ جس حالت میں عقل کی یہ کیفیت ہے کہ وہ خطا سے محفوظ نہیں۔ اور الانسان مرکب من الخطاء والنسیان۔ مشہور مقولہ ہے تو ان امور کے لئے جو انسان کی ابدی اور دایمی زندگی میں کام آنے والے ہیں۔ عقل کو کامل رہنما نہیں بنا سکتے۔ نہ اسپر کلی بھروسہ رکھ سکتے۔

کیونکہ جس حالت میں عقل کی نسبت غلطی کا احتمال ہے۔ اور مذہب ایک امر غیبی اور اسرار الٰہی ہے تو لازم ہوا کہ کوئی چیز عقل کے سوائے انسان کی روحانی اصلاح کے لئے ایسی ہونی چاہئے۔ جو خطا سے محفوظ ہو۔ اور وہ ایسی چیز ہو۔ جس میں کسی قسم کا کوئی احتمال نہ رہے۔ اور وہ منجانب اللہ ہو تاکہ سب آدمی اسکو سمجھ کر پکا یقین کرلیں۔ اور اس کے اتباع کرنے سے ابدی طیب زندگی حاصل کریں۔

اس کے واسطے قدرت نے بندوں کی اصلاح روحانی کے لئے رفع حجت کی غرض سے الہام کا قاعدہ مقرر فرمایا۔ جس میں خطا کا احتمال تک نہیں۔ کوئی شخص بت پرستی کو اچھا سمجھتا ہے کوئی برا۔ کوئی انتقام لینا پسند کرتا ہے۔ کوئی عفو محض۔ کوئی گوشت خوری جایز سمجھتا ہے کوئی ناجایز۔ کوئی ایک چیز کو کھانا حلال جانتا ہے۔ کوئی حرام۔ ایک حکیم ایک فعل کو پسندیدہ اور ثواب سمجھتا ہے۔ دوسرا اسکو ناروا اور گناہ۔ ایک شخص ایک امر کو نیکی سمجھتا ہے دوسرا اسکو برائی۔

ایک فلسفی دیگر حیوانات کی نظیر پیش کرکے اپنی فلسفانہ طبیعت سے [illegible] وغیرہ جایز سمجھتا ہے۔ دوسرا فعل شنیع۔ کوئی کسی امر کو باعث نجات ابدی [illegible] دوسرا اسی امر کو باعث ہلاکت اخروی۔ ایسی اختلاف شدید کی حالت میں انسانی عقل بالکل ششدر اور حیران اور درماندہ اور سرگرداں ہے۔ اور حکیم کامل

لوگ سخت سرکش اور شریر ہوگئے۔ اور بُت پرستی اور بُطلان پرستی کی طرف مائل ہوئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیث اور ادریسؑ اور نوح ؑ کو رسالت کے لیئے مخصوص کیا۔

ان برگزیدہ لوگوں کی کوشش سے بہت سے لوگ فطرت الٰہی پر قائم ہوگئے۔ مگر امتداد زمانہ کے بعد پھر لوگ بگڑ گئے اور اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ قدرت کی طرف سے روحانی بارش برابر برستی رہی۔ جا بجا اور متواتر الہام ربانی نازل ہوتا رہا۔ اور یہاں تک کہ وان من امۃ الاخلا فیہا نذیر۔ کوئی امت نہ رہی۔ جس میں کوئی نہ کوئی بالواسطہ یا بلا واسطہ ڈرانے والا نہ آیا ہو جو لوگ خدا کے اُن مرسلین کی اطاعت کرتے رہے وہ خدا کے مطیع اور عباد الرحمان کہلائے اور فریق مخالف باغی اور اولیاء الشیطان +

مرسلین الٰہی نے اپنی طرف سے اصلاح خلق میں بہت کوشش کی اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی۔ مگر اُن کی اُمتیں تقلید جاہلانہ پر ایسی اڑیں کہ بہت کم اُن کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوتی رہیں +

یہ لوگ حقیقت سے دُور جا پڑے اور آبائی تقلید پر جم گئے۔ انبیاء وقت کی تکذیب۔ تضحیک اور تردید کرنے لگے۔ اور اُن کی جان کے لاگو ہوگئے۔ اور اُس ضد پر اڑ گئے کہ آبائی طریق کیسا ہی نامعقول۔ ذلیل۔ بیہودہ۔ خراب اور جھوٹا ہو۔ اُسکو ہرگز ہرگز چھوڑنا نہیں چاہئے۔ تحقیق و تفتیش کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی حالت میں اُنکی اصلاح بڑی مشکل ہو جاتی تھی +

اصلی جہالت اور ضلالت کا سبب تقلید آبائی ہے۔ جس کو جہالت نے رنگ برنگ کے جلووں سے وہ رنگ دیا۔ جس کی صورتیں اور طرزیں ہزاروں قسم کی ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ کوئی بُت پرستی پر اڑ گیا۔ کوئی آتش پرستی پر۔ کسی نے تصلیب مسیحؑ کو ذریعہ نجات قرار دیدیا۔ کسی نے کسی بات کو۔ سب لوگ ایک ایک خیالی باطل پر اڑ گئے ہیں +

تقلید آبائی کے برابر کوئی دشمن انسان کا نہیں۔ اس نے لاکھوں کو غارت کر دیا۔ کروڑوں گھر برباد کر دیئے۔ ملک کے ملک تہس نہس ہو گئے حالانکہ انسان کو آنکھیں دی گئیں۔ ہوش و حواس عطا ہوئے۔

سُنّت الٰہی ہے کہ یہ دوسروں کے بھروسے پر نہ رہے۔ اپنی سعی اور محنت سے فوائد دارین حاصل کرے۔ راہ حق کی تلاش کرے ؛

انبیاء وہ لوگ ہیں جن کی صداقت اُن کے حالات سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ اُن کا فوق العادہ استقلال۔ بے غرضانہ نصیحت۔ سادگی اور صاف باطنی۔ قوم کی سچی خیرخواہی اور ہمدردی۔ نصیحت مشفقانہ اُن کی صداقت کی صریح شہادت دیتی ہے +

انبیاؑ سے جو جو معاملات قوم کے ہوئے وہ ایسے صاف و روشن ہیں جن میں کوئی شبہ کا محل نہیں ہے۔ ملک کے مُلک اور قوموں کی قومیں اُنکی شہادت دے رہی ہیں۔ اگر یہ لوگ خدا کے صادق بندے نہ ہوتے۔ تو قدرت کبھی اُن کے مخالفوں کو تباہ اور برباد نہ کرتی۔ شہر کے شہر اور بستیوں کی بستیاں یکبارگی خاک میں نہ ملا دیتی۔ انبیاؑ اور رسول پے درپے اُن لوگوں کے پاس آئے اور اُن کو ہر طرح سمجھایا۔ تنبیہ کیا۔ ڈرایا۔ مگر وہ اپنے جھوٹی فلسفے کے گھمنڈ میں اُنکی تکذیب فلسفیانہ وضع سے کرتے رہے وفرحوا بما عندھم من العلم وحاق بہم ما کانوا بہ یستہزؤن ٭ جس کے باعث خدائی قہر اور غضب کے مورد ہوئے۔ غضب الٰہی انپر نازل ہوا۔ اور وہ بے نام ونشان دنیا سے جاتے رہے اور عذاب ابدی کے سزاوار ہوئے۔ موران الٰہی کے برخلاف جو شخص اُٹھا مورد غضب الٰہی اور چکنا چور ہوگیا۔ یہ امر ان ماموران الٰہی کی صداقت کا بدیہی ثبوت ہے +

جب پروردگار نے جسمانی اور فانی زندگی کے لئے ایسے ایسے اعلےٰ درجہ کے سامان بنا رکھے ہیں۔ قسم قسم کے اسباب مہیا کئے ہیں اور روحانی زندگی جو ابدی اور لازوال ہے اُس کے لئے قدرت نے کوئی بھی انتظام نہ کیا ہو۔ یہ خیال محال ہے +

پس الہام الٰہی کا نازل ہونا۔ انبیا کا دنیا میں بھیجا جانا۔ پیغامات الٰہی کا ادا کرنا قدرت کی طرف سے نہایت ضروری تھا۔ جو سلسلہ وحی ورسالت کو بدیہی طور پر ثابت کر رہا ہے +

یہ سلسلہ وحی ورسالت کا اُسی دن سے شروع ہے۔ جب سے دنیا میں انسان کی پیدائش ہوئی۔ قرآن شریف میں جابجا اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہے کہ نبیوں کی طرف بھی اُسی طرح وحی کی گئی ہے جس طرح انبیاء سابقہ کی طرف جو آدم ع کے زمانہ سے حضرت عیسیٰ ع کے زمانہ تک ہوئے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الی ابراہیم واسمعیل واسحاق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وھارون وسلیمان واٰتینا داؤد زبورا ورسلا قد قصصناھم علیک من قبل ورسلا لم نقصصھم علیک وکلم اللہ موسیٰ تکلیما رسلا مبشرین ومنذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل وکان اللہ عزیزا حکیما (نساء ع ۲۳) اور ہم نے تیری طرف وحی بھیجی۔ اور ہم نے ابراہیم ع اور اسماعیل ع اور اسحاق ع اور یعقوب ع اور یعقوب ع کی اولاد اور عیسیٰ ع اور ایوب ع اور یونس ع اور ہارون ع اور سلیمان ع کی طرف وحی بھیجی۔ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔ اور بہتیرے رسول بھیجے جنکا حال تجھ سے بیان کر چکے [illegible] جنکا حال تجھے نہیں بتایا۔ اور خدا نے موسیٰ ع سے [illegible] یہ سب رسول بھیجے گئے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی رحمت [illegible] اور اُس کے غضب سے ڈرائیں۔ تاکہ لوگوں کو [illegible] بھیجنے کے بعد خدا پر کوئی حجت اور الزام کی جگہ نہ رہے اور خدا [illegible] اور پھر فرمایا ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون (یونس) اور ہر اُمت میں ایک رسول [illegible] پاس رسول آچکا تو اُن میں انصاف سے فیصلہ [illegible] ظلم نہیں ہوگا۔

پھر آنحضرت ص کی طرف مخاطب ہو کر [illegible] ولکل قوم ھاد تو تو لوگوں کو ڈرانے والا ہے اور ہر قوم [illegible] ہادی گذر چکا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ضرورت کے وقت آسمان سے

۱؎ آریہ لوگ جنکا یہ خیال ہے کہ اسلام صرف ۱۳ سو سال سے ہے۔ یہ انکی غلطی اور مغالطہ ہے اسلام ۱۳ سو سال سے نہیں بلکہ جب سے انسان ہے تب سے اسلام ہے جسکا نام وحی والہام ہے۔ ہاں اُس وحی کے تابعین کا نام مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کی وجہ سے مختلف ہوتا گیا مگر ایک چیز کے مختلف نام ہونے سے وہ چیز دوسری نہیں ہو جاتی تمام مذاہب میں اصلی مذہب (توحید۔ رسالت۔ اخلاق۔ سزا۔ جزا۔ معاد) ایک ہی رہا ہے فقط فروعیات میں حسب اقتضائے زمانہ اختلاف ہوا جو زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ضروری تھا پس اسلام اُسی زمانہ سے ہے جب سے انسان دنیا میں پیدا ہوا۔ اور دین حق کے تابعین کا نام مسلمان حضرت ابراہیم ؑ نے رکھا وھو سماکم المسلمین ۔

باران رحمت متواتر نازل فرمایا کرتا ہے اسی طرح وقت وقت پر اُسکی روحانی رحمت کی تجلی لگاتار جاری رہی۔ اور وقت وقت پر وحی و الہام کا آسمانی مینہہ برستا رہا۔ تمام انبیاء عقاید و اصول مذہب میں متفق تھے اور بجز چند فروعات اور رسمی باتوں کے اُن کے مذہب میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ اصول توحید اور اخلاقی اور اصلی باتوں میں سب متفق اور موافق تھے۔ انسانوں نے جن عقائد اور شرارت سے جو الہام الہی سے روگردانی کی۔ اللہ تعالی نے ایک پیغمبر کو بھیج دیا اور اگر آسمانوں کی سنت ہے آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت پر نہ رہی تو اس کی اصلاح کے لئے ایک نئی کتاب بھی بھیج دی۔ جو پہلی کتاب کے موافق اور اُسکی مصدق تھی۔ سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلعم پر قرآن شریف نازل ہوا۔ اُس کی حفاظت اللہ تعالی نے اپنے ذمہ لی۔ اور قیامت تک اُسکے ایک لفظ یا شوشہ میں فرق آنے کی مجال نہیں۔ [illegible] میں غلطی اور خطا کا امکان ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔۔

فلسفہ انسانی اور اُسکی حقیقت

فلسفہ حقہ پر صرف انبیاء کا مذہب قایم ہے جن میں کبھی کسی اصول میں اختلاف نہیں ہوا۔ توحید۔ رسالت۔ اعمال اور اُن کی سزا جزا۔ اور قیام قیامت میں کبھی کسی نبی کے اختلاف نہیں ہوا۔ اور یہی بڑے اصول مذہب ہیں۔ جو اسلام کی بنا ہیں۔ اور یہی سچا علم الہی ہے۔

اسکے برخلاف انسانی فلسفہ میں ہمیشہ ہر بات میں علم الہی کے متعلق سخت اختلاف اور تناقض رہا۔ الوہیت۔ اعمال سزا و جزا اور قیامت وغیرہ میں ہمیشہ ایک دوسرے سے مختلف رہے۔ کسی نے خدا کو مانا۔ کسی نے انکار کیا۔ کسی نے اُسے موجد عالم قرار دیا۔ کسی نے آبابیل کی طرح صرف اُسے معمار انجان کیا۔ کسی نے تناسخ کو مانا کسی نے انکار کیا۔ کسی نے دنیا کو قدیم سمجھا کسی نے حادث کسی نے حقایق اشیاء کو مانا کسی نے صرف وہم قرار دیا کسی نے

پھر کیا کسی نے کچھ - آریوں کو حکماء کی اباطیل و تسویلات پر بڑا فخر ہے اور وہ حکماء کے اقوال کو اپنے مسایل کی تائید میں اکثر لاتے ہیں - چنانچہ پنڈت لیکھرام نے اپنے ثبوت تناسخ وغیرہ کتابوں کو انہی حکماء کے اقوال واہیہ سے بھر کر اپنی کتابوں کے حجم بے سود بڑہا دیئے ہیں - جنکو مسلمان لوگ گوز شتر سے بڑھکر وقعت نہیں دیتے ٭

مسلمان لوگ صرف اسلام کو فطرت کے موافق اور فلسفہ حقہ پر مبنی اعتقاد رکھتے ہیں اور الٰہیات میں صرف فلسفہ انبیاء کو قابل تسلیم یقین کرتے ہیں - آریوں اور دہریوں وغیرہ مذاہب باطلہ کو چونکہ فلاسفہ کی تسویلات پر بڑا گھمنڈ ہے اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ کسی قدر فلسفہ مشہورہ حکماء کی حقیقت بیان کی جائے ٭

فلاسفہ کی عقل صرف مشاہدہ محسوسات تک محدود تھی - اس سے بڑھکر وحی و الہام کے اسرار غامضہ کے فہم و تفہیم کا دماغ نہ رکھتے تھے - اور اپنی عقل ناقص کے مطابق رنگا رنگ تاویلات و تسویلات بناکر جہلاء وقت کا دل خوش کیا کرتے تھے - اور اپنے فیلسوف وقت کہلاتے تھے - مدت تک ان کے وہم و خیال بے بنیاد اُن کے دل ہی میں اختلاج کرتے تھے قابل تحریر نہ تھے - جب ارسطو بانی مبانی حکمت مشائی پیدا ہوا - اُس نے گذشتہ فلاسفہ کے هذیانات کو جمع و ترتیب کرکے فلسفہ استدلالی وضع کیا جس میں سفسطہ وغیرہ کو بھی دخل ہے اُسکی نظر میں جو حشو و زوائد معلوم ہوئے یک لخت قلم انداز کر دیئے - حتے کہ اپنے اُستاد افلاطون اور اُستاد الاستاد سقراط کی رائے کو بھی بیخ بنیاد و جرح کرکے حذف و نقض کر دیا - اس کے سوا اُسکے مقلدوں نے جو مشائین کہلاتے تھے - وقتاً فوقتاً سلسلہ تالیف و ترمیم جاری کرکے مذہب فلسفہ کو وسعت دی اور مدت تک یہ فلسفہ اسکندریہ - انطاکیہ - بیروت - اندلس دمشق [illegible] وغیرہ ممالک یونان و فارس میں پڑھایا جاتا رہا - جب عرب نے اُن مقامات کو فتح کیا کتب فلسفہ کے قبضہ میں آئے - انہوں نے فلسفہ حکماء کے تعلیم کو [illegible] ابو نصر فارابی نے [illegible] عربی زبان [illegible] کے عہد میں [illegible]

دی۔ فلسفہ کا پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس میں کوئی یقینی اور متفق علیہ بات نہیں۔ صرف ظن اور قیاس کا تختۂ مشق ہے۔ پہلے فلسفہ استدلال کتنی مدت تک اُس تصدیق بنا رہا۔ پھر فلسفہ استقرائی وقوع کیا گیا +

بطلیموس نے آسمان کو زمین کے گرد پھرایا۔ فیثاغورث نے اُسکو اُس کو باطل قرار دے کر زمین کو آفتاب کے گرد چکر دلایا۔ انکساغورث اور فلوطرفینس کا قول ہے کہ ارادہ اور فعل اور دیدہ اور فاعل ایک ہی چیز ہے۔ کیونکہ ارادہ اور فعل کا بذات خود قیام اور وجود نہیں +

افلاطون اور ارسطو نے اس بات کو نہیں مانا اور کہہ دیا۔ کہ ارادہ و فعل بذات خود قایم و موجود ہیں۔ لیکن ارادہ و فعل میں فرق بیان کیا اس پر میدس حکیم نے یوں کہا۔ کہ ان لوگوں کی رائے ارادہ کے بارہ میں تو ٹھیک ہے۔ مگر فعل کے بارے میں غلط ہے۔ کیونکہ ارادہ بدون فعل کے پایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی غلط۔ نباتات میں فعل یعنی حرکت نمو ہے۔ اور ارادہ نہیں۔ چنانچہ اس کی تائید مزدکی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ نور کی حرکت بالارادہ ہوتی ہے اور ظلمت کی اتفاقیہ یعنی بے ارادہ (ملل ونحل جلد ۱ صفحہ ۳)۔ ابتدائے عالم کے بارے میں ایکسلورس کا قول ہے کہ خلا اور صورت سے عالم کی ترکیب ہوئی ہے +

مزدکی نے کہا کہ پانی اور آگ اور خاک سے ہوئی (ملل ونحل جلد ۱ صفحہ ۳) مجوسیہ کہتے ہیں نور و ظلمت سے ہوئی (ملل ونحل جلد ۱ صفحہ ۱۳۰) ارسطو سے پہلے حکما تو عالم کو حادث مانا۔ مگر ارسطو اور اس کے اتباع نے عالم کو ازلی اور قدیم بتایا +

فیثاغورث کا قول تھا کہ خدا روح عالم ہے۔ افلاطون دو چیزوں کو قدیم جانتا تھا۔ ایک خدا کو جو فاعل ہے۔ دوسرا مادہ کو جو منفعل ہے +

ابیقورث دنیا کو قدیم قرار دیتا تھا اور صانع عالم سے منکر تھا۔ اُس کے زعم میں انسانی نسل شور سے اور ڈارون کی رائے میں بندر سے شروع ہوکر بتدریج تہذیب و تربیت پاکر صورت موجودہ تک پہونچی۔ سوفسطائی اور فلسفہ کا یہ عقیدہ ہے کہ آدمی انکشاف حقائق اشیاء سے قاصر ہے کبھی کسی چیز کی حقیقت کی نسبت قطعی الاعلم حاصل نہیں ہوسکتی۔ اُن کے

نزدیک حق و باطل۔ صدق وکذب دونو امر اعتباریہ ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس کے مزاج میں غلبہ صفرا ہو۔ اُس کو شیرینی تلخ معلوم ہوتی ہے اور بلغمی مزاج کو شیریں محسوس ہوتی ہے۔ نفس الامر میں کوئی مزہ متحقق نہیں ہوا کہ شیریں کیا ہے اور تلخ کیا چیز۔ اسی طرح اور معلومات پر قیاس کرنا چاہیے کہ جن پر حق و باطل کا اطلاق ہم کرتے ہیں۔ وہ بھی امر اعتباری ہے حقیقت نفس الامریہ نہیں ہے کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماء حکماء مشائیں کے نزدیک دس عقول سے زیادہ نہیں۔ اور اشراقین کے نزدیک عقول کی کوئی حد مقرر نہیں۔ ہیئت قدیم میں طلوع شہاب کا سبب اجتماع دخان قرار دیا گیا ہے۔ جو چیز نار میں پہونچکر مشتعل ہوجاتا ہے۔ اور بصورت کواکب اشکال مختلفہ سے متشکل ہوکر مرئی ہوتا ہے ہیئت جدید میں اُن کو جسم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یوروپ کے عجائب خانجات میں چھوٹے بڑے شہاب بہت سے پڑے ہیں۔ اور خاص فرانس کے عجائب خانہ میں ایک بہت بڑا شہاب ہے جس کا وزن تیس من کا ہے۔ جس سے قرآن شریف کی آیت وجعلناها رجوما للشياطين کی صحیح تصدیق ہو رہی ہے۔ فلاسفہ قدیم چار عنصر قرار دیتے تھے۔ اور اب تحقیقات جدیدہ سے ۶۴ سے ۸۸ تک پہونچگئے ہیں۔ اور ابھی ختم نہیں ہوئے۔ فلاسفہ قدیم خلا کو محال سمجھتے تھے۔ اور اب آلہ مخراج الہوا کے ذریعہ تجربہ کرلے سے معلوم ہوا۔ کہ خلا ممکن ہے۔ اسی طرح جزئی جزئی میں فلاسفہ کے باہم سخت درجہ کا تناقض اور اختلاف ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فلسفہ ہمیشہ بدلتا رہا اور ہمیشہ بدلتا رہے گا۔ ایک حالت پر اسکو قرار نہ ہوا۔ نہ ہوگا۔ اس کا تلون اور تذبذب اختلاف اور تعارض اُس کے بطلان کی کافی دلیل ہے ؎

چند خوانی حکمت یونانیاں ✤ حکمت ایمانیاں را ہم بخوان
پائے استدلالیاں چوبیں بود ✤ پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

لیکن فلسفہ انبیاء علیہم السلام ہر زمانہ میں ایک ہی حیثیت پر قائم رہا۔ سب انبیاء کے ایک ہی اصول رہے۔ اُس میں کبھی تغیر و اختلاف نہیں ہوا۔ اور نہ ممکن ہے۔ کیونکہ وہ بلا اشتباہ حق محقق علم الٰہی ہے اور علم الٰہی

میں کبھی تغیر و تبدل کو دخل نہیں ہو سکتا۔ فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا
ولن تجد لسنت اللہ تحویلا۔ ولو کان من غیر عند اللہ
لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔

فلسفہ انسانی کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں۔ کہ وہ انسان کے خیالات
شیخ زاد کا تختہ مشق ہے۔ اور انسان خواہ کیسا ہی باکمال ہو ہرگز خطا سے مبرا
نہیں الانسان مرکب من السہو والنسیان۔ علم الٰہی کے مقابلہ میں اسکی
کچھ حیثیت نہیں۔ فلاسفہ کی بلند پروازی فقط علم منطق۔ ریاضی اور طبعیات تک
محدود تھی۔ اس سے زیادہ مقدر نہیں۔ اور انہی علوم سے اُنھوں نے الٰہیات پر
بھی استدلال کیا۔ لیکن یہ استدلال اُن کا محض جہل مرکب ہے کیونکہ مادیات
و محسوسات کے احکام مجردات و معقولات پر ہرگز مطابق نہیں آ سکتے۔ اگر
مطابق آسکتے تو جس طرح اُنکے منطق اور ریاضی و طبعیات پر اتفاق ہے۔ الٰہیات
میں بھی اُنکا ویسا ہی اتفاق ہوتا ہے۔ لیکن الٰہیات میں اُن کا اسقدر اختلاف
اور تناقض اور خبط و نزاع ہے کہ کوئی حد نہیں۔ اور چونکہ منطق اور ریاضی
اور طبعیات علوم یقینیہ میں سے نہیں۔ عوام کو مزید مغالطہ گذرتا ہے۔ کہ
الٰہیات میں بھی اُن کا استدلال ٹھیک ہوگا۔ لیکن یہ استدلال سراسر غلط ہے
ہرگز صحیح نہیں۔ بلکہ الٰہیات حصہ انبیا کا ہے۔ کیونکہ الٰہیات کے موضوعات
علم الغیب میں داخل نہیں۔ اور علم الغیب خاصہ علام الغیوب ہے۔ اس کے
سوائے دوسرے کو اُسپر اطلاع نہیں وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو
مگر جس کو وہ اپنی طرف سے وحی و الہام کرے۔ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ
احدا الا من ارتضی من رسول۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے علماء حقانی حکما کے
مروجہ فلسفہ کو بُرا سمجھتے اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ورنہ حقانی فلسفہ
کے پڑھنے سے کسی کو انکار نہیں۔ علماء حقانی اپنے مذہب کی بنا کو فلسفہ مروجہ
اور سفسطہ پر کبھی نہیں رکھ سکتے۔ وہ گرگٹ کی طرح ہمیشہ رنگ بدلتا رہا۔ اور
بدلتا رہے گا۔ اور تو [illegible] فلسفہ حکمۃ انبیا کو کافی سمجھتے اور صدق دل سے اُسپر
یقین رکھتے ہیں۔ [illegible] میں کسی شخص کو اپنی ہمیشہ رہنے والی زندگی کو
صرف قیاسات [illegible] ظنیات حکما کا تابع نہیں کرنا چاہئے۔ اور صرف فلسفہ یقینیہ
انبیا پر اعتقاد رکھنا چاہئے۔

حکماء کا تو یہ حال ہے کہ اُن کو حیات و روح انسانی اور پیدایش عالم وغیرہ
میں بھی اس حد تک اختلاف ہے کہ وہ اختلاف ہی اُن کے فلسفہ کے بطلان پر
کافی دلیل ہے۔ چنانچہ حیات کو سقراط نے محدود اور مورد بقاؤ فنا کہا ہے (ملل و
نحل صفحہ ۹ جلد ۲) اور یہ اوصاف بقول فلوطرفیس حکیم کے اُس چیز کے
ہیں جو ازلی نہیں (جلد ۲ صفحہ) اور جو چیز ازلی نہیں وہ مخلوق ہے +

اس سے معلوم ہوا کہ حیات مخلوق ہے +

پھر سقراط حکیم کا قول ہے کہ ہماری حیات اللہ تعالیٰ کی حیات سے مغائر
ہے۔ باری تعالیٰ کی حیات اُس کی ذاتی ہے اور ہماری حیات ذاتی نہیں۔ اس لئے
اسپر فنا آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حیات میں فنا نہیں آتی (ملل و نحل صفحہ جلد ۲) اور
ظاہر ہے کہ فنا اُسی کو ہے جو مخلوق ہے +

نفس ناطقہ یعنی روح کی نسبت ارسطو نے کہا ہے کہ بدن کے پیدا ہونے
کے وقت پیدا ہو جاتی ہے اور بدن کے وجود سے پہلے اُس کا ہونا ممکن نہیں
(ایضاً صفحہ ۳۳) اس سے روح کا قِدم اور تناسخ باطل ہوئے +

ارسطو اور اُس کے اُستاد افلاطون دونوں کا قول ہے کہ روح جسم
سے جُدا ہونے کے بعد ہی اپنی اُس خاصیت کے ساتھ باقی اور قایم رہتی ہے
جو اُسکو جسم کے ملنے سے حاصل ہوئی (ملل و نحل صفحہ ۳۳ جلد ۲) جس کا نتیجہ یہ ہوا
کہ جو روح ایک مرتبہ کسی جسم میں داخل ہو چکی۔ اس کا دوسرے جسم میں جانا محال
ہے۔ اور بعض حکما کا قول ہے کہ ہر ایک انسان کی روح اپنی خاصیت کے ساتھ ایسی
خصوصیت رکھتی ہے کہ دوسرے کے ساتھ مشابہ نہیں ہو سکتی۔ ملل و نحل صفحہ ۲۳
جلد ۲) اور فی الحقیقت مشاہدہ بھی ایسا ہی ہے کہ بیشمار انسان اور حیوان ہر
وقت میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر ہر ایک جنس دوسری جنس سے بلکہ ایک ہی
جنس کی ایک جزو دوسری جزو سے حتےٰ کہ حقیقی بھائی بہن اور باپ بیٹے کی
بھی شکل و صورت و عادت و طرز میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور یہ اختلاف
اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ہر ایک روح و جسم کی خاصیت میں کوئی ایسا تفاوت
ہے جس کی وجہ سے صورت و عادت وغیرہ میں اختلاف ہے۔ اسی واسطے زرد
رنگ دُبلے پتلے آدمی کو کہدیتے ہیں۔ کہ صفراوی مزاج ہے۔ سفید رنگ موٹے
تازے کو دیکھکر کہدیتے ہیں کہ بلغمی مزاج ہے۔ اور جب ہر ایک کی خاصیت

موجب اختلاف ہے اور ہر ایک جسم کی خاصیت اُس کی ذات سے کبھی جُدا نہیں ہو سکتی۔ تو ایک روح کا ایک جسم میں رہنے کے بعد دوسرے اُس سے مغایر (جنیات) کے جسم میں جانا۔ اگر تسلیم کر لیا جائے تو دو متضاد خاصیتوں کا ایک جا جمع ہونا لازم آیا۔ اسی طرح سینکڑوں ہزاروں اجسام میں جانے سے متضاد خواص وصفات کا بار بار ایک جا جمع ہونا لازم آئے گا۔ جو خلاف عقل ہے پس آریوں کا اواگون باطل ہوا۔ وید کی ترکی تمام ہوئی اور اُن کی فلسفیت ختم ہوئی ✤

اور افلاطون نے یہ بھی کہا ہے کہ نیک آدمی کی روح بدن سے جُدا ہونے کے بعد روحانیوں میں جا ملتی ہے اور ابدی عیش حاصل ہو جاتا ہے اور بد آدمی کی روح بدن سے جُدا ہونے کے بعد خبیث روحوں میں جا ملتی ہے اور ابدی عذاب میں مبتلا ہوتی ہے (ملل ونحل ص۳۳ و ۳۴ جلد ۲) اس قول سے اواگون باطل ہوا۔ اور شریعت اسلام کے موافق علیین اور سجین اور جنت و دوزخ کا ثبوت ہوا اور آریوں کا وہ کلیہ ٹوٹ گیا کہ جو ازلی نہیں ہے وہ ابدی نہیں ہے۔ کیونکہ افلاطون نے روح کے عذاب و ثواب کو ابدی کہا اور روح کا حادث ہونا ارسطو کے قول سے اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اور جب اکثر حکماء کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ ازلی اور قدیم حقیقی صرف باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی کسی چیز کا وجود اس کے ساتھ نہیں (ملل ونحل صفحہ ۳۶ جلد ۱ وصفحہ ۱۰ جلد ۲) تو خواہ روح ہو۔ خواہ مادہ۔ خواہ کوئی اور چیز۔ باتفاق حکماء کے سب حادث ہیں جیسے عقیدہ اسلام ہے اور جو حادث ہے وہ ازلی نہیں۔ تو اس اُصول کے رو سے باتفاق حکماء روح ازلی نہیں۔ پس آریوں کا یہ عقیدہ۔ کہ روح و مادہ ازلی ہیں۔ بقول حکماء باطل ہوا ✤

ہم لوگوں کو کچھ ضرورت نہیں کہ فلسفہ حقہ یعنی قرآن شریف کے اُصول ومسائل کا ذکر کرتے وقت کسی حکیم یا فلسفی کا قول کوئی پیش کریں۔ کیونکہ اُن کی سب باتیں قیاسی۔ ظنی اور اٹکل پچو ہیں اور قیاس اور ظن ہمارے نزدیک کوئی حجت نہیں ہے اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ✤

مگر آریہ وغیرہ جو شور مچا رکھا ہے۔ کہ ہم بڑے فلسفی ہیں۔ اور قرآن کی باتیں خلاف حکمت ہیں۔ اس لئے اقوال حکماء کا ذکر کیا گیا۔ تاکہ عام طور ظاہر و ثابت

ثابت ہو جائے کہ آریہ لوگ جس طرح صداقت مذہب کے دعویٰ میں خالی ہاتھ ہیں اسی طرح حکمت و فلسفہ کے شور و غوغا میں بھی نرے ڈھول کے پول ہیں۔ اور قرآن کریم جس طرح اپنی فصاحت و بلاغت اور حسن ہدایت اور استحکام قواعد شریعت اور تاثیرات میں یکتا اور بے مثل ہے اسی طرح حکمت حقہ سے بھی مالامال ہے بلکہ جس نے غور کیا ہے جان لیا ہے۔ اور جب کبھی تعصب سے خالی ہو کر غور کرے گا تو جان لے گا۔ کہ اصلی حکمت کی بات وہی ہے۔ جو قرآن کے موافق ہی اور جو بات قرآن کے موافق نہیں وہ حکمت سے نہیں۔ اگرچہ کیسے ہی فلاسفر کی زبان یا قلم سے نکلی ہو۔ کیونکہ قیاس الہام الٰہی کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا حکماء کی باتیں قیاسی اور ظنی ہیں اور قرآن پاک کی باتیں قطعی اور یقینی اور حقیقی فلسفہ اور سائنس ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ انتم اعلم ام اللہ کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ تلک آیات الکتاب الحکیم یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ والقرآن الحکیم اور یہ قرآن شریف سراسر فلسفہ حقانی اور حکمت ربانی ہے تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم یہ کتاب اُس اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو کامل قدرتوں اور کامل حکمتوں والا ہے۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ اس کتاب میں آگے پیچھے کبھی غلطی کا دخل ہی نہیں۔ اس لئے کہ یہ کامل حکمت اور اعلےٰ درجہ کی خوبیوں والے خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اور بھی قرآن شریف میں بیسیوں جگہ ایسا ہی ارشاد ہے۔ تو بات یہ ہے کہ اس قسم کی آیات حکماء دنیاوی اور فلسفیان ظاہری ہی کے رد میں آئی ہیں۔ جنکا فلسفہ محض قیاسات بیجا اور اٹکل پچو ہے۔

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلما جاءتهم رسلهم بالبینات فرحوا بما عندھم من العلم وحاق بھم ما کانوا بہ یستہزءون (مومن ۹) جب کبھی کوئی رسول دلایل حقانی لیکر آیا ہے۔ لوگ انہیں باتوں پر مغرور رہے۔ جنکو وہ اپنے نزدیک علم اور فلسفہ خیال کرتے تھے اور آخرکار۔ انہی خود پسندی کا وبال اُنپر پڑتا رہا ہے۔ پس جس طرح نادان بچے اکثر فضول سوالات کرتے ہیں۔ تو اُن کے بزرگ یوں کہدیتے ہیں۔ کہ ابھی تم بچے ہو۔ اس بات سے تمکو کیا غرض ہے ؟

اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا

پھر تم اپنے علم کو کیا سمجھنے لگے - تمکو تو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے - تم اپنی مخلوقات کو دیکھو - اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی حقیقت کو کہاں تک جان سکو گے - اور فی الحقیقت بات بھی یوں ہی نکلتی ہے - ہزارہا نامی گرامی فلاسفر و سائنس داں اور ریاضی داں ان باتوں کی تہہ تک دوڑ میں صرف کئے گئے - لیکن پتہ کسی کو نہ ملا - ایک کی بات کو دوسرا رد کرتا چلا آیا ہے - زیادہ نہیں تو مشتے نمونہ از خروارے تکوین عالم اور حدوث و قدم عالم - حرکت و سکون - علت و معلول - قدم دنیا وغیرہ ہی کی بحث کو دیکھو (ملل و نحل منا جلد ۲ - صفحہ ۱۱۴ - ۱۴۴ - ۲۳۶ - ۲۳۹ جلد اول - اور بڑے بڑے حکما نے خود اقرار کیا ہے کہ ہماری عقلیں اس بھید کو نہیں پا سکتیں - کہ جہان کس چیز سے بنا - انسان کو صرف یہ کہنا چاہئے - کہ باری تعالیٰ نے جو کچھ چاہا اور جس طور پر چاہا بنا دیا - دیکھو قول حکیم کستنو فالنس و حکیم زینون اکبر وغیرہ - ملل و نحل منت ۱۱ وغیرہ) ❖

اور اس زمانہ کے فلسفی کھلم کھلا اور بے تکلف کہہ رہے ہیں کہ نئی تحقیقات نے پرانے فلسفہ کو غلط کر دیا - اور اس نئی کا یہ حال ہے کہ ابھی اس میں بھی بہت اختلاف اور باہم رد و بدل ہے - پس دنیاوی فلسفہ جو محض قیاس پر مبنی اور متضاد راؤں کا مجموعہ ہے - فلسفہ حقہ انبیاء کا کسی طرح مبطل نہیں ہو سکتا اور فلسفہ انبیا ہمیشہ اور ہر حال میں ماننے کے لائق ہے ❖

کلام ربانی میں انسانی ہستی کے آغاز و انجام کا ذکر

ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً - انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلنٰہ سمیعاً بصیراً - انا	بیشک انسان پر زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے - جب کہ وہ کوئی شے قابل ذکر نہ تھا - ہم نے انسان کو مرد و عورت کے مرکب نطفہ سے بنایا - ہم اسکو ہر

هدیناه السبیل اماشاکراواما کفوراه

اُس کی حالتیں بدلتے ہیں۔ پس اُسے سُنتا دیکھتا بنایا۔ ہم نے اُسے دین کا راستہ دکھا دیا۔ پھر یا تو اپنے اختیار سے شکرگذار ہے یا ناشکرا +

یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ومنکم من یتوفی من قبل ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا وتری الارض هامدۃ فاذا انزلنا علیہا الماء اہتزت وربت وانبتت من کل زوج بہیج ه ذالک بان اللہ ہو الحق وانہ یحی الموتی وانہ علی کل شیء قدیر ه وان الساعۃ اتیۃ لاریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور ه

اے لوگو! اگر تم قیامت کے قیام سے شک میں ہو۔ تو یہ نظارہ قدرت دیکھو کہ ہم نے تم کو مٹی سے بنایا۔ پھر نطفہ سے پھر لوتھڑے سے پھر پوری اور ادھوری بوٹی سے تاکہ تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں (تو تمہارا دوبارہ جلانا کیا مشکل ہے) اور ایک وقت مقرر تک جس نطفہ کو ہم چاہتے ہیں ماؤں کے رحم میں ٹھیرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کے نکالتے ہیں پھر تمہارا نشو و نما ہوتا ہے۔ تو کہ اپنی جوانی کو پہونچو۔ اور تم میں سے کوئی کوئی تو عمر طبعی سے پہلے مر جاتا ہے۔ اور کوئی کوئی سب سے زیادہ نکمی عمر (یعنی غایت پیری تک) لوٹایا جاتا ہے کہ سب کچھ جاننے پیچھے آخر کو ستو حیتا ہو کر کچھ نہ جانے۔ اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ بے حس و حرکت پڑی ہے۔ پھر جب ہم اُس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ لہلہانے اور اُبھرنے لگتی ہے اور ہر طرح کی نوخنما روئیدگی کو اُگاتی ہے۔ یہ سب تصرفات اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ برحق ہے اور اُس کی کہ وہ مُردوں کو جلائے گا اور اُس کی کہ اللہ تعالیٰ تمام اہل قبور کو جلد اُٹھائے گا +

ملاحظہ آدمی کی پیدایش کا سلسلہ یوں ہے کہ مٹی سے انسان کی غذا پیدا ہوتی ہے وہ اُسکو کھاتا اور اُس سے خون وغیرہ بنتے ہیں جن میں سے منی بنتی ہے پھر مرد کی منی عورت کے رحم میں جاتی ہے۔ اور اُسی میں آہستہ آہستہ پلتا اور بڑھتا ہے پہلے خون کا لوتھڑا بنتا پھر زیادہ بستہ ہوکر بوٹی بن جاتا ہے۔ اس درجہ پر پہونچکر خدا تعالیٰ کی حکمت اور مادہ کی کیفیت کے موافق بدن کا ڈھانچہ تیار ہونے لگتا ہے بعض کا اختلاف اور بچے کا اختلاف ہوتا ہے سبب لنبوست کے موافق تام یا ناقص بناوٹ بن جاتی ہے

ذٰلك عالم الغيب والشهادة العزيز الرحيم الذي احسن كل شئ خلقه وبدأ خلق الانسان من طين ۝ ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين ۝ ثم سواه ونفخ فيه من روحه وجعل لكم السمع والابصار والافئدة قليلا ما تشكرون ۝

یہی خدا ہے چھپی اور کھلی سب باتوں کا جاننے والا۔ زبردست ہے رحم والا جس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی۔ اور انسانی پیدایش کو مٹی سے شروع کیا پھر اُس کی نسل سارے بدن کی نچوڑ یعنی مادہ منی سے جو ایک حقیر پانی سے چلائی۔ پھر اُس کے قالب کو درست کیا اور اُس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے سننے کے لئے کان۔ دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کو دل بنایا۔ اس پر بھی تم شکر کرنا کم کرتے ہو ۔

هو الذي خلقكم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم يخرجكم طفلا ثم لتبلغوا اشدكم ثم لتكونوا شيوخا ومنكم من يتوفى من قبل ولتبلغوا اجلا مسمى ولعلكم تعقلون ۝ (مومن ۲۷)

وہی معبود برحق ہے جس نے تمہیں مٹی سے بنایا۔ پھر نطفہ سے پھر علقہ سے پھر تمہیں بچہ بنا کر نکالتا ہے۔ پھر تمہاری نشو و نما کرتا ہے۔ تاکہ جوانی کو پہنچو۔ پھر تمکو اور زندہ رکھتا ہے تاکہ بوڑھے ہو جاؤ۔ اور تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو ان وقتوں سے پہلے مرجاتے ہیں اور تاکہ تم ایک وقت مقررہ (موت) تک پہونچو۔ اور تاکہ خدا کی قدرت کو سمجھو ۔

والله اخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئا وجعل لكم السمع والابصار والافئدة لعلكم تشكرون ۝ (۷۸)

اور خدا نے تمکو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں سے نکالا ہے۔ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور اُس نے تمہارے کان۔ آنکھیں اور دل پیدا کئے۔ تاکہ تم خدا کا شکریہ ادا کرو ۔

يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي ويحي الارض بعد موتها وكذلك تخرجون ۝ ومن اياته ان خلقكم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون ۝ ومن اياته ان خلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة ان في ذلك لايت لقوم

وہی زندہ (جاندار) کو مردہ (نطفہ) سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے اور زمین کو اُس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اسی طرح تم قبروں سے نکل پڑوگے اور خدا کی قدرت کے نشانوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمکو مٹی سے بنایا اور اب تم انسان ہو جو ہر طرف پھیلے پڑے

يتفكرون ۰ ومن اياته خلق السموٰت والارض واختلاف السنتكم والوانكم ان فى ذلك لايٰت للعلمين ۰

ہو۔ اور اسی کے نشانات قدرت میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں۔ تاکہ تمکو انکی طرف رغبت کرنے سے چین ملے۔ اور تمہارے درمیان پیار اور اخلاص پیدا کیا یقیناً اس بات میں سوچنے والوں کے لئے بڑے نشانات قدرت ہیں۔ اور اسی کے قدرت کے نشانات میں سے زمین وآسمان کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اہل علم کے لئے اس میں بڑے نشان ہیں +

الله الذى خلقكم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوة ثم جعل من بعد قوة ضعفا وشيبة يخلق ما يشاء وهو العليم القدير ۰

اور وہی ذات ہے برحق جس نے تم کو کمزور حالت سے (جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے) بنا کھڑا کیا۔ پھر کمزوری کے بعد تم میں قوت جوانی پیدا کی۔ پھر قوت جوانی کے بعد کمزوری اور بڑھاپا پیدا کیا۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور وہی علم اور قدرت والا ہے +

هو اعلم بكم اذ انشاكم من الارض واذ انتم اجنة فى بطون امهاتكم فلا تزكوا انفسكم هو اعلم بمن اتقى (نجم) ۰

وہ خوب جانتا ہے۔ جب تم کو زمینی مادوں سے پیدا کیا۔ اور جب کہ تم ماؤں کے پیٹوں میں جنین کی حالت میں تھے۔ سو اپنے نفسوں کو پاک اور مطہر مت کہو۔ خدا خوب جانتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو +

هو الذى يصوركم فى الارحام كيف يشاء لا اله الا هو العزيز الحكيم ۰

وہی اللہ ہے جو ماؤں کے رحموں میں جس طرح پر اسکی حکمت تقاضا کرتی ہے انسان کی تصویر بناتا ہے اس کے سوائے کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی اعلے حکمت والا اور قدرت والا ہے +

خلق السموٰت والارض بالحق وصوركم فاحسن صوركم واليه المصير (تغابن)

اس نے آسمان وزمین کو مصلحت حقہ سے پیدا کیا۔ اور تمہاری صورتیں بنائیں۔ تو کیسی اچھی صورتیں بنائیں۔ اور سب کی رجوع اللہ کی طرف ہے +

فلينظر الانسان مم خلق ۰ خلق من ماء دافق ۰ يخرج من بين الصلب والترائب ۰[1]

انسان کو چاہئے کہ وہ غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ پیدا کیا ہے پانی سے جو اچھل کر نکلتا ہے اور نکلتا ہے پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں میں سے +

[1] حاشیہ صفحہ پر دیکھو

وَاللّٰهُ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ - إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ

اور اللہ نے تم کو مٹی سے بنایا ہے - پھر نطفہ سے پھر تمکو جوڑے جوڑے (زن و مرد) بنایا اور نہ کسی عورت کو پیٹ رہتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر خدا ہی کے علم کامل سے - اور نہ کسی شخص کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے - مگر یہ سب کتاب علم الٰہی میں موجود ہے - یعنی خدا کے علم و حکمت سے ہوتا ہے - اور کچھ شک نہیں ہے کہ یہ سب اللہ کے نزدیک ایک سہل سی بات ہے -

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ۝

اللہ تعالیٰ نے تمکو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں بتدریج پیدا کیا ہے - ایک طرح کے بعد دوسری طرح تین اندھیروں میں - یہی اللہ تو تمہارا پروردگار ہے - اُسی کا راج ہے اس کے سوا کوئی پوجا کے لایق نہیں - پھر تم کدھر پھرے چلے جاتے ہو +

إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

اگر تم اللہ کی ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز مطلق ہے اور وہ اپنے بندوں کا کفر پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر گزاری کرو تو وہ تمہاری اس ادا کو پسند کرتا ہے اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ اٹھانے والا نہیں پھر تم سب کا رجوع تمہارے رب کی طرف ہے پھر وہ تم کو تمہارے اعمال پر مطلع کردے گا - بلاشبہ وہ سینہ کے اندر کی باتوں سے واقف ہے +

ملہ حاشیہ منہ) بقراط جو بڑا نامی گرامی حکیم ہی ہے قول ہے کہ منی مرد کی ہو یا عورت کی تمام جسم سے پیدا ہوتی ہے اور پھر رگیں ہیں جو کانوں کے پیچھے ہیں حرام مغز میں پہنچتی ہے پھر گردہ میں رگیں نکلتی ہیں اُن میں آتی ہے اور وہاں سے خصیوں میں اور آلہ تناسل سے بسلسلہ مرد اور عورت کے طریق میں - غرضیکہ منی کا تمام راستہ پشت اور سینہ کی ہڈیوں کے بیچ میں ہے مفصل کتب میں دیکھو - ایک حالت کے بعد دوسری حالت بدلتی ہے کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے پھر لوتھڑا پھر بوٹی پھر اس میں ہڈیاں اور بال پیدا ہوتے ہیں - اور تین اندھیروں سے اس بات کی طرف اشارہ ہے پیدا ہوتا ہے اور پیٹ کے بچہ دانی (رحم) اور رحم کے اندر وہ جھلی جس میں بچہ لپٹا ہوتا ہے - اور وہ آنول کے ساتھ باہر نکلتی ہے ۱۲

قتل الانسان ما اکفره ۔ من ای شیء خلقه ۔ من نطفة خلقه فقدره ۔ ثم السبیل یسره ۔ ثم اماته فاقبره ۔ ثم اذا شاء انشره ۔ کلا لما یقض ما امره ۔ فلینظر الانسان الی طعامه ۔ انا صببنا الماء صبا ۔ ثم شققنا الارض شقا ۔ فانبتنا فیها حبا ۔ وعنبا وقضبا ۔ وزیتونا ونخلا ۔ وحدائق غلبا ۔ وفاکهة وابا ۔ متاعا لکم ولانعامکم ۔

انسان (کافر) پر خدا کی لعنت وہ کس قدر ناشکرا ہے خدا نے اُسے کس چیز سے پیدا کیا۔ نطفہ (حقیر) سے کہ پہلے اُسے بنایا پھر اُس کے لئے ایک قانون باندھ دیا - پھر ہدایت پانے کا راستہ اُس کے لئے آسان کر دیا - پھر ایک وقت خاص تک زندہ رکھ کر اُسے مار دیا - پھر اُس کو قبر (عالم برزخ) میں لے جا رکھا پھر جب چاہے گا اُسے دوبارہ اُٹھا کھڑا کرے گا - سنو! انسان نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی جو خدا نے اُسے دیا تھا - تو چاہئے کہ اور نہیں تو اپنے کھانے ہی کی طرف خیال کرے کہ ہم نے اوپر سے مینہ برسایا - پھر ہم ہی نے زمین کو پھاڑا - پھر ہم نے زمین میں سب کچھ اُگایا - یعنی غلہ - انگور اور ترکاریاں اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارہ - یہ سب اس لئے کہ تم کو اور تمہارے چارپاؤں کو فائدہ پہنچے

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۔ ثم رددناه اسفل سافلین ۔

ہم نے انسان کو نہایت عمدہ سے عمدہ قوت پر پیدا کیا - اور تقویم عالم کی متفرق خوبیوں اور حسنوں کا ایک ایک حصہ انسان کو عطا فرما کر بوجہ جامعیت جمیع شمایل و شیون عالم اس کو احسن ٹھہرایا - پھر اُس کی حد فطرت سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہم نے اُس کو نیچے سے نیچے درجہ میں گرا دیا جس کی روحانی اور جسمانی دونوں حالتیں بدترین ہو گئیں۔

الم نخلقکم من ماء مهین ۔ فجعلناه فی قرار مکین ۔ الی قدر معلوم ۔ فقدرنا فنعم القادرون ۔

لوگو! کیا ہم نے حقیر پانی (یعنی منی) سے نہیں پیدا کیا (کہ ابتدا میں تم نطفہ تھے) پھر ہم نے اُس کو ایک وقت مقررہ تک ایک محفوظ جگہ (یعنی عورت کے رحم) میں رکھا - پھر ہم نے اُسکا ایک اندازہ (قانون) ٹھیرایا - تو ہم کیا خوب اندازہ کرنے والے ہیں (یہ ہمارے کیسے پابستہ قانون ہیں - جن میں کبھی اور کسی حال میں فرق نہیں آسکتا ۔

ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ۔ ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین ۔ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے تو ہم نے انسان کو اُسی مادہ سے پیدا کیا جو تمام انواع اور اقسام کی اشیاء ارضی و نباتات و اغذیہ کا

مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحماً ثم انشاہ خلقاً اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ٭

کا ست تھا - پھر ہم نے اُس کی پیدایش کا سلسلہ یوں جاری کیا - کہ انسان کے اندر نطفہ پیدا کیا اور اُس نطفہ کو ایک مضبوط تھیلی جو ساتھ ہی رحم میں بنتی گئی - جگہ دی (قرار مکین کا لفظ اس لئے استعمال کیا - تا رحم اور تھیلی دونوں پر اطلاق پاسکے) اور پھر ہم نے نطفہ سے علقہ (خون بستہ) بنایا اور علقہ سے مضغہ (بوٹی) بنایا اور مضغہ کے بعض حصّوں میں سے ہڈیاں اور ہڈیوں پر پوست پیدا کیا - پھر اُس کو ایک اور پیدایش دی یعنی روح اُس میں ڈال دی - پس کیا ہی مبارک ہے وہ خدا جو اپنی صنعت کاری میں تمام صناعوں سے بلحاظ حسن صنعت و کمال عجائبات خلقت بڑھا ہوا ہے ٭

خداوند لایزال و ایزد متعال نے اپنے ید قدرت کاملہ سے اس انسان ضعیف البنیان کو اشرف المخلوقات بنایا - تمام حیوانات و نباتات و جمادات کو اُسکے تابع حکم اور زیر فرمان کیا اور اُس کے بدن میں صنعت گوناگون و حکمت بوقلمون بھردیں کہ جس سے دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور عقل چکر کھاتی ہے - انسان ہو یا کوئی اور اکثر جسمانی ساخت میں سب افراد ملتے ہیں - صرف قد و قامت اور خط و خال میں فرق ہے - انسان کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا کی - اور حیوان اس سے محروم - صناع برحق و حکیم مطلق کی صناعی کا ملاحظہ کیجئے - کہ ایک قطرہ آب ناپاک سے حضرت انسان کو پیدا کیا - اور پھر اس قطرۂ آب کو تنگ و تاریک مکان میں چکر دیکر اور اپنا کرشمہ قدرت دکھا کر مختلف اقسام کی صورتیں بنا دیں - پھر اُس کی شان کبریائی اور دست قدرت کی صنعت دیکھئے کہ طریق تناسل ایک قاعدہ توالد ایک مگر لوگوں کی صورتیں الگ الگ اور جدا جدا - سہ

آں صانع لطیف کہ بر فرش کائنات ٭ چندیں ہزار صورت الوان نگار کرد

ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء پھر قادر مطلق کی قدرت کا تماشا معاینہ ہو کہ بنی آدم کی ترکیب جسم ایک اعضاء و احشاء ایک - مگر چہرہ انسان پر ایسی قدرت چھپائی - کہ ایک دوسرے سے شکل کا ملنا محال - عضو گویائی ایک و طاقت گفتار ایک مگر کوس بکوس قطعہ زمین پر اوضاع و اطوار و گفتار کا فرق - صانع قدرت نے انسان کے تمام اجزا میں انہیں کو زیادہ تر سخت و پایدار بنا کر انہی کے ذریعہ بدن کی ٹھٹھری تیار کی اور تمام نازک و نرم احشا و اعضا کو انہیں پر ترتیب دیکر مستحکم

کیا گیا اور ان ہڈیوں کے تمام اجزاء ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ اور ان ہڈیوں کو بذریعہ رباطات یعنی پٹھوں کے مستحکم کیا۔ اسی طرح ایک ہیکل انسان استخوانی طور پر ہوئی۔

تجربہ اطبا اس بات کا شاہد ہے۔ کہ جب خدا تعالیٰ انسانی نطفہ سے کسی بچہ کو رحم میں بنانے لگتے ارادہ فرماتا ہے تو پہلے مرد و عورت کا نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے پھر چند روز کے بعد ان دونوں نطفوں کے امتزاج سے کچھ تغیر طاری ہو کر جمے ہوئے خون کی طرح ایک چیز بن جاتی ہے جس پر ایک نرم سی جھلی ہوتی ہے۔ یہ جھلی جیسے جیسے بچہ بڑھتا ہے۔ پھیلتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ خاکی رنگ کی ایک تھیلی سی ہو جاتی ہے جو گھنڈی کی طرح لٹکی ہوئی ہوتی ہے ایسی کہ اول خلقت تک بچہ اس میں ہوتا ہے۔ پھر وہ جما ہوا خون جس کا نام علقہ ہے ایک مضغہ گوشت ہو جاتا ہے۔ جو انسانی شکل کا کچھ خاکہ نہایت دقیق طور پر اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس درجہ پر اگر جنین ساقط ہو جائے تو اس کی صورت بہ نظر غور دیکھنے سے کچھ خطوط انسان بننے کے اس میں دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض بچے اسی حالت میں بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔ جن عورتوں کو کبھی یہ اتفاق پیش آتا ہے یا وہ دایہ کا کام کرتی ہیں۔ اس حال سے خوب واقف ہیں۔

پھر چوتھا درجہ وہ ہے جب مضغہ سے ہڈیاں بنائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ آیت فخلقنا المضغۃ عظاما بیان فرما رہی ہے مگر المضغۃ پر الف لام ہے۔ وہ تخصیص کے لئے ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمام مضغہ ہڈی نہیں بن جاتا۔ بلکہ جہاں جہاں ہڈیاں درکار ہیں باذنہ تعالیٰ اسی نرم گوشت کسی قدر صلب ہو کر ہڈی کی صورت بن جاتا ہے۔ اور کسی قدر بدستور نرم گوشت رہتا ہے اور اس درجہ پر پہونچکر انسانی شکل کا کھلا کھلا خاکہ تیار ہو جاتا ہے۔ اس خاکہ میں انسان کا اصلی وجود جو کچھ بننا چاہئے تھا بن چکتا ہے۔ لیکن وہ بھی اس لحم سے خالی ہوتا ہے جو انسان کے لئے بطور ایک موٹے اور شاندار چمکیلے لباس کے ہے۔ جس سے انسان کے تمام خط و خال ظاہر ہوتے ہیں بدن پر تازگی اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے اور تناسب اعضا پیدا ہو جاتا ہے۔

پانچویں درجہ میں اس خاکہ پر لحم یعنی موٹا گوشت بہ رعایت مواقع مناسب چڑھایا جاتا ہے اگر جب انسان تپ وغیرہ سے بیمار رہتا ہے تو نازک اور بیماری

کی تحالیف شاقہ سے وہ گوشت تحلیل ہوجاتا ہے۔ یہ بیرا وفات الشدت ایسی لاغری کی حالت پر پہونچ جاتا ہے۔ جو صرف ڈھانچہ ہی گوشت اجزاں رہ جاتا ہے۔ جیسے مدقوقوں اور مسلولوں اور اصحاب ذیابیطس میں مرض کے انتہائی درجہ میں یہ صورت ظاہر ہوتی ہے۔ اور اگر کسی کی حیات مقدر ہوتی ہے تو پھر خداتعالیٰ اُس کے بدن پر گوشت چڑھا دیتا ہے۔ غرض یہ وہی گوشت ہے جس سے خوبصورتی اور تناسب اعضا اور رونق بدن پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ گوشت تیار ہونے کے بعد آہستہ آہستہ جنین پر چڑھتا ہے۔ اور جب جنین اُس کا مناسب حصہ لے لیتا ہے تب باذنہ تعالیٰ اُس میں جان پڑ جاتی ہے۔ تب وہ نباتاتی حالت سے جو صرف نشوونما ہے) منتقل ہوکر حیوانی حالت کی خاصیت پیدا کر لیتا ہے اور پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے۔ پھر مدت معہود کے بعد رحم سے نکلکر بنا سنوار انسانی شکل میں نمایاں ہوتا ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین +

انسان اور اُس کی ہستی کی تل[illegible]

انسانی ہستی کے آغاز و انجام

کا عبرتناک نظارہ

اللہ اکبر! اللہ کی کیا شان ہے اُس نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا اور پھر کیسا بنایا اور بڑھایا کہ اُسکی حقیقت پر نظر کرکے دنیا کے سارے فلاسفر اور حکما حیران اور لب بند اس ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ وفی انفسکم افلا تبصرون تمہاری ذاتوں میں بھی قدرت الٰہی کے عجیب نشان ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں۔ واقعی قابل غور ہے۔ انسان کی اصلیت کیا ہے اور پھر کیا ہو جاتا ہے۔ یہ امر بڑا ہی تدبر و تفکر کے قابل ہے۔ ہر ایک انسان اگر اپنی زندگی کی تاریخ کے آغاز و انجام پر نظر کرے تو ایک عبرتناک سبق مشاہدہ کریگا اور اپنی ابتدا و انتہا اور ہستی ناپایدار کا نقشہ اُس کی آنکھوں کے سامنے آجائیگا اور اللہ تعالیٰ کی فوق الفوق قدرت اور حد سے اورا حکمت کا نظارہ تم سے مقابل

آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس طرح اور کس چیز سے پیدا کیا۔ اور پھر آخر
اُس ذات غنی نے کس طرح اُس کو فنا کا بُرقعہ اُڑھا کر نیست و نابود کر دیا۔ یا تو چلتا
پھرتا۔ جاگتا۔ جیتا۔ بولتا۔ بات چیت کرتا تھا یا اُس کی ہستی کا نام و نشان تک
نظر نہیں آتا۔ ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون۔ منها خلقناکم وفیها نعیدکم
ومنها نخرجکم تارة اخری ◆

رباعی

اعلان ہے کل من علیہا فان — یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام
کل شیئ ہالک الا وجہہ — کل نفس ذائقة الموت کا جام

جو چیز بنی ہے ہوگی اک روز فنا — حادث کو کہاں جہان فانی میں بقا
کوئی نہ رہے گا اور۔ ایک ہے رہا — باقی جو رہے گی تو ہے اک ذات خدا

ہر وقت کاروان میں آتی ہے صدا — منزل ہے فنا کی مت لگاؤ ڈیرا
جانا ہے یہاں وہ مقام آگے ہے — اس سے آگے ہے وہ بسیرا اپنا

ہرگز نہ رہے گا حُسن محبوبوں کا — اک روز مٹے گا ناز سب خوبوں کا
اللہ کا نام ہی رہے گا دائم — کا ہے سے لگاؤ کیا ہے محبوبوں کا

یہ سارے محل اور مکان عالی شان — یہ باغ صحن چمن اور یہ ایوان
لاریب کہ اک دن سبھی ہونگے ویران — الآن کما کان ہے اللہ کی شان

اس باغ جہاں میں دل لگانا افسوس — شیدائی یہ اس باغ کے جانا افسوس
کرتے ہی وفا نہیں یہ گلہائے چمن — بلبل کا چمن میں چہچہانا افسوس

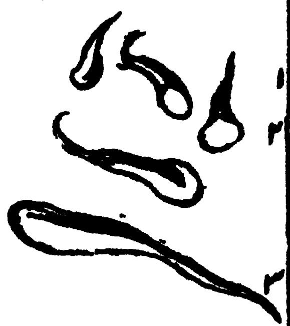
ہم چاہتے ہیں کہ انسان کے ابتدا و انتہا کی ایک مختصر تاریخ انسان غافل کی نظر
کے سامنے پیش کریں۔ اور اُس کی ہستی کے آغاز و انجام کا ایک عبرتناک نظارہ
دکھا کر قادر مطلق کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا ایک نقشہ دکھائیں اور معلوم

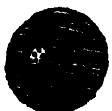
[پیدا]ئش کہ وہ اصل میں کیا تھا۔ اور آخرکار کیا ہو جاتا ہے۔ دنیا میں وہ کس طرح آتا ہے۔ اور پھر آخرکار کس طرح یہاں سے چلا جاتا ہے۔ اور اس کے وجود فانی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہر ایک انسان کو مناسب ہے کہ اسے غور سے پڑھے اور اپنے آغاز و انجام پر نظر کرکے عبرت حاصل کرے ✦

انسان کی پیدائش کا مادہ کیا ہے؟ منی کی ایک ناچیز بوند جو عورت کے رحم میں داخل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر غور کرو۔ انسان کی پیدائش کس چیز سے ہے؟ اُن کیڑوں سے جو مرد کی منی میں باذنہ تعالیٰ پیدا ہو جاتے ہیں عورت کی منی میں چھوٹے چھوٹے کیسے ہوتے ہیں اور مرد کی منی میں چھوٹے چھوٹے کیڑے (حیوانات منویہ) جو خوردبین سے اس شکل کے دیکھے جا سکتے ہیں :-

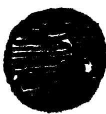


حیوانات[1] منویہ کی شکل



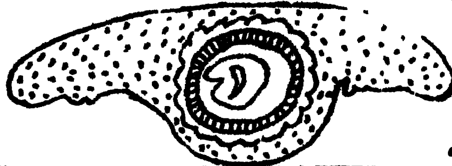






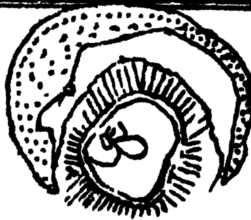
[1] اگر ایک قطرہ منی کا پانچ سو مرتبہ بڑا دکھائی دینے والی خوردبین میں رکھکر دیکھا جائے تو اُس میں ایک عجیب عالم دکھائی دیتا ہے یعنی لاکھوں جانور پھرتے نظر آتے ہیں۔ ان جانوروں کی شکل نہایت سیدھی سادی ہوتی ہے یعنی ایک موٹا سا سر اور ایک دُم جس کو ہلا ہلا کر اِدھر اُدھر پھرتے رہیں ✦

جب یہ دونو آپس میں مل جاتے ہیں تو حمل قرار پاتا ہے۔ اور مرد کی منی والا کیڑا عورت کی منی کے کیسے میں گھس جاتا ہے اور وہاں ہی غائب ہو کر خدا کی قدرت سے نطفہ قرار پاتا ہے۔ اور حمل ٹھیر جاتا ہے۔ اور بعد ازاں نشوونما پانے لگتا ہے۔ جس وقت منی مرد کی عورت کے رحم میں داخل ہو جاتی ہے تو چار روز تک اس قطرہ کی شکل اس طرح قائم رہتی ہے +



چار روز کے نطفہ کی شکل

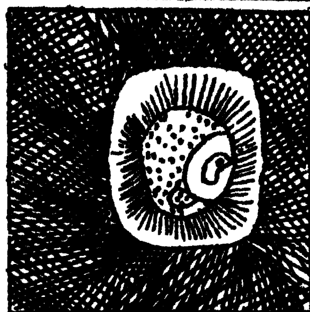
چار دن کے بعد اس قطرہ میں ایک جوش آتا ہے۔ جس سے منی کی رنگت سرخی مائل ہو کر مرد و عورت کی قوت عاقدہ و منعقدہ سے اس میں تین نقطے پیدا ہو جاتے ہیں ایک دل کی جگہ پر دوسرا دماغ اور تیسرا جگر کے مقام پر۔ اور باقی حصہ سے ایک جھلی دار چیز جو ان سب کو گھیرے ہوئے ہے اور جسے مشیمہ بھی کہتے ہیں پیدا ہوتی ہے +



اس وقت نطفہ میں روح حیوانی چمکنے لگتی ہے۔ جس کی وجہ سے نطفہ میں قوت آجاتی ہے اور کچھ سرخی مائل جوڑا اور دیگر پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس وقت یہ نطفہ ان رگوں کے سبب سے حیض کے خون کو اپنی طرف کھینچنا شروع کرتا ہے۔ اس وقت کل رگوں کے منہ کھل جاتے ہیں۔ تاکہ اسے غذا پہنچا ئیں اس وقت اس کی شکل مثل انڈے کے لمبی اور گول ہوتی ہے +



اس کے بعد چوبیسویں دن تک وہ علقہ بہ شکل ایک بڑی چیونٹی یا چھوٹی مکھی کے ہو جاتا ہے +



چوبیسویں دن تک کی شکل جنین

اور پورے مہینے تک وضع اُس کی مثل سانپ کے ہوتی ہے کہ سر کچھ پھولا ہوا۔ مُنہ کی جگہ ذرا سی لکیر۔ آنکھوں کی جگہ بہت چھوٹے چھوٹے سیاہ داغ اور ایک جھلی نہایت نرم معہ بیرونی ریشوں کے باہر کی طرف لپٹی ہوئی

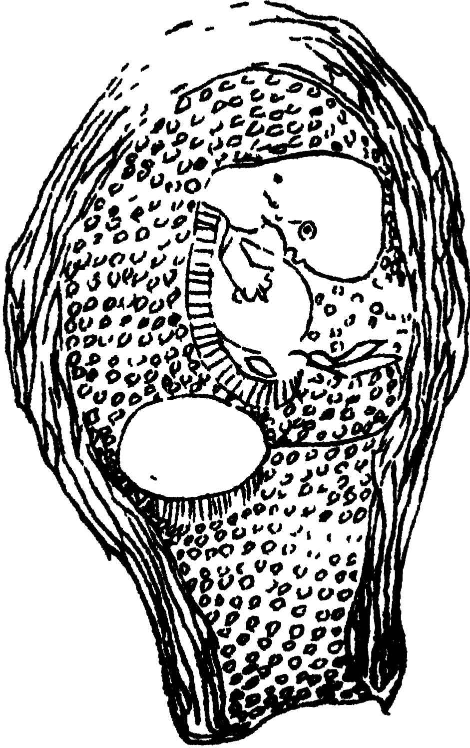


مہینہ بھر کے جنین کی شکل

جب یہ علقہ پورے ایک مہینے سے گذر کر دوسرے مہینے کے بارہ دن لیتا ہے تو یہ علقہ مُضغہ یعنے گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے ناک۔ مُنہ کا سوراخ۔ آنکھیں سب نمایاں۔ مُنہ اور سر میں فرق۔ بچہ کے جسم کے پہونچے۔ اُنگلیاں اور دونو ہاتھ ظاہر دونو ران اور سر مقعد کے قریب رکھے ہوئے تعلق ناف ایک دوسرے سے چپٹنے کے لئے موجود جنسی او[illegible] کی ہڈیوں کی نمود +

جب یہ جنین پورے دو ماہ کا ہوتا ہے۔ اُس وقت ہونٹوں کا آغاز۔

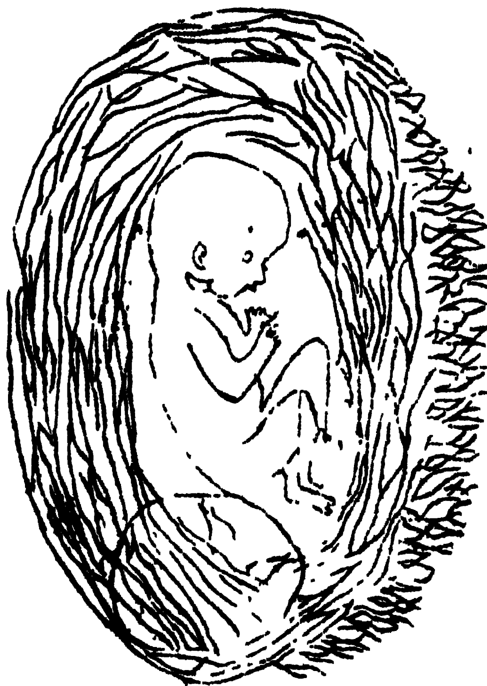
مجبوب کا دائرہ اُبھرا۔ ہاتھ پیر جسم سے علیحدہ۔ پیشاب گاہ نمایاں۔
پاخانہ کی جگہ ایک سیاہ داغ۔ تلی۔ پھیپھڑے اور گردہ کی تھیلیاں۔
انتڑیں پیٹ میں سماتی۔ ناف کی رگیں اور شریانیں۔ بل کھاتی اور باہم
چمٹی ہوئی۔ پسلیوں اور پیشانی کی ہڈیوں کے بننے کے لئے چھوٹے چھوٹے
دانے پیدا۔ اور جھلی جس کو نفافی کہتے ہیں۔ درمیان پیشاب گاہ اور
ناف کے پاخانے کو دفع کرنے کے لئے حائل ہوتی ہے +



دو مہینے کے
جنین کی شکل

جب بچہ تیسرے مہینے کا ہوتا ہے۔ اُس وقت سر بڑا۔ پلکوں کے
کنارے آپس میں چپکے ہوئے۔ آنکھ کی پتلی کی جھلی نمودار۔ منہ بند
انگلیاں ہر ایک الگ الگ دونو پاؤں بہ نسبت دوسرے مہینے
کے ذرا پھیلے ہوئے۔ پیشاب گاہ لمبی۔ گردے کے اوپر کی تھیلیاں
بنی ہوئیں۔ دماغ کی مقدار پانچ خط۔ حرام مغز کے اوپر کا حصّہ ذخیرہ

خط اور باقی حصہ وسط کا ایک خط کی تین چوتھائی تک - دل کے ہر دو حصے خوب عیاں - ناف اور نال کی رگیں ملی ہوئیں - شریانیں لعاب دار - پھول علیحدہ - ناف کا پھپھولا غائب اور شریانیں مٹی ہوئیں - اسلا ما جھلی غذا کی طلب گار +



تیسرے مہینے
کے جنین
کی شکل

چوتھے مہینے کے بچہ کی حالت

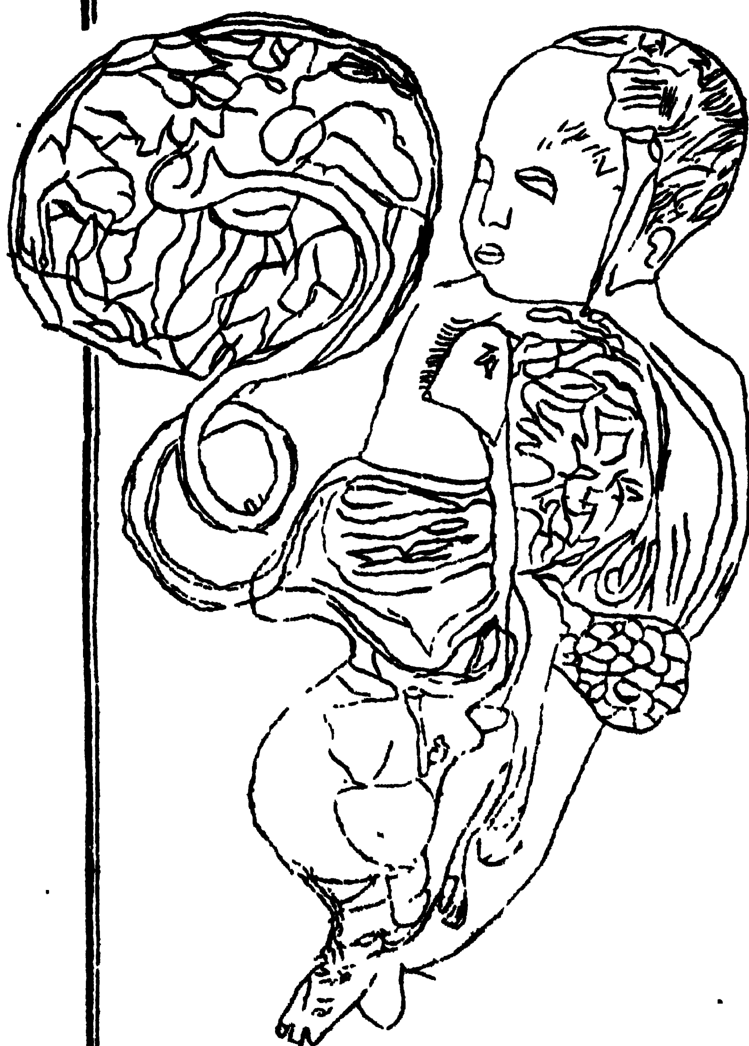
رنگ بچہ کا گلابی - منہ بڑا اور کچھ کھلا ہوا - آنکھ کی پتلی کا پردہ خوب عیاں - پیروں کی انگلیوں کے ناخنوں کا آغاز - لڑکے لڑکی بخوبی پہچان - پتا ظاہر - ناف شرمگاہ کے قریب - مشیمہ اسلاما - لفافی تینوں لعاب دار جھلیوں کا باہم وصل - قطن ھستی کے نیچے کے دانے پیدا - اور کان کی ہڈیوں کا آغاز - کمال بچہ کی مضبوط +

چوتھے مہینے کے جنین کی حالت



پانچویں مہینے کے بچہ کی حالت

سرکے بال اور انگلیوں کے ناخون بننے لگتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔



چھٹے مہینے کی حالت

آنکھوں کے چھپر دکھائی دیتے ہیں اور آنکھ کی پتلی ایک ملائم جھلی سے بند ہوتی ہے۔



ساتویں مہینے کی حالت

اب آنکھوں کے چھپر الگ ہوتے ہیں آنکھ کی پتلی کو بند کرنے والی جھلی غائب ہو جاتی ہے۔ مذکر میں ابھی خصیے نہیں دیکھے جاتے +



آٹھویں مہینے کی حالت

ناخن پورے بن جاتے ہیں اور انگلیوں کے انجام تک پہنچ جاتے ہیں خصیئے ران اور پیٹ کے ملاپ والی جگہ ابھی نمایاں نہیں ہوتی۔



نویں مہینے کی حالت

اب شریانوں سے خوب ڈھکا ہوتا ہے خصئے اپنی جگہ پر آجاتے ہیں جلد پیلے رنگ کی اور شکل شبیہہ مکمل ہوکر رحم سے باہر نکلنے اور دنیا کی ہوا کھانے کے لئے تیار ہوتا ہے +



یہ ہے انسان کا آغاز۔ ابتدا میں وہ ایک مٹی کی بے جان سی بوند تھی جس کی نسبت کوئی یقین نہ کرسکتا تھا۔ کہ یہ کبھی اس صورت شکل کا انسان بن جائے گا۔ اور اب جیتا جاگتا۔ خوبصورت۔ متناسب الاعضاء آدم زاد ہوکر شکم مادر سے باہر نکل آیا۔ اور ایک نئی دنیا میں آگیا۔ اسی نئی دنیا میں آتے ہی کچھ دنوں بعد سنبھلا۔ اپنے چوتڑوں پر بیٹھنے لگا۔ ہاتھ میں کچھ کچھ پکڑنے لگا۔ ہا ہا کیسا آنند ہے۔ اور کیا ہشاش بشاش نظر آتا ہے کبھی مسکراتا ہے کبھی ہنستا ہے۔ اس کی مسکراہٹ کیسی دلربا ہے۔ اس کا ہنسنا کیسا فرحت افزا ہے۔

بچہ بیٹھ کر کھیل رہا ہے



اب اپنے پاؤں سے کھڑا ہوگیا۔ چلتا ہے۔ پھرتا ہے۔ اچھلتا ہے۔ کودتا ہے۔ کسی بات کا فکر نہیں۔ کسی امر کا غم نہیں۔ اسکی زندگی بہشتی ہے۔ اور اس کی خوشی حقیقی۔ جس کو وہ پھر ساری عمر نہیں پا سکے گا۔

ایام صبا



اب غرور جوانی میں متوالا رہتا ہے۔ ایسا نشہ جوانی میں سرشار ہے کہ کسی کو دھیان ہی میں نہیں لاتا۔ نہ اپنے فرض کا خیال ہے نہ کسی طرح کا ملال۔ کہ مجھکو اس دنیا میں رہکر کیا کرنا ہے۔ اور کس غرض نے یہاں بھیجا گیا ہے۔ اپنے غرور

نیں مست اور اپنی نیند کے نشہ میں متوالا ہو رہا ہے ۔



اب بیاہا گیا - اور دو پہیہ گاڑی میں جوتا گیا - مگر ابھی اولاد وغیرہ کا کوئی بکھیڑا نہیں اور نئی دلہن کی آمد کی خوشی میں محو ہو رہا ہے - کسی جنجال میں نہیں پھنسا - اپنے حال میں مست ہے اور اپنے خیال میں سرشار -



اب دیکھو بال بچے پیدا ہوئے - گھر کا فکر پڑا - بچہ کو گود میں لئے چوم رہا ہے اور پیار کر رہا ہے - مگر آخرت سے ایسا غافل ہے کہ بھولکر بھی یاد نہیں کرتا - دنیا کے جنجال میں پھنس گیا - ہمہ وقت بال بچوں کا فکر ہے مال اور اولاد کے بکھیڑوں نے غافل اور بے سدھ کر رکھا ہے - کسی کو دھیان میں نہیں لاتا -



مگر یہ بھی دریا کا ایک چڑھاؤ تھا۔ جو وقت معین کے بعد اتر گیا۔ اب بہ سبل سے عمر گذر گئی اور ۵۰ تک پہنچ گئی۔ وہ جوش جوانی ہرن ہو چلا۔ بال سفید ہونے شروع ہوئے۔ بدن کی رونق کم ہونے لگی۔ دانت رخصت ہونے لگے۔ صورت بگڑنے لگی۔ وہ شوخی اور چلبلا پن سب کافور ہو گئے۔



سن انحطاط

اب حضرت انسان کا ایک اور نظارہ دیکھو۔ سب قوتیں ضعیف ہو گئیں۔ سارے اعضا کمزور ہو گئے منہ اور کھال پر جھریاں پڑ گئیں صورت بدل گئی۔ بدن کے سب حصے کمزور اور ڈھیلے ہو گئے۔ لاٹھی کے سہارے سے چلنے کا زمانہ آگیا۔ نہ وہ جسم میں توانائی رہی نہ وہ دل میں جوش زور آزمائی۔ دانت رخصت ہو گئے۔ طاقت نے جواب دے دیا۔ اور اول عمر کی طرف لوٹائے گئے۔







اب ایک اور نظارہ دیکھو۔ وہی حضرت انسان جو جوانی کے جوش میں کبھی نچلے بیٹھنے والے نہیں تھے تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ بٹھلائے سے بیٹھتے اور اٹھلائے سے اٹھتے ہیں۔ نہ اٹھنے کی پروا نہ بیٹھنے کا ہوش۔ بوڑھے میاں دم واپسیں کا انتظار کر رہے ہیں۔ قبر میں پاؤں لٹکائے ہیں۔ فرشتۂ اجل کی مہیب صورت آنکھوں کے سامنے ہے عالم ہستی کی دلچسپیوں پر حسرت کے ساتھ نظر ڈال رہے ہیں دل میں امیدوں کی آس پھٹتی ہے اور رہ جاتی ہے۔ آرزوؤں کو

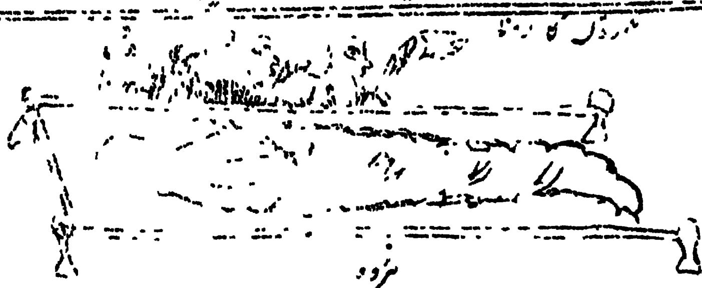
مایوسیاں خاک میں ملا رہی ہیں۔ تمناؤں پر ناامیدیوں کی اوس پڑ رہی ہے۔ موت کے اشتیاق میں پہلو بدل رہے ہیں۔ اور جاننے بوجھنے کے بعد نادان اور سنجیدہ انسان سے بچہ بن گئے ہیں۔ اور لکی لا یعلم بعد علم شیئًا کے مصداق ہوگئے ہیں۔ اور شکل بھی دیکھنے پہچانی نہیں جاتی۔ گویا یہ کوئی عجیب الخلقت انسان ہیں۔

شیخوخیت





سب سے آخری حیرت ناک نظارہ دیکھئے۔ کہاں گیا بچپن کا چلبلاپن۔ ایام طفولیت کی شوخیاں۔ عہد شباب کی بے باکیاں اور لن ترانیاں۔ سب خواب و خیال ہوگئیں۔ اب حضرت انسان لب جاں ہیں اور بستر مرگ پر پڑے سسکیاں لے رہے ہیں۔ یہ سین واقعی بڑا عبرتناک اور حسرتناک ہے۔ جو ہر ایک انسان کو ایک نہ ایک دن پیش نظر آنے والا ہے۔



مُردہ

ہائے حضرت انسان کے مرتے وقت کا سماں ایک عجیب دردناک سین ہے کون شخص ہے جو اس پُر درد حالت کا خیال کر کے اپنے آپے میں قائم رہ سکے۔ مرنے کے وقت کا وہ سماں کہ آخری سانس اس کے سینہ میں اٹکا کرتی ہے۔ عجیب دردناک ہے۔ وہ سانس ان تیمارداروں اور عزیزوں کو

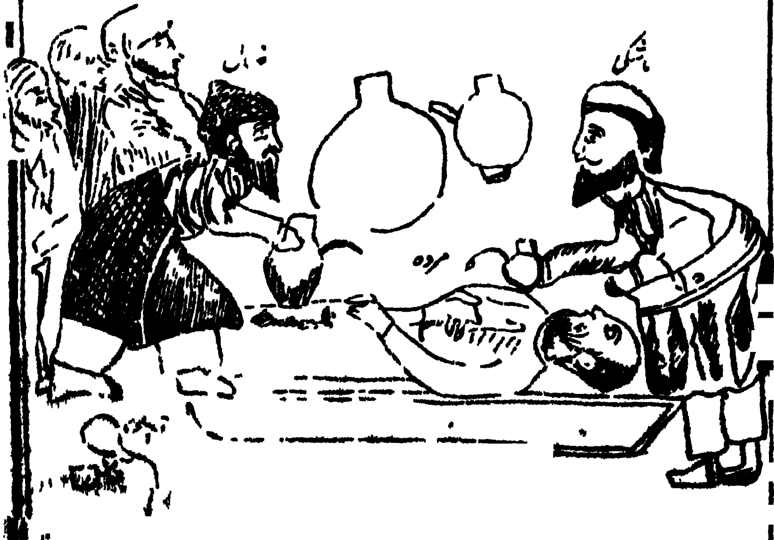
بتاتی ہے۔ کہ اب حضرت سے ہاتھ دھو چکو۔ جو کچھ کہنا ہو۔ کہہ لو۔ یا جس
نے دیکھنا ہو دیکھ لو۔ پھر یہ آرزو پوری ہونا محال ہے۔ پیارے رشتہ داروں
کے چہروں کی مایوسی اور اُس کے مرنے کا یقین۔ دیکھنے والوں کو خیال دلاتا
ہے۔ کہ بُرا وقت ہے ان لوگوں کی بے بسی اور مجبوری جنکو اسکی جدائی کا غم
بھولنا محال ہے صاف بتلاتی ہے کہ تم کو بھی مرجانا چاہئے۔ مرنے والے
کا چاروں طرف حسرت کی آنکھ سے ایک ایک کو گھبرا گھبرا کر دیکھنا۔ اور
مایوسی کے حملوں میں رُک رُک کر ٹھنڈی سانسیں بھرنا۔ اور کہنا کہ ہمارا
کہا سُنا معاف کرنا۔ نہایت عبرت فزا ہوتا ہے ہائے ہائے پیارے اور
دلربا چہروں کی طرف آخری نگاہ کرنا اور کہنا کہ تم ہماری محبت کو نہ بھولنا
ستم ڈھاتا ہے یونہی آدھی آدھی بات سے اور آدھے اشارہ سے ادا
کرتے کرتے ہاتھ پاؤں دو چار بار سمیٹ ایک سخت ہچکی لے کر آنکھوں کی سیاہ
پتلیاں جب اوپر کے پپوٹوں میں چمٹ گئیں۔ تو گھر والوں کا اس حسرت
نصیب کے چاروں طرف حلقہ باندھ کر رونے کا شور سُننے والے کے کلیجے
کو گداز کر دیتا ہے۔ کوئی اپنی پُرانی دوستی اور ہمدردی کا ذکر کرکے ٹھنڈے
سانس بھر رہا ہے۔ کوئی سرھانے بیٹھا سر کو پیٹ پیٹ کر بڑی لمبی اور
دردناک آواز سے رو رہا ہے۔ کوئی کھڑا ہوا اُس کی عبرت ناک موت پر
افسوس کر رہا ہے۔ کہ ہائے ابھی باتیں کی تھیں۔ کوئی اس سے کسی کی
آرزوؤں اور تمناؤں کا ذکر چھیڑ رہا ہے۔ کہ اُس کے دل میں ایسے ایسے ولولے
اور امنگیں ہوتی تھیں۔ جن پر پانی پھر گیا۔ کوئی وصیتوں کے پورا کرنے
کے فکر میں ہے۔ کوئی شخص کفن دفن کے فکر میں لگ گیا۔ قبر کُھدائی جا
رہی ہے۔ ہائے اب تو نہلانے کے لئے تختے پر لٹا دیا گیا۔ لوگوں کی بے
اختیار چیخیں نکل گئیں۔ اور واویلا مچ گیا۔ کفن پہنا دیا گیا۔ چار پائی
پر لٹا کر گورستان کی طرف لے چلے۔ اُس وقت کی کیفیت کچھ نہ پوچھو۔
آہ و زاری کی آوازیں بلند ہوئیں۔ پتھر دل بھی موم ہو گئے۔ محلے میں کُہرام
مچ گیا۔ ہائے اب اس حرمان نصیب کو وہاں لے چلے ہیں۔ جہاں سے
پھر کبھی واپس نہیں آئیگا۔ مُردہ کو گورستان میں لے آئے۔ قبر کُھد چکی۔
جنازہ پڑھکر نعش اُس بے کس کی قبر کے پاس لائے۔ اب دفن کرنے

کے لئے لحد کے اندر رکھی گئی۔ پیارے رشتہ دار باپ بیٹے اور بھائی اپنے
ہاتھوں سے اوپر مٹی ڈالنے لگے اور مٹی ڈال کر تن تنہا چھوڑ ٹھنڈی سانس
بھرتے اور روتے ہوئے اپنے گھر واپس آئے۔

اے ہے یہ کفن بدن پہ کس نے پہنا
لے جاتے ہیں قبر کو جنازہ کس کا
وہ جس کے تھے ایوان و محل سر بہ فلک
اک قبر کے کونے میں پڑا واویلا

چھوڑا کس نے ہے آج بستان جہاں   چھوڑ آئے کسے آج سوئے گورستاں
صد حیف کچھ اعتبار دنیا کا نہیں   انسان کے لئے ہے اک یہ عبرت کا سماں

مُردہ نہلایا جا رہا ہے



جنازہ اٹھا کر قبرستان کی طرف لے جا رہے ہیں



جنازہ پڑھا جا رہا ہے





قبر پر فاتحہ پڑھ رہے ہیں

یہ ہے انسان کی ہستی اور اُس کا انجام۔ یا تو دنیا میں جیتے جاگتے اُچھلتے کودتے
ناز و غرور میں کسی کو خیال میں بھی نہ لاتے تھے۔ یا اب قبر کے کونے میں اندھیری
کوٹھڑی میں جا سوئے۔ جہاں سے اب قیامت تک واپسی کی اُمید نہیں۔
کچھ دن گذرے کفن بھی میلا ہوگیا۔ قبر کُہنہ ہوگئی۔ اب پہچانا بھی نہیں جاتا۔
کہ یہ کس کی قبر ہے؟ یہاں کے مکانوں میں کوئی بھی تمیز نہیں۔ کہ یہ امیر کا گھر
ہے یا فقیر کا۔ اے ہے۔ اس قبر میں تو بڑے بڑے سوراخ بھی ہوگئے زندگی
میں ان مکانوں کے دروازوں پر کبھی دربان کو ذرا سی آنکھ لگ جانے پر جرمانہ
ہوتا۔ آج ان سوراخوں کے راستے بودار اور مُردار خوار جانور اپنے رہنے کے
لئے جگہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ یا یہ حال تھا کہ ان کے کپڑے پر ایک دھبہ
لگ جاتا۔ تو غضب آجاتا۔ یا اب یہ حال ہے کہ ہزاروں من گرد میں پڑے
ہوئے بے خبر سو رہے ہیں۔ کروٹ بھی بدلنا ناگوار ہے۔ دیمک اور چیونٹیاں
نرم اور نازک بدن کے گوشت سے اپنی خوراک پیدا کرنے کی تدبیروں میں کفن
کو پہلے سے چاٹ گئے۔ اب بدن بھی خاک میں ملا گئے۔ کان لگا کر سنو
تو کچھ آواز بھی آرہی ہے ہائے باتیں اور پاؤں کی چاپ کیسی! سانس
کی آواز بھی نہیں۔ مگر بڑی مکھیاں اور بھڑیں جنھوں نے مٹی کی ٹھنڈک
میں اس متعفن قبر میں چھتا لگایا ہے۔ انکی بھنبھنانے کی صدا بہت بُری

گرم ہے۔ جن سوراخوں سے چیونٹیاں قطار باندھے آتی اور جاتی ہیں۔ ان سوراخوں سے شاید بڑے بڑے مکانوں میں ہوا کے لئے روشندان بنانے کا طرز سیکھا گیا ہے۔ یہ ٹوٹی ہوئی قبر جس پر سوائے مٹی کے ڈھیر کے اور کچھ نہیں ہے۔ شاید کسی غریب کی ہوگی۔ مگر یہ خیال غلط ہو تو عجب کیا ہے؟ یہاں امیر اور غریب کی قبر کی شناخت ہی کیا ہے؟ قبر میں آ کے امیر غریب برابر۔ ذرا اس کچی ٹوٹی قبر کی مٹی اُٹھا کر دیکھو۔ اگرچہ ہاتھ بھر نگے مگر ایک عبرت کا سماں اور وحشت خیز نظارہ نظر آئے گا۔ مٹی ہٹا کر دیکھا تو ایک پتھر زمین میں دھنسا ہوا دکھائی دیا۔ جس پر اُس مُردے کی وفات کی تاریخ لکھی ہوئی تھی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)
اے آنکھ والو! عبرت پکڑو۔

پاس ہی ایک اور قبر تھی۔ اُس پر سے مٹی ہٹا کر دیکھا۔ تو ایک پتھر میں کھدا ہوا دکھائی دیا ؎ ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مُرد۔
ایک چھوٹی سی قبر کو دیکھا۔ تو اُس کے سرہانے ایک پتھر پر یہ شعر کندہ تھا ؎

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

معلوم ہوا کہ کسی لاڈلے بچے کی قبر ہے جس کے ماں باپ بلکتے دھوتے اپنے لخت جگر کو اس بے کسی اور بے بسی کے عالم میں پھینک گئے۔
ان سب میں زیادہ حسرت اُس قبر پر ہوتی جس پر یہ مصرع کھدا ہوا تھا ؎ ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مُرد۔ ہائے بے وفا زندگی تو نے اس نوجوان سے بھی وہی چال کی۔ جو قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے بوڑھوں سے کرتی ہے۔ ہائے اس کی حسرتیں اور مرادیں جن کو یہ جان سے زیادہ سینے میں چھپائے رہتا ہوگا۔ اس خاک میں مل گئیں۔ اس کے ماں باپ اس کی پیاری صورت کے دیکھنے کو ترستے ہونگے۔ اس کا غم اُنہیں کیونکر بھولا ہوگا۔ ہائے موت تیری دست برد سے کوئی نہیں چھوٹ سکتا نہ کوئی آج تک چھوٹ سکا ہے۔ پیر۔ پیغمبر۔ اولیا۔ اتقیاء سب تیرا مزا چکھ گئے۔ کسی کے ساتھ تو نے وفا نہ کی۔ سارے جہانوں کے سرتاج

باعث ایجاد کائنات حضرت محمدؐ رسول اللہ صلعم تک کو تو نے اپنا مزا چکھائے بغیر نہ چھوڑا ہے

چو ختم الانبیا ہم رفت دیگر کیست کو ماند
مگر ذات مقدس قادر قیوم صمدانی

اے موت! تیری بے وفائی کی سارے جہان میں دھوم مچ رہی ہے۔ وفا کا تو نام تک نہیں جانتی۔ جہاں موقعہ ملا۔ تو نے انسان کا گلا گھونٹ لیا۔ وہ واویلا مچاتا رہ گیا۔ تو نے اپنا کام کرلیا۔ ہائے تو انسان کو بیک نگاہ کیسا قابو کر لیتی ہے کہ کچھ بس نہیں چلتا۔ کچھ بن نہیں پڑتا۔ باپ بچے۔ ماں۔ باپ۔ حکیم۔ طبیب سب پاس کھڑے رہتے ہیں۔ مگر موت کی گھڑی آئی۔ پھر کسی کا بس نہیں چلتا۔ کسی کو ایکدم کیلئے ٹھہرا سکے

سکندر کہ بر عالمے حکم داشت ۔۔۔ دراں دم کہ بگذشت و عالم گذاشت
میسر نبودش کزو عالمے ۔۔۔ ستانند و فرصت دہندش دمے

خدا نے جو چیز بنائی ہے۔ ایک دن اُسے فنا ضرور ہے۔ یہ جتنے جسم ہمیں نظر آتے ہیں۔ یہ جتنی خیالی صورتیں ہماری نظروں کے سامنے دوڑتی پھرتی ہیں۔ صناع قدرت نے ازل میں جس وقت اُن کی دلفریب صورتیں بنائی تھیں اُس وقت ان کے قد و قامت کے موافق ایک فنا کا برقعہ بھی تیار کرلیا تھا۔ غیب کے بے مروت فرشتے اُس برقعہ کو لئے منتظر بیٹھے ہیں۔ کہ خدا کا مقرر کیا ہوا وقت آئے اور بڑھ کے اُڑھائیں۔ فنا کا برقعہ ایک ایسا پرسحر لباس ہے۔ کہ مذاہب والوں کے نزدیک جس کو اُڑھا دیا گیا وہ تو سب کو دیکھتا ہے۔ مگر اُسے کوئی نہیں دیکھتا۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اُسے دیکھیں۔ مگر ہائے یہ بات اُس کے اختیار میں نہیں۔ ہمارے کیسے کیسے عزیز کیسے کیسے دوست دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہوگئے۔ ہماری آنکھیں دنیا میں انہیں ڈھونڈ آئی ہیں۔ مگر کہیں پتا نہیں لگتا۔ کیا ہماری طرح وہ نہ چاہتے ہونگے کہ ہم سے گھڑی بھر کو آکر ملجائیں۔ نہیں ضرور چاہتے ہونگے مگر بیچارے کیا کریں۔ کہ اپنے بس میں نہیں۔ قدرت نے فنا کا برقعہ اُڑھا کر خدا جانے کس شہر خموشاں میں ڈال دیا ہے ہستی کا لباس جب قضا نے بخشا + برقعہ فنا کا ساتھ تیار کیا ۔ راس آتا ہے جب ہمیں لباس ہستی

رہتے ہیں وہیں ملک یہ برقع بھی اُڑھا۔
گذشتہ احباب اور چھوٹے بڑے دوستوں کو نو خیر الوداع کہہ چکے۔ زیادہ عنقد
حبیب ہوتا ہے۔ جب محکمہ قضا وقدر کی سپریم گورنمنٹ کا یہ وہبی اور حکمی
سرکلر نظر سے گذرتا ہے۔ کہ دنیا میں جو کوئی ہے اُسے یہ برقع ایک دن
ضرور اوڑھنا ہوگا۔ لائے یہ لباس ہر ایک شخص نے زیب بر کیا۔ اور
آئندہ بھی ہر ایک شخص کرکے رہیگا۔

کتنا بڑا قلق ہوتا ہے اور دل پر کیا کچھ گذر جاتی ہے۔ جب خیال کرتے
ہیں کہ یہ پیاری پیاری صورتیں۔ یہ من موہنی مورتیں۔ یہ پانی اور پسینہ
کی جگہ خون بہانے والے احباب۔ یہ ناز بردار ماں باپ۔ یہ قوت
بازو بھائی۔ سب کے سب اپنی اپنی باری اس لباس کو پہنیں گے
ہم ڈھونڈتے پھریں گے اور اُنکا کہیں پتہ نہ لگیگا۔

کیسے کیسے لوگ گئے۔ اگر ان کو یاد کیا جائے تو ہر ایک کی یاد میں ایک
ایک داغ صفحہ دل پر لگا چلا جاتا ہے۔ کس کس پایہ کے علما۔ کس کس
رتبہ کے فضلا۔ کیسے کیسے عقلمند کیسے کیسے فلسفی دیکھتے ہی دیکھتے اٹھتے چلے
گئے۔ کیسے کیسے سحر البیان اسپیکر۔ جادو نگار انشا پرداز ہر فن کے اُستاد
ہر قسم کے صناع حسینان مہ جبیں دنیا سے ایک دم زدن میں اور پھر
عین عنفوان شباب میں اُٹھ گئے۔ جن کی موت آج تک زمانہ رو رہا ہے

کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو کاحوال مسافران عالم چوں شد

حقیقت میں کوئی نہیں پھرا۔ فطرت کا خاصہ ہی نہیں۔ کہ مرنے کے بعد
دوسری دفعہ پھر اس دنیا میں بھیجا جائے۔ آجتک کوئی مُردہ لوٹ کر نہیں
آیا۔ عدم کا راستہ وہی ہے جسکی واپسی نہیں۔ موت کا ایسا پردہ ہے۔ کہ جسے
اُسے ہٹا کے اُدھر کی کیفیتیں جھانک کے دیکھیں۔ وہیں کا ہو رہا۔ یہ قدرت
کا بنلایا ہوا قدیمی فرمیسن ھوس کچھ ایسا طلسمی مکان ہے۔ کہ اس کا کوئی راز
آجتک کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ یہ وہ راز ہے۔ کہ جسکے معلوم کر لینے کی ہوس ہر
دل میں موجود ہے۔ اور ہر دماغ اسکی تجسس میں پریشان ہوا جاتا ہے۔
جس وقت یہ یاد آتا ہے۔ کہ آج ہم زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ کل زمین کے
نیچے ہونگے۔ تو پاؤں کے نیچے کی زمین نکل جاتی ہے۔ صرف یہی نہ ہوگا۔

نہ ہم مٹی کے ایک بھاری بوجھ کے نیچے دبے ہونگے - بلکہ موت ہم کو اس ہیبت ناک مقام میں لے جائے گی - جہاں نہ کوئی دوست ہوگا جس کے آگے اپنا درد دل ظاہر کریں - نہ کوئی مونس ہوگا جو ہمارے حال پر دو آنسو بہائے - نہ ہماری ہمدم بی بی ہوگی - جو ہم کو جان سے زیادہ پیاری ہے اور جسکی دردمندیوں پر بڑی بڑی نازک حالتوں میں ہمارے دل کو قرار آگیا ہے - نہ یہ سامنے کھیلنے والے بچے ہونگے - جنکی میٹھی میٹھی باتیں اور پیاری پیاری صورتیں ہماری زندگی کی خوشی اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں - ہم ہر طرح کی سختیاں اپنے اوپر جھیلتے ہیں - مگر انہیں تکلیف نہیں پہنچنے دیتے - نہ نازبرداراں ہوگی جو ہماری ادنٰے فکر پر بے چین ہو جاتی ہے - نہ مہربان باپ ہوگا - جو ہمارے فکروں کے پیچھے اپنے تئیں مٹائے دیتا ہے - نہ یہ عالیشان مکان ہوگا - جس کو باغ جنت سے تشبیہ دیتے ہیں - اور نہ یہ نازک اور گدگدا بچھونا ہوگا - جس پر ہم آرام سے سوتے ہیں نہ یہ پرتکلیف پلنگ ہوگا - جو ہر وقت ہمارے لئے بچھا رہتا ہے - نہ نوکر ہونگے جو ہمارے ادنٰے ادنٰے اشاروں پر دوڑتے ہیں - نہ مال اور اسباب ہوگا - جو درحقیقت ہمارا سرمایۂ ناز ہے اور جسکی وجہ سے ہم اپنے تئیں بہت بڑا امیر سمجھتے ہیں - اور غریبوں پر ہزاروں ظلم کرتے ہیں - مگر کوئی دم نہیں مار سکتا - یہ سب خیالات جس گھڑی ہمارے دل پر جمع ہو جاتے ہیں - اور بے تابیوں کی ہجوم سے دماغ پریشان ہونے لگتا ہے اُس وقت میں ہم پر کچھ ایسی حالت طاری ہوجاتی ہے - کہ یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ ہم کون ہیں - اس میں اس گھڑی ہم بالکل اپنے تئیں بھول جاتے ہیں -

بڑے بڑے اونچے مکانات اور نہایت ہی دلفریب باغوں کے سین جو برسوں میں لاکھوں روپیہ جمع کر کے اس قابل ہوئے تھے - کہ اب وہاں کوئی اپنے نازک پاؤں کا نشان بنائے - اور ان کے ہوادار کمروں میں بیٹھکر پرلطف نظارہ کے مزے اُٹھائے - یونہی پڑے رہ گئے - اور بنانے والوں کو پوری نگاہ سے دیکھنے تک کا موقعہ نہ ملا - کہ نقل مکان کی ضرورت ہوگئی - انکے دل کے صفحات پر حسرت خیالات جو اس وقت انکے دل پر گذرتے ہیں کچھ وہی جانتا ہے - جو اسکا ہم خیال ہے - جتنے میں نے اسی واسطے روپیہ لگایا

تھا - کہ میں اس سال کی بہار کی فصل کا سماں بھی نہ دیکھوں - نئے میں
اپنی طبیعت کے موافق فلاں کمرہ میں فرنیچر بھی نہ لگا سکا - کہ چلنے کی تیاری
ہو گئی - افسوس وہ ہوا دار جس کے سب دروازے باغ کی طرف ہیں
جسکے چبوترے کے سامنے سے نہر جاری چل رہی ہے - اب نہیں معلوم
میرے بعد کے قابض اسکو کس مصرف کے لئے قرار دیں گے - ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد + روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

یہ دردناک حالتیں جو دنیا میں انسان پر وارد ہو رہی ہیں - یہ حسرتناک سماں جو
ہزارہا انسانوں پر عین جوانی میں ہی آ جاتا ہے - اگر اُس کا کوئی بدل نہیں تو
انسان سے بدنصیب دنیا میں کوئی نہیں - ان حسرتناک اور دردناک
حالتوں میں اگر انسان غم و الم کو کوئی چیز ہلکا کر سکتی ہے - تو وہ دوسری دنیا
کا یقین ہے - جہاں اسکو اس دنیا کی تکالیف کا معاوضہ اور ان چھوڑی
ہوئی نعمتوں کا بدل مل سکتا ہے - ایک مرنے والا جسکو اپنے مرنے کے
بعد ایک نئی زندگی کی امید ہے - اسباب دنیاوی - محل اور مکانات
بیویوں اور بال بچوں کی مفارقت پر ایسا سخت صدمہ قلب پر محسوس نہیں
کرتا - جیسا کہ آخرت سے منکر اور دوسری دنیا سے نا اُمید - دوسری دنیا کا
یقین کرنے والا بیشک جُدا ہوتا ہے اور جُدا ہونے کا اُسے افسوس بھی
ہوتا ہے - مگر آیندہ اس سے بڑھ کر راحتوں کی اُمید پر دنیا اور اسباب دنیا
کے چھٹنے کی پروا نہیں کرتا - اُسکو اپنے دلرُبا محبوبوں کے چھٹ جانے
کا غم ہوتا ہے - مگر اُسکو یہ اُمید ہوتی ہے - کہ میں اس سے بھی زیادہ
حسین اور با وفا ماہ جبینوں سے مل جاؤنگا - عالیشان عمارات جنمیں
رہنے کی اس کو بہت خوشی ہوتی تھی - اُن کے چھوٹ جانے کا اُسے غم ہوتا
ہے مگر اسکا یہ پکا یقین کہ اُسے اس سے بدرجہا بہتر عالیشان مکانات
ملیں گے - جنکے نقشے اسکے مذہبی عقیدہ کے آئینہ کے سامنے آ رہے
ہیں - اسکے اس غم کو غلط کر دیتے ہیں -

ایک نا اُمید قایل دہر (دہریہ) اپنے ساتھ تمام اہل دنیا کی آرزوؤں -
اور تمناؤں کا خون کرنا چاہتا ہے - وہ مذہب والوں سے کہتا ہے
تمہیں دھوکا ہے - مرنے کے بعد کچھ نہیں - نہ جنت ہے نہ دوزخ

ہے نہ آرام ہے نہ بقا ہے۔ مرنا فناہ ہو جانا ہے۔ زندگی کیسی اور دوسرا عالم کیا۔ جو لوگ موت کا پردہ اٹھا کے اُودھر کی دلچسپیاں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کو وہ بھٹکاتا ہے اور کہتا ہے۔ جستجو سے بیفائدہ ہے کیا حاصل جو کچھ کرنا ہے۔ دنیا میں کرلو۔ جس قدر چین اڑانا ہے اس عالم میں اڑالو مگر اصل میں دیکھئے تو وہ اپنے تئیں بالکل ناامید کئے دیتا ہے۔ اگر دنیا میں وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ تو جانو ہمیشہ کے لئے ناکام رہا۔

مرجانے کا ہول جسکے خیال سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دنیا کے عیش و آرام سے علیحدگی کا خیال جو دل و دماغ سے دونو کو آپے سے باہر کر دیتا ہے انسان کو ایک ایسی امید دلا کر مطمئن کر دیتے ہیں کہ وہ خوف و دہشت بہت کچھ ہلکی ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے صدمے اور مصیبتیں جو انسان کی زندگی کے تلخ کر دینے کو کافی ہیں۔ انسان ان کو ایک بالا تر امید کے بھروسے پر بہ آسانی برداشت کر لیتا ہے۔ اگر انسان کے مرنے کے بعد کوئی اور ہستی نہیں جو اس زندگی کا نعم البدل ہوسکے۔ تو انسان جیتے جی مرگیا۔ اور اس سے بدنصیب دنیا میں کوئی نہ در حقیقت تمام مصیبتوں کو ہلکا کرنے والا اس دوسری دنیا کا خیال ہے جس میں ہمیں اُن مصائب و تکالیف کا کافی معاوضہ ملیگا۔ اور تمام مطلوب اور مشکلات پر ساتھ دینے والا۔ اسے وقت میں کام آنے والا۔ وہ اللہ ہے جس نے ہمکو اس دنیائے فانی میں پیدا کیا۔ اگر سچے دل سے اس پر یقین رکھیں گے تو وہ ہمکو ضرور ضرور اس دنیا کی تکالیف اور مصائب کا کافی بدلہ عطا فرمائیگا

فرض کرو ایک جہاز ڈوب رہا ہے۔ آندھی کا زور ہے۔ موجیں تھپیڑے دے رہی ہیں اور سمندر دشمن خونخوار کی طرح ڈرا رہا ہے۔ کہ اب طعمۂ نہنگ اجل ہوا کہ ہوئے۔ ایسے نازک وقت میں یہ بات دیکھنے کے قابل ہے۔ کہ جو لوگ جہاز پر سوار ہیں اُن کے دل کس طرف متوجہ ہیں۔ اور وہ کیا کر رہے ہیں۔ کپتان اور خلاصی جہاز کے سنبھالنے کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور چاروں طرف گھبرائے ہوئے دوڑتے پھرتے ہیں۔ اور اس فکر میں ہیں۔ کہ کسی طرح اپنے تئیں اور اپنے ساتھ والے مسافروں کو اس آفت ہولناک سے بچائیں۔ مسافروں میں [illegible] ہوسکتا ہے وہ کپتان کی مدد کا

ہے۔ مگر باقی سب کے سب بے اختیار ہو کر اسی ایک ذات کی طرف متوجہ ہیں۔ جو ہر موقعہ پر انسان کو آفات و بلیات سے بچا سکتا ہے۔ وہ نہایت رقت کے ساتھ آہ و زاری کر رہے ہیں۔ اور اپنے گذشتہ گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ اُن کو یقین کامل ہے کہ اُن کا بچانے والا اُن کے پاس ہے۔ وہ اُنکی فریاد کو سُن رہا ہے۔ اور ہر طرح اُسکے اختیار میں ہے کہ ان بیچاروں آفت نصیبوں کو بچالے۔ اُس اضطراب اور مایوسی کے وقت اگر انکو کوئی اُمید ہے۔ تو اُس اپنے فریاد رس سے۔ کوئی تدبیر کرتا ہے کوئی کوشش کرتا ہے۔ مگر وہ لوگ سوائے اپنے بچانے والے کے کسی کی سعی پر بھروسا نہیں کرتے۔

عبرت

اوپر جو نظارہ انسان کو اُسکی ہستی بے بنود کا دکھلایا گیا ہے۔ واقعی قابل غور ہے۔ انسان کیسا غافل بیٹھا ہے اور دنیا کے کاموں میں غرق ہورہا ہے کیسے کیسے خیالات اسکے دل میں جاگزین رہیں۔ کیسی کیسی آرزوئیں گود میں لئے بیٹھا ہے۔ لیکن جس وقت خدا کی طرف سے بلاوا آتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ خدا کی طرف چلا جاتا ہے۔ اور بصد حسرت لاکھوں تمنائیں دل میں لیکر بے بس و بے کس قبر میں جا سوتا ہے۔ ماں باپ زن و فرزند سب سے ایسا جاتا ہے کہ نہ اُسکو اُنکی خبر اور نہ اُنکو اُسکی اطلاع جنکی خاطر یہ اپنی جان قربان کرتا تھا۔ اور رات دن اُن کے آرام کے لئے سر کھپاتا تھا اور کچھ پروا اس بات کی نہیں تھی۔ کہ ایک دن یہ محبت اور دل لگی میری جان کا وبال ہوگی۔ وہ کچھ بھی اسکی غمگساری اور ہمدردی نہیں کرسکتے ہے اُس وقت صرف وہ ہوتا ہے اور اُسکے اعمال۔ نہ کوئی اُسکا رفیق ہوتا ہے نہ کوئی اُسکا عزیز۔ یہ سب ظاہری دنیا سازی کی باتیں ہیں اور غفلت کا پردہ آنکھوں پر پڑا ہوا ہے۔ عاقبت کی خبر تو خدا جانے دنیا میں بھی اڑے وقت پر انسان کا کوئی ہمدرد اور غمخوار نہیں۔ جبتک اُسکے ہاتھ کو وسعت ہے دشمن بھی دوست اور انتہا درجے کے مہربان ہیں۔ جس وقت تنگی آئی۔ گھر کے عزیز و اقارب بھی اسکے دیکھنے تک کے روادار نہیں رہے

وہ بھی ہردم تحقیر اور خونخوار نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ خود اپنے زن و فرزند کو بیبار خاطر گذرتا ہے۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ سب غرض کے آشنا اور وقت پر دھوکا دینے والے ہیں۔ آدمی ناحق اور بے فائدہ اُنکی محبت کے نشے میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ دنیا میں سچا دوست ایک بھی نہیں۔ در اصل اسکا اصلی اور سچا دوست جو ہردم اُسکے اچھے بُرے حال کا خبرگیراں ہے اور ہر موقع کا نگراں ہے۔ خواہ یہ کسی حال میں ہو۔ اُسکو یہ اچھا ہی معلوم دیتا ہے۔ اور وہ اسکے جمیع امور جسمانی اور روحانی کا متکفل نہ اُس سے کسی چیز کا خواہاں نہ اُس پر نظر ہے کہ ہندو ہے یا مسلمان۔ اپنے خزانہ سے ہردم مالا مال کرنیکے لئے آمادہ اور دمبدم نگاہِ لطف و کرم زیادہ۔ وہ ذات اُسی خداوند وحدہ لاشریک کی ہے۔ جس نے اسکو پیدا کیا ہے اور عدم سے عالم شہود میں لایا ہے۔ وہی اسکا معاون و مددگار اور بگڑی کا بنانے والا اور وہی اسکو ہر بلا سے بچانے والا ہے دنیا میں دل لگانے اور جان فدا کرنیکے قابل اگر کوئی ذات ہے۔ تو وہی ہے۔ جسکا کوئی عدیل نہیں۔ اُسکے انعام و اکرام کا معاوضہ جان فدا کرنے سے بھی نہیں ہوسکتا۔ بقول غالب ؎

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی + حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔

بڑی بڑی مشکلات میں اور آن کی آن میں ایسی دستگیری اور فریاد رسی کرتا ہے۔ کہ آدمی کو ازخود بالیقین معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ یہ اُسی کا کام ہے۔ اور اُسی کے فضل سے یہ مشکل حل ہوئی ہے۔ اس وقت سارے دہریوں اور فلسفیوں کے خیالات جو خداوند کریم کے منکر ہیں۔ باطل اور بکلی مردود ہوجاتے ہیں۔

فطرت کا جوش جب زور کرتا ہے اور آدمی کو اپنی اصلی حالت پر لے آتا ہے تو ہر ایک ملحد اور منکر خدا سے بھی اُسکی قدرت کاملہ کا اقرار کرا دیتا ہے ؎

ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ + ہر دل پہ چھا رہا ہے رُعب جمال تیرا

جو لوگ مصائب سفر اُٹھاتے ہیں یا جہاز کا سفر کرتے ہیں۔ اُن سے کیفیت پوچھنی چاہئے۔

اس قدرت کے دیکھنے کا انکو بہت ہی زیادہ اتفاق پڑتا ہے۔ اور جو اہل باطن عارف باللہ ہیں۔ وہ قدرت کے جلوہ میں ہردم محو رہتے ہیں مومن ؎

ہر جائی ہے جلوہ تیرا لیکن
دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا
تجھکو ہی سزا ہے کبریائی
کرسی کا نہ عرش کا یہ پایا

جو لوگ خدا سے غافل ہیں۔ اور دنیا میں منہمک ہیں۔ آخر دوزخ کا ایندھن ہو نگے۔ اُن کا مال سانپ اور بچھو بن کر انہیں کاٹے گا۔ دنیا کی خواہش زنجیر۔ ہوا و ہوس طوق۔ بُرے کام ضریع اور زقوم ہوکر اُن کو لا یموت فیہا و لا یحییٰ کا مزا چکھائیں گے۔ دوزخ کے اتھاہ کنوئیں میں وا ویلا پکاریں گے۔ مگر کوئی اُنکی پکار کو نہیں سُنے گا۔ فلا صریخ لہم ولا ہم ینقذون ؕ وقالوا یا مالک لیقض علینا ربک قال انکم ماکثون ؕ دوزخ کا ہیبت ناک نظارہ + انسانی بُرے کاموں کا انجام۔





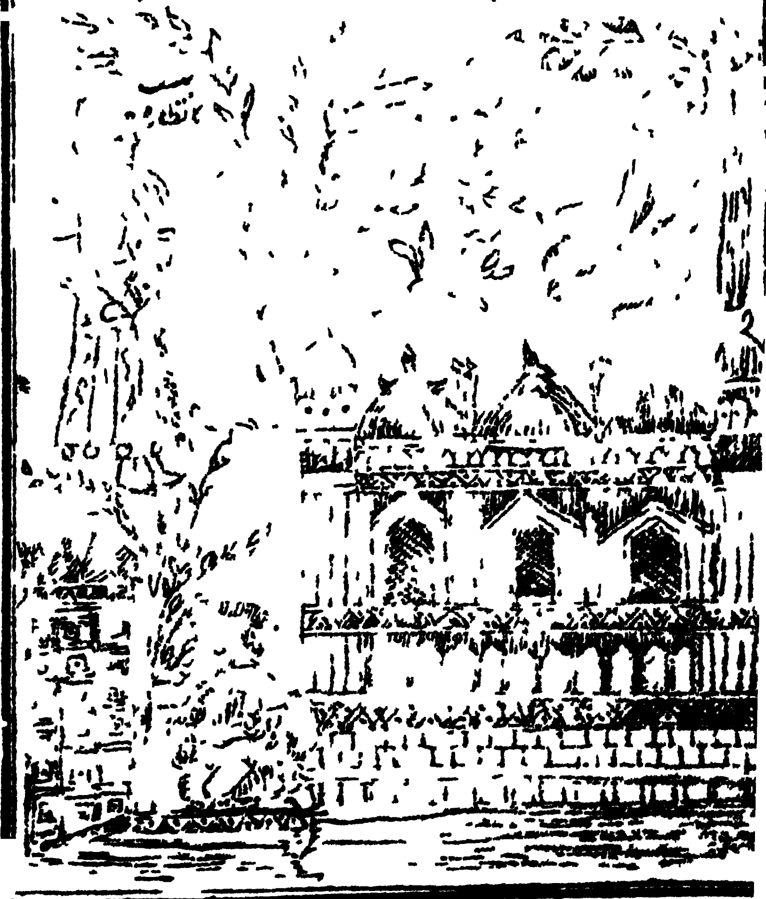
گروہ یہاں چند روزہ زندگی میں دنیا کے مزے اُڑائیں اور جو اُنکی حسرتیں وہ ایک معین وقت تک جبتک کہ اُنکو موت نہیں آتی۔ بخوبی نکال لیں۔ مگر مرنے کے بعد وہ یہی فریاد کریں گے۔ کہ ہمنے کیا اچھا ہوتا۔ جو دنیا میں ہم مٹی ہوتے

یٰلَیتَنی کُنتُ تُرَابًا۔

یہ حکومت اور دولت اور وہ عیش جب خاک میں۔ تو کچھ یاد نہیں آویگا صرف ایک خواب وخیال رہجائیگا بسکتے یہی کہیں گے کہ ہمکو ہمارے باپ دادا

اور سرداروں اور دنیا کے جاہ و حشم نے برباد کیا جسکو ہم خوش سمجھتے تھے۔ وہ سراسر نیش تھا جسکو امرت خیال کیا تھا وہ زہر ہلاہل تھا۔

کاش! اس دولت و ثروت کے عوض ہم دنیا میں محتاج اور ذلیل ہوتے فاقے کرتے۔ ہر قسم کے مصائب اٹھاتے۔ لوگ ہمکو ذلیل جانتے۔ دولت و ثروت و حکومت کچھ ہمکو نہ دیجاتی۔ مگر خدائے واحد کی عبادت کرتے اس مصیبت میں نہ پھنستے لیکن اسوقت کا افسوس کچھ فایدہ نہ دیگا۔ اور اس پچتانے سے کچھ حاصل نہو گا۔ اگر وہ خدا کی مرضی کے تابع ہونگے! اسکے احکام کو مانینگے کلام ربانی کو حق جانکر اس پر پورے پورے کاربند ہونگے خدا کے ساتھ محبت لگاوینگے تو یقیناً انکو خدا کا وصل نصیب ہوگا۔ اور جنت تجری من تحتہا الانہر میں داخل ہونگے۔ جہاں بہشت کی ہر قسم کی نعماء ان کیلئے موجود ہونگی۔ حور و قصور خادم غلام۔ خدمت میں حاضر ہونگے۔ اور ابدالاباد تک خدا کی رضامندی ان پر نازل ہوگی۔



شرف انسانی

آدم کو ملک کہتے تجھے کیا خاک بنے گا
سمجھے نہ کہ یہ نا قدم ادراک بنے گا

اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر والبحر ورزقنا ھم من الطیبات وفضلنا ھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلا (بنی اسرائیل) اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی ہے۔ اور اسکو بحر و بر میں سوار کیا اور ستھری چیزیں اسکے کھانے کو دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اسے ایک خاص قسم کی فضیلت دی۔

اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ انسان ایک قسم کا حیوان ہی ہے۔ اور منطق والے اسے نوع حیوانی ہی میں داخل کرتے ہیں۔ اور فی الواقع اگر انسان اپنی حیوانی حالت میں ہی چھوڑا جاتا۔ تو وہ حیوان تو کیا۔ حیوانوں سے گیا گذرا تھا۔ نہ تو اور جانوروں کی طرح اس کے لئے پیٹ بھرنے کا سامان آسانی سے میسر ہوتا ہے۔ نہ بدن ڈھانکنے کا بغیر تانا بانا بننے کے بہم پہنچتا ہے نہ جسم پر پوستین اور پشم ہے۔ نہ بدن پر پر ہیں۔ جن سے اپنے تئیں گرمی سردی برسات کی آفات سے بچا سکے۔ نہ اسکے پاس کوئی آلہ تیز ہے کہ درند جانوروں سے بچاؤ پا سکے۔ غرضکہ اگر انسان اپنی حیوانی حالت میں چھوڑ دیا جاتا۔ تو اسکا زمین پر قیام محال تھا۔ نہ کچھ کھانے کو تھا نہ پینے کو۔ نہ جان بچانے کو۔ ایک دم میں لقمہ نہنگ اجل ہوتا۔ اور پھر اس کا چراغ لیکر ڈھونڈنے سے پتہ تک نہ ملتا۔ لیکن خدا کی شان دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس کو دو چیزیں ایسی عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ساری مخلوقات پر شرف رکھتا ہے۔ تمام حیوانات پر حکومت کرتا ہے۔ سب سے شائستگی اور تہذیب میں بڑھ گیا ہے۔ وہ دو چیزیں کیا ہیں؟ **عقل** اور **نطق**۔ حیوانی عقل میں افزائش کی قابلیت نہیں ہوتی۔ جو علم اسکو ابتدا سے حاصل ہے ہمیشہ وہی رہتا ہے اول نسل میں حیوانوں کے علم کی تکمیل ہو چکتی ہے۔ جو احاطہ علم کا ان کے لئے مقرر ہے

اس سے نہ آگے ایک قدم بڑھا سکیں نہ پیچھے ایک قدم ہٹا سکیں۔ ان کو خدا کی طرف سے ترقی کا مادہ عطا نہیں ہوا۔ گو اب جیسے کالی وردی پہننے کا ئیں کائیں کرتا پھرتا ہے شروع میں بھی اسی طرح کیا کرتا تھا۔ شہد کی مکھیوں نے جیسے دانائی سے اپنی پہلی نسل میں خوبصورت چھتا بنایا تھا ویسا ہی بناتی چلی آئی ہیں اور بناتی چلی جائینگی۔ اسمیں بال برابر فرق نہوگا۔ بئے نے جس طرح اول روز گھونسلا بنایا تھا ویسا ہی سدا بنائیگا۔ کوئی اور جانور اسکا گھونسلا دیکھکر ویسا نہیں بن سکتا۔ خلاصہ یہ کہ حیوانات کی ترقی ایک ہی نسل میں اپنے معراج پر پہنچ جاتی ہے۔ بخلاف انسانوں کے کہ پشت در پشت ترقی کی سیڑھی پر چڑھتا ہے جانور اس نعمت سے محروم ہیں کہ اپنے خیالات اپنی اولاد کو پہنچائیں اور انسانوں کی طرح اسمیں باتیں نہیں کرسکتے نہ اپنے خیالات دوسرے کو بتلاسکتے ہیں نہ ترقی کی عقل رکھتے ہیں گو ان حیوانوں کی قابلیت اور استعداد میں فرق ہوتا ہے کوئی کتا دوسرے کتے کی نسبت زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اور اسمیں سیکھنے کی قابلیت زیادہ ہوتی ہے مگر قوت ناطقہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اپنی تعلیم سے دوسرے کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

اسکے برخلاف انسان اپنی قوت ناطقہ کی وجہ سے اپنے علم سے دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے اپنی ترقی کو آیندہ نسل کے لئے چھوڑتا ہے۔ اور دن بدن ترقی کے میدان میں قدم آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے اور ابھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں تک ترقی کرتے جائینگے ان دو جوہروں (عقل و نطق) کی بدولت آج یہ شان ہوگئی ہے کہ ساری دنیا کا بادشاہ ہوگیا۔ شیروں کو قید کرنا درندوں کو اپنا صید بنانا۔ آسمانی باتوں کی خبر دینا اور زمین پر حکومت کرتا اور ہر ایک شئے کو مسخر کئے ہوئے ہے کانوں کے جواہر ہیں تو اسکی زیب و زینت کیلئے دریاؤں کے موتی ہیں تو اسکی زیبائش اور آرائش کے واسطے باغوں کے پھول اسکا دماغ معطر کرنے کے واسطے جنگلوں کے درخت اسکے کاٹنے کے واسطے اور اسباب آسائش بنانے کے لئے پانی اسکے گھر کی چکی پیسنے کے لئے لونڈی یا اسکے جہاز و کشتی کے بادبانوں کی قید دھواں اسکی گاڑی ریل پر چلانے کے لئے اور سینکڑوں خدمت کرنے کے واسطے خادم یا غلام بجلی اسکی پیغام رسانی کے لئے کاتب اور ایسا قلم کو انگلیوں کے اشارے سے پر چلے اور چاروں طرف تمام عالم میں لمحہ بھر میں پیغام رسانی کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان ساری دنیا کا بادشاہ اور سب جہان اسکا خدمتگذار اور فرمانبردار بن گیا ہے۔

• بات یہ ہے کہ انسان کے شرف کا موجب یہ ہے کہ وہ مدرک جزئیات وکلیات ہے اور غیر متناہی علوم کی استعداد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وعلم آدم الاسماء کلھا اللہ تعالیٰ نے آدم کو کل اسماء سکھائے۔ خواص بتلائے اور اسکو عقلیہ ادراک سے حصہ دیا اور یہی امر ملائکہ پر انسان کے شرف اور استحقاق فی الارض کا موجب ہے۔ پھر انسانوں کے شرف کا ایک بڑا موجب اسکی ظاہری شکل وصورت اور حسن سیرت ہے۔ جو جمیع حیوانات سے ممتاز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ تین میں ارشاد فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہمنے انسان کو نہایت ہی عمدہ صورت اور ڈیل ڈول میں پیدا کیا اسواسطے کہ جو اسکا ظاہر دیکھا جائے۔ تو کمال حسن وجمال کے ساتھ موصوف ہے۔ قد وقامت و اعضا کی خوبی میں معتدل۔ نہ اونٹ کی سی اسکی گردن لمبی ہے نہ کچھوے کی سی نہایت چھوٹی۔ نہ خرطوم فیل کی طرح اسکی ناک بہت لمبی ہے۔ نہ چوپاؤں کی طرح بے معلوم۔ اسی طرح اگر سب اعضا میں غور کی جائے تو انسان کی خلقت سب سے احسن تقویم (عمدہ سے عمدہ نقشہ میں نظر آئیگی۔ اسیواسطے حضرت امام شافعیؒ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا تھا۔ ان لم تکونی احسن من القمر فانت طالق۔ اگر چاند سے زیادہ حسین نہیں ہوگی۔ تو میں نے تجھے طلاق دی۔ سب علما و مجتہدین اس مسئلہ میں حیران رہ گئے۔ اور طلاق پڑنے کا حکم دیا جب یہ استفتا حضرت امام شافعیؒ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا طلاق واقع نہیں ہوسکی۔ اسلئے کہ اسکی عورت انسان ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ہمنے اُسے احسن صورت میں پیدا کیا ہے۔ اگر چاند کی صورت اس سے اچھی ہوتی تو احسن تقویم اسکی تعریف میں وارد نہوتا۔ ولنعم ما قیل۔ ما دحھا یا من یشبھہا بالشمس والبدر لابل انت ھاجیھا من این للشمس خال فوق وجنتیھا فی ضحکہ من نظام الدر فی فیھا من این للبدر اجفان ملکحلتہ بالسحر والنظم یجری فی حواشیھا۔ یعنی نہیں تو تو تعریف کرنے والا اے وہ کہ تشبیہ دیتا ہے تو انسان کو سورج اور چاند سے بلکہ تو ہجو کرنیوالا

ہے اُس کا۔ کہاں ہے سورج کے تل رخسارہ پر اور ہنسنے میں لڑی موتیوں کی منہ میں اسکے کہاں ہے اور کہاں ہیں چاند کی پلکیں سرمہ والیاں جادو بھری اور فتح و نصرت جاری ہے کناروں میں اسکے۔ اور ظاہر بات ہے کہ چاند میں سوائے روشنی اور چمک کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ نسخہ جامع ہے۔ نقاشی کی نزاکتوں کا اور طرح طرح کی اشکال کا چنانچہ کہا گیا ہے ؎ من ماہ ندیدہ ام کلہ دار من سرو ندیدہ ام قبا پوش۔ یعنے میں نے چاند کو نہیں دیکھا ٹوپی پہنے ہوئے اور سرو کو نہیں دیکھا۔ میں نے قبا پہنے ہوئے۔

اور انسانی ڈیل ڈول کا احسن تقویم میں ہونا اس وجہ سے بھی ہے کہ کوئی صورت دنیا میں لائق عبادات و عظمہ تعظیمات کثیرہ کے نہیں ہے۔ جیسی کہ انسان کی شکل ہے قیام اور رکوع اور سجود وغیرہ سب اُس سے ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے حسن کا بیان بتفصیل کیا جائے جیسا کہ علم تشریح میں ہے۔ تو اسکو دفتر کے دفتر درکار ہوں۔ غور کرو تمام حیوانات اپنے منہ غذا کی طرف لیجا کر کھانا کھاتے ہیں۔ مگر یہ اشرف المخلوقات بڑی عزت و حرمت کے ساتھ کھانے کو اپنے منہ کے پاس لاکر کھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ کہ وفی انفسکم افلا تبصرون۔ اور تمہاری جانوں میں خدا کی قدرت کے نشان ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں۔ اسکی تفسیر میں حکیم ربانی رسول حقانی صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا بس خدا کو پہچان لیا۔ حقیقت میں انسان کے وجود کے اندر قدرت الٰہی کے اسقدر نشان ہیں کہ اگر قیامت تک اُنکی تفتیش و تحقیق میں لگا رہے تاہم وہ کبھی انتہاپذیر نہیں ہو سکتے۔ نہ بدن روح کے عجائبات پر وہ احاطہ تام کر سکتا ہے۔

افسوس کہ انسان غافل کبھی اپنے بدن کی بناوٹ اور نفس کی حالت پر غور نہیں کرتا۔ ورنہ وہ اپنے چھوٹے سے بدن ہی کے اندر ایک عالم کبیر کے نشانات پا سکتا ہے۔ اور ساری دنیا کا نمونہ اپنے اندر دیکھ سکتا ہے ؎

وتعلم انک جرم صغیر   وفیک انطوی العالم الاکبر

اور تو خیال کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے اور حال یہ ہے کہ تیرے اندر عالم کبیر منطوی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ہمنے انسان کو احسن تقویم
میں پیدا کیا ہے۔ اس سے یہی مطلب ہے کہ اسکی ترکیب و تنظیم اور بناوٹ
وغیرہ اس طرح کی ہے کہ اسکی ذات عجائبات قدرت کے تمام نمونوں پر مشتمل ہے
اور وجود انسانی عالم کبیر شیون پر شامل ہے۔ اگر اسکے باطن کے معنوں کی طرف
غور کیا جاوے تو عالم کبیر کی ایک تصویر نظر آتی ہے۔ اور تقویم عالم کی متفرق خوبیوں
اور حسنوں کی صنعت اپنے اندر رکھتا ہوا عالم صغیر کہلاتا ہے چنانچہ جو کچھ عالم
کبیر میں موجود ہے اسکی نظیر اس عالم صغیر میں بھی موجود ہے اور عالم کبیر کے تمام
شیون اور صفات اور خواص اور کیفیات اس میں بھری ہوئی ہیں جیسا کہ اسما
کی طاقتوں اور قوتوں سے اسکا ثبوت ملتا ہے کہ ہر ایک چیز کی طاقت کا
یہ نمونہ ظاہر کر سکتا ہے۔

چنانچہ سورج کی طرح مکاشفات آلہیہ کی روشنی اور توحید الٰہی کی گرمی اپنے دل
میں رکھتا ہے اور دوسروں کو اس سے مستفیض کرتا ہے۔ چاند کی طرح
حضرت اعلیٰ سے [illegible] کا نور لیتا ہے اور دوسرے انسان کامل
سے نور معرفت کا استفاضہ کرتا ہے دن کی طرح روشن اور نورانی بن کر
لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی راہیں دکھاتا ہے۔ رات کی طرح قصور وار اور
گناہگار کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اور تھکے ماندوں کو آرام پہنچاتا ہے۔ آسمان
کی طرح ہر ایک حاجتمند کو اپنے سایہ تلے جگہ دیتا ہے۔ اور دنیا پر اپنے فیضان
کی بارشیں برساتا ہے۔ زمین کی طرح کمال انکسار سے ہر ایک کی آزمائش کے
لئے بطور فرش بچھ جاتا ہے۔ اور سبکو اپنی کنار عاطفت میں پالتا ہے اور طرح طرح
کے روحانی میوے انکے لئے پیش کرتا ہے۔ حق اللہ اور حق العباد کو کمال کے
نقطہ تک پہنچاتا ہے۔ خدا میں محو ہوتا اور مخلوق خدا کا سچا خادم بنجاتا ہے۔
اور نیک توبہ ارادہ کا منشا ہو سکتا ہے۔

غرض جو کچھ عالم کبیر میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ عالم صغیر یعنی بدن انسانی میں
اسکا نمونہ موجود ہے۔ ہڈی پہاڑ۔ پسینا بال۔ نباتات۔ دماغ آسمانی۔ حواس ستارے
رگیں۔ نہریں۔ بلکہ جہاں میں جس جس قسم کی مخلوق ہے۔ جیسے سمندر کتا بھیڑیا
چوپایہ۔ شیطان۔ فرشتہ۔ ان سبکی مثال انسان کے بدن میں موجود ہے۔
کھانے اور جماع پر مرتا ایسی حیوانی خصلت ہے۔ غصہ کے وقت سخت

شیر ۔ بھیڑیئے کا کام کرتا ہے ۔ مکر وحیلہ سے لوگوں میں فساد ڈالدیا کرتا ہے ۔ اسمیں شیطانی کام ہیں ۔ علم کو دوست رکھنا ۔ بُرے کاموں سے پرہیز کرنا لوگوں کی بہتری چاہنا ۔ ذلیل کاموں سے بچکر عزت دار رہنا ۔ ہر کام میں حق کو پہچان کر خوش ہونا ۔ جہل و نادانی کو عبث جاننا ۔ اس میں ملکی صفت ہے بلکہ جو جو پیشہ جہان میں ہے اُن سب کے نمونے انسان کے جسم میں موجود ہیں ۔ جو قوت کہ معدہ میں کھانا ہضم کرتی ہے گویا باورچی ہے ۔ اور جو قوت کہ خالص کھانے کو جگر میں اور بھوک کو انتڑیوں میں پہنچاتی ہے گویا کاندھی ہے ۔ اور جو قوت کہ کھانے کو جگر میں خون کے رنگ پر کردیتی ہے گویا رنگریز ہے ۔ اور جو قوت کہ خون کو عورت کی چھاتیوں میں سفید دودھ اور مرد کے خصیوں میں منی کو سفید کردیتی ہے گویا دھوبی ہے ۔ اور جو قوت کہ غذا کو ہر ہر عضو میں کھینچکر پہنچاتی ہے گویا بندھانی ہے اور جو قوت کہ پانی کو جگر سے کھینچکر گردے میں مثانہ میں بہا دیتی ہے گویا سقا ہے ۔ اور جو قوت بھوک کو پیٹ سے باہر گرا دیتی ہے گویا حلال خور ہے اور جو قوت سودا اور صفرا کو اندر اسواسطے پیدا کردیتی ہے کہ بدن سیاہ اور خراب ہو گویا مفسد جعلساز ہے ۔ اور جو قوت صفرا وغیرہ بیماریوں کو دور کرتی ہے گویا منصف رئیس ہے پھر دیکھو اور غور کرو ۔ بدن انسانی ایک مملکت کی مثال ہے جس میں روح بدن کا عربی اور بادشاہ ہے عقل وزیر ۔ اخلاق فاضلہ شریف جنٹلمین ملکات رویہ ۔ لچے ۔ شہدے ۔ اعضائے ظاہری جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ اسکے لشکر حواس ۔ ہرکارے خواہش ۔ شہر کی عامل ۔ غصہ کوتوال ۔ بادشاہ عادل کو مملکت کے واسطے ان سب کی ضرورت ہے ۔ لیکن خواہش جو گویا عامل ہے جھوٹی اور زیادتی کرنے والی ہے ۔ وزیر عقل جو کہتا ہے اس کے برخلاف ہی کرنا چاہتی ہے کہ سلطنت میں جتنا مال ہے ۔ سب خراج کے بہانے لے لے اور غصہ جو کوتوال ہے ۔ سخت تند خو اور طرار ہے ۔ کٹے مار ڈالنا ۔ اور زخمی کرنا ہی اچھا معلوم ہوتا ہے ۔ جس طرح اور بادشاہ سب باتوں میں اپنے وزیر سے مشورہ کرتا ہے اور جھوٹے لالچی عامل کا کان مروڑے رکھتا ہے ۔ وزیر کے برخلاف اسکا کہا نہیں مانتا ۔ کوتوال کو لپیٹے رکھتا ہے اُسے زیادتی کرنے سے روکے رکھے اور کوتوال کو بھی ویسا ہی رکھتا ہے کہ قدم حد سے نہ بڑھائے

ورنہ انتظام ملک میں خلل واقع ہو - اسی طرح سلطان دل بھی اگر وزیر عقل سے مشورہ کرکے کام کرے - اور عامل کوتوال (حواس اور غصہ) کو مطیع کرے - اور وزیر عقل کا محکوم بنائے - اور عقل کو اسکا تابع نہ بنائے - تو بدن کی سلطنت کا انتظام درست رہتا ہے اور انسان اپنی سعادت کی راہ چلکر بارگاہ الوہیت میں جلدی اور بے روک ٹوک پہنچ جاتا ہے - اور اگر عقل کو غصہ اور خواہش کے زیر کرلیا - تو ملک بدن خاک سیاہ ہو جاتا ہے - بادشاہ بدبخت اور ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جاتا ہے -

پھر انسان کے شرف وکمال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ زمین میں خلیفہ اللہ ہے - یعنے خدا تعالیٰ کا نائب اُس کی صفات کا مظہر - اور ظل ربوبیت جس میں صفات الٰہی جلوہ گر ہیں - غرضکہ انسان میں اس قدر کمالات و خواص پائے جاتے ہیں اور وہ اس قدر اعلیٰ طاقتیں اور قوتیں - خصلتیں اور خصوصیتیں اپنے اندر رکھتا ہے کہ اگر ایک انسان قوائے سبعیہ وبہیمیہ کا تابع ہوکر حیوانوں کی طرح خورد و نوش اور حظوظ نفسانی میں عمر بسر کرکے ثمہ رددنہ اسفل سافلین کا مصداق نہ بنجائے تو تمام عالم کے متفرق کمالات وصفات پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہو سکتا ہے اور عالم ناسوت سے نکل کر جبروت - ملکوت - لاھوت تک پہنچ سکتا ہے - اور غیر متناہی ترقیات اور مدارج کے سراج پر چڑھ سکتا ہے +

انسان کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا؟

اگر اللہ تعالیٰ کے کام معلل بہ اغراض نہیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی کام میں کوئی ذاتی غرض ملحوظ نہیں - کیونکہ ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ غرض مند اور صاحب احتیاج ٹھیرتا - لیکن اسکا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ - حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا - اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بار بار فرماتا ہے وما خلقنا السموات والارض باطلا ذالک ظن الذین کفروا ہم نے آسمان و زمین کو لغو اور فضول نہیں بنایا - جیسے کوئی اور مصلحت مرعی نہ رکھی گئی ہو بلکہ کارخانہ الٰہی گونا گون حکمتوں اور بوقلمون قدرتوں پر شامل ہے

یہ خیال کہ آفرینش عالم میں کوئی حکمت مد نظر نہیں رکھی گئی اور محض وہمی اور فضولیات کا مجموعہ ہے۔ صرف انہیں لوگوں کا خیال ہو سکتا ہے جو خدا اور اسکی صفات کاملہ سے بالکل منکر ہیں۔ خدا شناس اور گیانی آدمی جب زمین و آسمان میں نظر کریگا بے اختیار ہی پکار اٹھیگا ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار۔ خدایا تو نے جو کچھ بنایا ہے فضول اور لغو نہیں بنایا تیری ذات لغویات سے پاک ہے پس ہمکو ایسے خیالات سے بچا جو تیری معرفت کے خلاف ہوں اور عذاب جہنم کے مستحق بنائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ سورہ مومنون میں ارشاد فرماتا ہے افحسبتم انما خلقنکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون فتعالی اللہ الملک الحق لا الہ الا ھو رب العرش الکریم ومن یدع مع اللہ الہا اخر لا برھان لہ بہ فانما حسابہ عند ربہ انہ لا یفلح الکفرون وقل رب اغفر وارحم و انت خیر الراحمین۔ کیا تم نے خیال کر رکھا ہے کہ ہمنے تمکو فضول اور لغو بنایا ہے۔ اور تمہاری آفرینش سے کوئی حکمت اور مصلحت متعلق نہیں اور نہ تم ہماری طرف واپس آؤگے۔ اللہ جو سچا اور برحق بادشاہ ہے اسکی ذات لغویات اور فضولیات سے بہت بلند ہے اسکے سوائے کوئی معبود نہیں ہے بزرگ عرش سلطنت کا وہی مالک ہے۔ اور جو کوئی ایسے عالی قدر خدا کو چھوڑ کر ماسوی اللہ کوئی معبود ٹھیرائے جس کی معبودیت پر اسکے لئے کوئی دلیل ہے ہی نہیں تو حساب اس کے رب کے یہاں ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا کی حکمتوں اور قدرتوں کے انکار کرنے والوں کا کبھی انجام بخیر نہیں ہوتا۔ اور اے نبیؐ تو کہدے بار خدایا تو مجھے اپنی مغفرت اور رحمت کے سایہ تلے لے آ۔ اور ایسے خیالات باطلانہ سے بچا تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

پس بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لغو اور فضول نہیں بنایا۔ بلکہ اسکی پیدایش اور خلقت کے متعلق ضرور کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت رکھی ہے۔ وہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اور میں نے جن اور انسان کو نہیں بنایا مگر صرف

اسلیئے کہ میری عبادت کریں۔ تمام اعضاء اور قوتیں روحانی اور جسمانی کو میری مرضی کے موافق لگا دیں۔ مجھے معبود حقیقی سمجھیں۔ میری عظمت کے قائل ہوں۔ میری قدرتوں اور صنعتوں پر غور کریں یتفکرون فی خلق السموات و الارض۔ زمین و آسمان کی خلقت میں فکر کریں۔ حقائق قدرت کو دریافت کریں اور خدا تعالیٰ کی باریک ترین حکمتوں کو معلوم کریں۔ صاف نکلا پڑیں۔ کہ ربنا ما خلقت ھذا باطلا خداوندا تونے یہ سب کچھ فضول اور لغو نہیں بنایا۔ بلکہ آفرینش عالم میں کمال و بدکی حکمتیں اور صنعتیں ملحوظ رکھی ہیں جنکی تھاہ نہیں پائی جاتی۔ اور اس طرح انکی معرفت تازہ ہوکر بے اختیار انکے منہ سے نکلتا ہے۔ کہ سبحان اللہ تیری قدرتوں اور حکمتوں کا کوئی حساب نہیں۔ تونے ہر ایک بات میں گوناگون حکمتیں اور بوقلمون فوائد ملحوظ و مرعی رکھی ہیں یوں مصنوعات سے صانع کی طرف مخلوقات سے خالق کی طرف پرحکمت اشیاء سے حکیم حقیقی کی طرف لے یجاتے اور دل و جان سے اس کی حمد و ثنا کے گیت گاتے اور ہر وقت اس کے ذکر سے رطب اللسان رہتے ہیں۔ یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم۔ اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور ربنا ربنا پکارتے ہیں۔ رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔ اُن اللہ کے بندوں کو نہ تجارت نہ بیوپار نہ بیع اللہ کی یاد سے روک سکتی ہے۔ والذین امنوا تطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ خدا کو اُن کا پورا یقین ہوتا ہے اُن کے دل یاد الٰہی میں تسلی یافتہ ہوتے ہیں۔ عظمت۔ شان الٰہی کو دیکھ کر اُن کے دل متاثر ہو جاتے ہیں۔ اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم۔ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے اور اسی کا دم بھرتے ہیں۔ جسکی یہ نادر حکمتیں اور گوناگون قدرتیں ہیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کہ اسکی رحمتوں کا مزا چکھے۔ اس کے حکموں کو بجا لائے۔ سچے دل سے اسکی عبادت کرے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو اعضا اور قوتیں عطا فرمائے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کرے ہر ایک عضو اور قوت کو فطرت کے موافق کام میں لائے۔ اور خدا تعالیٰ سے اجر غیر ممنون حاصل کرے۔ اور ابدی وصال اور رضوان الٰہی سے بہرہ ور ہو ؎

فرائض انسانی

امانت الٰہی یا فطرت اللہ

آسمان بارِ امانت نتوانست کشید — قرعۂ ایں فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا۔ ہم نے امانت ذمہ داری کو آسمان و زمین و پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس بوجھ کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظلوم وجہول تھا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت عمدہ تمثیل کے پیرایہ میں انسان کو اسکی ڈیوٹی (یعنی فرائض) کی طرف متوجہ کیا ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے جس قسم کی فطرت انسان کی پیدا کی ہے اور جس قسم کی ذمہ داری اس سے مطلوب ہے اور کسی چیز سے نہیں۔ یہ استعداد نجوم میں نہیں تھی۔ قمر میں نہیں تھی۔ آفتاب میں نہیں تھی۔ زمین دریاؤں اور سمندروں میں نہیں تھی۔ لعل۔

---

[1] فرائض انسانی کو اللہ تعالیٰ امانت سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ امانت بھی وقت پر واپس دینے کے قابل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی میں جس قسم کی خاصیت رکھی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کے موافق دنیا میں ہر ایک کام سرانجام کر سکتا ہے۔ تمام قوائے جسمانی اور روحانی کو اطاعت الٰہی میں لگا سکتا ہے۔ اسے امانت سے تعبیر فرمایا۔ اور اس خاصیت سے انسان کا کام بینا اور برطبق ارشاد الٰہی اسے استعمال کرنا امانت کا ادا کرنا ہے۔ انسان کے وہ تمام قوتے اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور جمیع قوائے جسمانی اور روحانی جو اللہ نے عطا فرما رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ان الله یامرکم ان تردو الامانات الی اهلها کے موافق ان کو استعمال کرنا اور اپنے اعضا اور قوتے کو مرضی الٰہی کے تابع کر کے رضا الٰہی میں فنا ہو جانا اس امانت کا واپس کرنا ہے۔

[2] ظلوم یعنے نفس پر سختی کر سکنے والا۔ جہول یعنے خدا کی راہ میں تکلیفا کو بھول جانے والا۔

یاقوت - الماس - اور پہاڑوں میں نہیں تھی - فرشتوں میں نہیں تھی -
غرض وہ کسی چیز ارضی وسماوی میں نہ تھی صرف انسان میں تھی - سو اسی پر
اللہ تعالیٰ نے یہ بوجھ لادا - یہی امانت جو خلافت سے مراد ہے اس کے
سپرد کی - تاکہ وہ پورے طور پر اسکی حفاظت کا حق ادا کرے +

یہ امانت کا بوجھ انسان پر ہی ڈالا گیا - اس نے اپنے سر پر اس بار
امانت کو اٹھا لیا ہے - یہ وہ بار ہے جس کا بجز انسان کے کوئی متحمل
نہیں ہو سکتا +

انسان کو جو جسمانی اور روحانی طاقتیں اور حواس ظاہری و باطنی عطا
فرمائے گئے ہیں یہ سب امانت ہیں - اور زن و فرزند خویش و برادر جس قدر
بنی نوع انسان ہیں سب کا بار اسکے ذمے ڈالا گیا ہے - اور ہر ایک حق
اس پر لگایا گیا ہے +

آنکھ امانت - کان امانت - پاؤں امانت - جملہ اعضا امانت ہیں -
کہ ان کو یہ خدا کے حکم کے موافق انکے مناسب کام میں لگائے - بیہودہ
اور لغو باتوں میں فدا لگا اور خائن کہہ کر یا منکرات میں انکو مصروف کیا
اور مجرم ہوا - برخلاف دیگر حیوانات کے کہ وہ اس سے بالکل آزاد ہیں اور
کوئی بار امانت انکے ذمے نہیں ہے +

آسمان - زمین - خاک - باد - آب - آتش - سورج - چاند وغیرہ میں سے
کوئی بھی ایسا شکنجے میں جکڑا ہوا نہیں ہے - جیسا کہ انسان ہے پیٹ
کے فکر کے سوا لاکھوں طرح کے تفکرات اسکی جان کو لگے ہوئے ہیں -
مخلوقات میں انسان کی ایک خاص حالت ہے - اسکو عقل وتمیز دی گئی
ہے - اور اسکی طبیعت میں مختلف تقاضے ہیں اور اپنے اقوال و
افعال میں وہ پورا آزاد ہے - اور اس آزادی ہی کا باعث ہے جو زمانہ
بھر کے جھگڑے دنیا کے بکھیڑے اسکے پیچھے لگ رہے ہیں - اور
دنیا میں اکیلا زندگی بسر نہیں کر سکتا - بلکہ وہ مدنی الطبع ہے - ناچار اسکو
ابنائے جنس میں رہنا پڑتا ہے اور وہ بھی اسکی سی طبیعتیں رکھتے ہیں
اور خواہی نخواہی لوگوں کے اغراض و معاملات میں کشمکش واقع ہوتی
ہے - جس کثرت سے انسان کے تعلقات ہیں اسی کثرت سے اسکی

ذمہ داریاں بھی ہیں۔ یہ حقوق ہیں خدا کے۔ والدین کے۔ رشتہ داروں کے۔ اولاد کے۔ بی بی کے۔ ہمسائے کے۔ قوم کے۔ عالم وقت کے۔ اہل معاملہ کے۔ اور اگر ان تمام حقوق پر نظر کی جائے۔ موقع میں انسان پر ذمہ داری کا بڑا بھاری بوجھ ہے۔ جو اور کسی ارضی یا سماوی چیز پر نہیں ہے۔ درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو۔ ورنہ طاعت کے لئے کچھ نہ تھے کرّوبیاں ٭

اور چونکہ ان تمام ذمہ داریوں کے مقابلہ میں عقل ونیکی ہے جو اُسے بتاتی ہے۔ کہ دنیا میں اُسے کس طرح رہنا چاہئے اور ہر ایک کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور اسکو نیکی و بدی دونو کے کرنیکی قدرت اور تمیز ہے اور نور عقل کو زیادہ روشن کرنیکے لئے خدا نے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجے ہیں اور کتابیں نازل فرمائیں اسلئے جہاں اسپر ذمہ داری کا بڑا بوجھ ڈالا گیا وہیں اسکے ہلکا کرنے اور سمجھانے کے لئے عقل و الہام عطا فرمایا گیا ٭

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی روح عطا فرمائی ہے جو ابد الآباد تک رہیگی۔ اور اس دنیا میں جیسے نقش اعمال اسپر مرقسم کیا جائیگا۔ ہمیشہ قائم رہیگا۔ انسانی مختلف تعلقات اور باہمی کشمکش کی وجہ سے ہی خدا کی طرف سے تغافل ہوتا ہے گناہ کی اصل ہے۔ ان گناہوں کا ارواح پر پڑتا ہے۔ جس سے روح کی وہ ہستی جو بعد مرگ ہونے والی ہے بنتی یا بگڑتی ہے۔ انسان کے سوا جتنی مخلوقات ہے انکی ایک خاص حالت ہے۔ انکی طبیعتوں میں مختلف تقاضے نہیں۔ اور نہ فاعل مختار ہیں اور اسی وجہ سے ان پر کسی طرح کی ذمہ داری نہیں بخلاف انسان کے جسکی فطرت سب سے ممتاز اور سب سے زیادہ ذمہ دار ہے ٭

انسان کی روحانی زندگی کو دونو جانب سے تعلق ہے جانب اعلیٰ اپنے خالق سے اور جانب ادنیٰ اپنے ہم جنس مخلوق سے۔

مخلوق سے اُس کے تعلق کا یہ اثر ہے یا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے ہم جنسوں سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔ وا ... حقوق ادا کرے ٭

خالق سے کیسے تعلق کا یہ اثر ہے یا ہونا چاہیے کہ وہ اسکی فرمانبرداری اور شکرگذاری میں لگا رہے اور اسکی مرضیات کا طالب و شائق رہے ۔

اس امر کو آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں اسطرح بیان کیا ہے کہ انسان کا حقیقی فرض الطاعۃ لامر اللہ والشفقۃ علی عباد اللہ یعنی خدا کی اطاعت اور اسکے بندوں سے حسن سلوک ۔

آیہ انا عرضنا الامانۃ علی السموات الخ ۔ میں انسان کے اس فرض منصبی اور ذاتی ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اپنے بنی نوع اور خدا سب کے حقوق ادا کرے ۔

انسان اگر اپنی روحانی اور عقلی طاقتوں سے کام لے اور اسکے حکموں کے لئے سر تسلیم جھکا دے ۔ اپنے تئیں بطور قربانی کے اسکے حکموں کے آگے ڈالدے تو ملائکۃ اللہ سے بڑھ جاتا ہے ۔ اور دائمی اجر انعام کا مستحق ہو جاتا ہے ۔

اگر وہ ان خدا داد طاقتوں سے کام نہ لے حقوق عباد اور حقوق الٰہی ادا نہ کرے تو وہ سب حیوانات سے نچلے درجہ میں گر جاتا ہے ۔ (ثم رددنٰہ اسفل سافلین) اور بدترین حیوانات سے بدتر ہو جاتا ہے ۔ اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون ۔

اگر قانون قدرت کے صفحات پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت بمقابلہ نباتات وحیوانات کے امانت برداری اور ذمہ داری کے خاص طور پر لائق ہے ۔

نباتات واشجار وغیرہ کو حکیم علی الاطلاق نے حیوانی افعال وارادیات عطا نہیں فرمائے ۔ تو انکے وجود بقائے شخصی ونوعی کے لئے ایسے اسباب پیدا کر دئے ہیں جنمیں انکے ارادے وافعال کا دخل نہیں ہے ۔ کوئی تخم ریزی کرے کوئی بیت یا پودا لگائے ۔

مکھیاں وغیرہ نر کا پھل مادہ تک پہنچائیں اور ان پھلوں کے جفت جفت سے ثمر پھل نکلے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن کل شیئ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (یعنے ہر چیز میں جنمیں توالد وتناسل کا طریقہ جاری ہے جوڑ نر مادہ پیدا کئے تاکہ تم نصیحت پکڑو ۔ انکی غذا مٹی اور پانی اور ہوا ۔ رسل اور رسائل کے ذریعہ نیچے سے سر تک پہنچے ۔ تو انکو وجود حاصل

اور انکے تحفظ اور مفرع کا قیام ہو۔

حیوانات چرند و پرند وغیرہ میں افعال و حرکات آزادی اللہ تعالٰی نے ودیعت رکھے ہیں تو انکو حفظ شخصی کے لئے یہ الہام طبعی ہوتا ہے کہ چل پھر کر اپنی غذا اور دیگر ضروریات زندگی تلاش کریں وہ اس الہام پر عمل کرتے ہیں اور چل پھر کر اپنا رزق اور دیگر ضروریات زندگی تلاش کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا ومن دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم وکاین من دابۃ لا تحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم ٭

انکے بدن کے بال اور پر گرمی کے موسم میں باہر کی گرمی کو اندر نہیں جانے دیتے۔ اور سردی کے موسم میں اندر کی گرمی کو باہر نہیں نکلنے دیتے اور اسطرح گرمی اور سردی کے موسم میں ان کا بچاؤ رہتا ہے۔ انکے سوا عند الضرورت درختوں کے سایہ یا دیواروں کے سایہ یا دھوپ وغیرہ میں گرمی و سردی کا اثر منع کر لیتے ہیں۔

پھر ان جانوروں کی پشم اور بالوں اور کھالوں سے انسان کا بھی بہت کچھ کام چلتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے قرآن شریف میں انسان پر اس احسان کا اظہار فرمایا ہے۔ والانعام خلقھا لکم فیھا دفء ومنافع ومنھا تاکلون واللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا وجعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونھا یوم ظعنکم ویوم اقامتکم ومن اصوافھا واوبارھا واشعارھا اثاثا ومتاعا الی حین

اور بقائے نوعی کے لئے انکو یہ طبعی الہام ہوتا ہے۔ کہ رغبت و ارادہ سے نر مادہ کی طرف متوجہ اس سے جفت ہو اور اس میں وہ افعال انسانی کی طبعًا پیروی کریں۔

پھر اللہ تعالٰی کی قدرت کی طرف غور کرو۔ جن جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی چلنے پھرنے لگتے ہیں انکو بچوں کے بنانے کی جگہ تلاش و مخصوص کرنیکا حکم نہیں ہوتا اور جن کے بچے ایک عرصہ کے بعد اپنا آپ سنبھال سکیں انکو یہ طبعی الہام ہوتا ہے کہ وہ درختوں یا دیواروں یا زمین میں گھونسلے یا چھتے یا بل بنا دیں جسکا ذکر بطور تمثیل اللہ تعالٰی نے سورہ نحل میں فرمایا ہے۔ و اوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون

شیر دار حیوانات کو یہ القا ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ اور انکے علاوہ انسانوں کو بھی (جو انکو گھاس دانہ دیتے ہیں) انکی غور و پرداخت کے بدلے میں دودھ دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہم من بین فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربین۔

اور جو جانور دودھ نہیں رکھتے اُن کو یہ الہام کر رکھا ہے کہ وہ اپنے مُنہ میں دانہ رکھکر اسکو نیم ہضم کر کے بچوں کے مُنہ میں رکھ دیں +

حیوانات میں ان طبعی افعال کے سوا اور احکام کلیۂ ضوابط عقلیہ کا مادہ عطا نہیں ہوا تو انکو حفظ شخصی و بقائے نوعی کے لئے بجز ان طبعی امور کے کسی عقلی امر اور کلّی ضوابط کا الہام نہیں ہوا غرضکہ عقل حیوانی بالکل محدود بنائی گئی۔ جو صرف بقائے نوع و حفظ شخصی میں کام آسکتی ہے۔

اب ہم فطرت انسانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اسکو نباتات اور حیوانات کی مذکورہ صفات کا جامع اور مجموعہ پاتے ہیں اور اسمیں کئی صفات و ملکات ایسے پاتے ہیں جسکا حیوانات و نباتات میں نشان تک نہیں ہے اسکے مجموعی صفات پر نظر کر کے ہم یہ سوچتے ہیں کہ منجملہ ان مجموعی صفات کے جو انسان میں پائی جاتی ہیں۔ کونسی صفات ہیں جو انسانیت کا مناط و مدار ہیں اور انکے سبب سے انسان۔ انسان کہلانیکا مستحق ہے۔ اگر ہم یہ خیال کریں۔ کہ وہ صفت اسکا طول قامت و عظم جسامت و ضخامت ہے تو ہمکو خیال آتا ہے کہ یہ صفات انسان کی نسبت درختوں۔ پہاڑوں اور دیگر حیوانات میں بہت بڑھکر ہیں اگر یہ مدار و مناط انسانیت ہیں تو پہاڑ درخت وغیرہ بطریق اولیٰ انسانی لقب کے مستحق ہیں +

اور اگر یہ خیال کیا جائے۔ کہ صرف انسان کے خال و خط کی خوش رنگی اور اعلیٰ درجہ کی صفت کی بناوٹ باعث امتیاز ہے تو یہ صفت انسان کی صفت کی نسبت پھولوں۔ پتوں میں بڑھکر موجود ہے۔ پس یہ چیزیں کیوں نہ انسان کہلائیں۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے۔ کہ وہ صفات انسان کا کھانا پینا غضب شہوت وغیرہ ہیں تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ اوصاف انسان سے بدرجہا بڑھکر انکی۔ گھوڑے۔ گدھے۔ شیر۔ بھیڑیئے خنزیر اور تیندوے

میں پائی جاتی ہے۔ پس اگر انسانیت شہوت سے عبارت ہے تو بندر
انسان سے کامل ہے جو اس صفت میں سب سے بڑھکر ہے۔ اسکے
بعد خنزیر وغیرہ سانڈ جانور اور اگر پھاڑ کھانا یا مار ڈالنا انسانیت کا کام ہے
تو شیر بھیڑیا انسان کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اگر بہت کھانا انسانیت
ہے تو ہاتھی سب سے زیادہ اس نام کا مستحق ہے +
اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ ابنائے جنس و ازدواج و اولاد وغیرہ سے
الفت و محبت کرنا انسانیت ہے تو ظاہر ہے کہ عام حیوانات درندوں تک
اپنی ہمجنس اور بیوی اور بچوں سے فطرتاً الفت اور پیار رکھتے ہیں۔ گدھا
گدھی کو پیار کرتا ہے۔ کتا کتیا کو۔ گائے اپنے بچوں کو چومتی چاٹتی ہے۔
شیر مادہ اپنے بچوں کو دودھ دیتی ہے یہ اوصاف انسانیت ہے تو وہ حیوانات
زیادہ تر انسان کہلانیکے مستحق بنتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب انسانیت سے کوسوں
دور ہیں اور سب اوصاف سے بڑھکر ہم صفات انسان میں ویسے بھی پاتے
ہیں۔ جو بظاہر نظر حیوانات و جمادات میں پائے نہیں جاتے۔ جیسے عجیب عجیب
صنعتیں بنانا بہادری دکھانا وغیرہ +
عام لوگ جنکی نظر صرف پر ہوتی ہے یعلمون ظاهرا من الحیوة الدنیا
وهم عن الاخرة غافلون۔ اور ان کا مبلغ علم اور مقصد اعظم صرف یہی
عالم ہوتا ہے۔ وذالك مبلغهم من العلم۔ انہی اوصاف کو مناط انسانیت
سمجھتے ہیں۔ اسیواسطے جمہور خلائق انہی صفات وصنعات کی شغل و محافظت
میں شب و روز سرگرم ہیں۔ اور جنمیں یہ صفت ہیں وہ انسان کامل اور
مہذب تہذیب یافتہ خیال کئے جاتے ہیں۔ مگر خیال کیا جائے تو یہ صفات بھی
مدار و مناط انسانیت نہیں کیونکہ ان اوصاف کا اثر اصل اصول بھی دیگر
حیوانات میں پایا جاتا ہے مثلاً بہادری کا اصل اصول غصہ کرنا اور طالب تسلط
ہونا۔ سختی اور مصیبت میں ثابت قدم رہنا بہتر ہے۔ حیوانات میں پایا جاتا ہے
ایسا ہی عجائب صنعات بھی بعض حیوانات سے سرزد ہوتی ہیں۔
دیکھو بیا کیسا گھر بناتا ہے جسمیں عقل دنگ ہوتی ہے۔ شہد کی مکھی بلا
پرکار و صناعی آلات کے ایسا مسدس چھت بناتی ہے جو عقل سے
بدون آلات تیار ہونا محال ہے۔ اسکے سوا اور جیسیوں نظائر ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ صرف صنائع وغیرہ اوصاف انسانیت کا مدار نہیں ہو سکتے - بلکہ انسانیت کا مدار اور ہی صفات ہیں جنکا سب مرجع و مآل دو خاصیتیں ہیں -

ایک قوت عقلیہ جو ادراک کلیات سے عبارت ہے - اور اسکی نظر سے انسان کو ناطق یعنے مدرک کلیات کہا جاتا ہے - اس قوت کی دو شاخیں ہیں ایک وہ جسکو نظام بشری اور دنیاوی سے تعلق ہے اور انہی کے متعلق اس نظام بشری و دنیاوی کیلئے قواعد و ضوابط استنباط کرنا اس کا کام ہے - اس شاخ کی نظر سے انسان کے لئے تمدن اور قانون تمدن کی ضرورت ثابت ہوتی ہے دوسری شاخ وہ جسکو غیب الغیب سے تعلق ہے اور مورد علوم و ضوابط دینی و کاشف امور روحانی ہونا اس کا فعل و اثر ہے - اس شاخ کی نظر سے انسان کے لئے نبوت اور وجود انبیا کی ضرورت ثابت ہوتی ہے - جو غیب الغیب سے اسکا تعلق ہے

دوسری قوت عملیہ ہے اسکی بھی دو شاخیں ہیں ایک اعمال کو بطریق ارادہ و اختیار وجود میں لانا جس عمل انسان کو بہائم و حیوانات کے افعال سے تمیز ہوتی ہے - (یہ قوت عملیہ ہر ایک انسان میں موجود و تحقیق ہے) ہر چند حیوانات و بہائم بھی عمدہ عمدہ افعال و صناعات ظہور میں لاتے ہیں مگر وہ جو کچھ کرتے ہیں طبعاً و اضطراراً کرتے ہیں - ارادتاً اختیاراً نہیں کرتے اسپر یہ دلیل ہے کہ انسان جو فعل کرتا ہے اسکا اثر و رنگ اسکے دل میں پیدا ہوتا ہے - بخلاف حیوانات و بہائم کے کہ وہاں اثر و رنگ پیدا نہیں ہوتا -

انسان جس کام کو اچھا سمجھکر کرتا ہے اس سے اسکے دل پر فرحت و لوازانیت و سرور پیدا ہوتا ہے اور جس کام کو وہ برا سمجھکر عمل میں لاتا ہے اس سے اسکے دل پر ظلمت و کدورت پیدا ہوتی ہے - اور یہ امر حیوانات و بہائم سے مشاہدہ میں نہیں آتا - ان سے جو کچھ ہوتا ہے طبعاً ہوتا ہے نہ ان کو اپنے اچھے کام کی بہتری کا علم و خیال ہوتا ہے نہ اسکا اثر ان کے دل پر نور و سرور ظاہر کرتا ہے اور نہ برے کام کی برائی کا انکو علم ہوتا ہے اور نہ اس برائی کا اثر ظلمت و کدورت انکے دل پر ظاہر ہوتی ہے

دوسری شاخ قوت عملیہ کی روحانی حالات اور عالی مقامات ہیں جیسے اپنے پروردگار سے انس و محبت رکھنا اس پر بھروسا کرنا۔ روحانی اخلاق کی علامت یہ شاخ قوت عملیہ کامل اور ان افراد میں پائی جاتی ہے جو روحانیت میں کامل اور صاحب کشف و الہام ہوتے ہیں۔

ان دونو صفات خاصہ اور انکی شاخوں کا صرف انسان میں پایا جانا اور باقی حیوانات کا ان سے محروم ہونا مشاہدہ و تجربہ سے ثابت ہے اور سوائے ان لوگوں کے کہ آیت اولئک کالانعام بل ھم یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام ان کے موافق حال ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

پہلی دو شاخوں کے وجود پر انسان کا تمدن و طرز معاشرت شاہد حال ہے۔ ہم صاف مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان اگرچہ کھانے پینے معاشرت کرنے سردی کے وقت دھوپ میں بیٹھنے آگ تاپنے اور گرمی کے وقت سایہ میں بیٹھنے وغیرہ طبعی کاموں میں اور حیوانات کے ساتھ مشارکت رکھتا ہے مگر وہ ان سب باتوں میں تین طرح سے صریحاً امتیاز رکھتا ہے۔

اول یہ کہ ان کاموں کے لئے اسکے دل میں باعث محرک ایک کلی رائے پیدا ہوتی ہے جو ان کاموں کا نشیب و فراز و انجام و آغاز اسکو بتا دیتی ہے۔ اس طرح کی کلی رائے حیوانات کے افعال طبعی میں پائی نہیں جاتی انکو صرف طبعی جذبات ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ انسان اپنے کام میں حسن تہذیب اور شائستگی مدنظر رکھتا ہے۔ لباس عمدہ سے عمدہ چاہتا ہے۔ مکان بہتر سے بہتر بناتا ہے۔ عورت حسین تلاش کرتا ہے علی ہذالقیاس یہ بات دیگر حیوانات میں پائی نہیں جاتی۔ انکو صرف دفع ضرورت و قضا حاجت طبعاً مطلوب ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ ضوابط و قواعد حسن معاشرت کو دوسرے بنی نوع سے اخذ کرتا ہے۔ اور نوع انسان میں افادہ و استفادہ و تعلیم برابر جاری ہے اور ہر بات میں ترقی اور تہذیب کا سرمایہ جمع ہو جاتا ہے۔

اسمیں قوت عقلی و عملی کی دوسری دونو شاخیں جو عالم غیب اور روحانیت سے متعلق ہیں وہ بھی مشاہدہ حال انسان سے ثابت ہیں ہم صاف

مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض انسان ایسے علوم و قوانین بیان کرتے ہیں جن کو ظاہری نظام دنیاوی سے اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ کیسی ہی قوت فکری صرف کریں۔ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے خالق و مالک سے ایسا پیار رکھتے ہیں کہ جورو بیٹے اور روپیہ پیسہ بھی نہیں رکھتے۔ اور خدا پر ایسا بھروسا رکھتے ہیں کہ اپنی قوت بازو دست زور آور و اشیاء پر نہیں رکھتے ✦

انہی دو شاخوں کے اعلیٰ محل و موصوف حکما روحانی یعنے انبیاء علیہم السلام ہیں جن کا تعلق روحانی اور عالم غیب سے ہے اور کشف اور وحی و الہام سے انسان کے اعلیٰ معراج پر پہنچنے کا موجب ہیں۔

انسان کی قوت عقلیہ و عملیہ کی پہلی دو شاخیں اسکو مدنی الطبع ہونا ثابت کرتی ہے اور یہ مدنی الطبع ہونا اسکو کسی قانون تمدن کا تابع بناتا ہے۔ اور قانون کے لئے مقنن کی ضرورت ہے اسی سے یونان کے حکما و فلاسفر نے نبی اور نبوت کی ضرورت ثابت کی ہے۔ جو الہام الٰہی سے امور تمدن کو حاصل کرتے ہیں اور وہی تمام دنیا کی عقول پر حاوی اور سب کے لئے مکتفی ہو سکتا ہے اور نبی کی بات کو انسان دلی محبت سے مانتا ہے نہ جبر و اکراہ سے۔

دوسری دونو شاخوں سے انسان عالم غیب کے اسرار پر مطلع ہو سکتا ہے۔ اعلیٰ درجہ کی روحانی ترقی کر سکتا ابدی راحت کا مورد ہو سکتا ہے اور خدا کے ابدی وصال سے متلذذ ہو سکتا ہے۔ اور یہی بات انسان کی آفرینش کا موجب اور اسکی شرف و فضیلت کا باعث ہے ✦

دنیا میں جس قدر علوم پائے جاتے ہیں جیسے طب۔ طبیعات۔ ریاضی۔ الٰہیات وغیرہ سب الہامی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم پر القا کئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وعلم آدم الاسماء کلھا۔ اس کے بعد اس تعلیم کے شاگرد (عقل) نے بھی بہت کمی بیشی کرکے ترقی و تہذیب کو فلک الافلاک کی عظمت پر پہنچایا۔ اور ابھی نہیں معلوم کہ کہاں تک پہنچائے گی۔

انسانوں کے اصول و قوانین دنیاوی دو ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ جس قدر صحیح ہے وہ سب الہامی ہے۔ اور جو غلط ہے وہ انسانی۔

ان غلط اصول کی تنقیح کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً معلم اور

(حضرت آدمؑ) کے قائمقام بہت سے انبیا کو بھیجا تا کہ وہ دنیاوی اور روحانی اصول و قوانین کے اغلاط تصیحح کریں اور ٹھیک آسمانی تعلیم کو قائم رکھیں۔ یہانتک کہ سب سے آخر خاتم المرسلین صلعم کو بھی جنھوں نے سب اغلاط کی تصیحح کرکے ایسا قانون وتمدن و اخلاق (قرآن کریم) مکمل کرکے بھیجا کہ اسکے بعد اب کسی اور قانون وتعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

حضرت خاتم المرسلین کی بعثت کے بعد دنیا میں ایک دفعہ ایسا ترقی و تہذیب کا آفتاب جلوہ گر ہوا کہ دنیا نے آجتک اسکی نظیر دیکھی نہیں تھی۔ اسباب دنیا داری اور امورات روحانی میں اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی ہو رہی ہے اس تیرہ سو برس کے زمانہ اور پہلے زمانہ کا جو مقابلہ کیا جاتا ہے تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ اور یہ دنیا ایک نئی دنیا معلوم ہوتی ہے۔

بیشک اگلے زمانہ میں بڑے فلسفی اور بڑے ہیئت دان اور اعلیٰ درجہ کے حکما گذرے ہیں۔ لیکن وہ روشنی جسکا ظہور چھٹی صدی عیسوی کے بعد ہوا۔ عالم پر ڈال نہیں سکے۔ یہ حکمت۔ یہ علوم۔ یہ صنائع۔ یہ زندگی۔ یہ عیش و آسائش کے سامان کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔

یہ صدقہ اگر انصاف اور تحقیق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اسی عربی نبی کا ہے جس کا مذکور اور نبوت کا اعلان سارے ممالک پر پانچوں وقت بہ آواز بلند کیا جاتا ہے۔ اور وحدہٗ لاشریک کے بعد اگر دنیا ظاہر میں کوئی اعلیٰ درجہ ہے تو اسی سب سے اعلیٰ اور افضل نبی کے لئے مخصوص ہے۔ جس نے اپنے جلوے سے سارے جہان کو روشن اور نورانی کردیا۔

پہلے انبیاء اور مرسلین جو زمین پر جلوہ گر ہوگئے۔ وہ مثل ثوابت اور ستاروں کے تھے۔ اور وہ اسکے پیش بین اور پیش رو تھے۔ جو برابر علانیہ پیش بینی اور اسکی آمد کی پیش گوئی کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ نے مکہ میں اس کی بعثت کے لئے دعا کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا۔ کہ تمہارے بھائیوں میں تمہاری مثل ایک نبی آئے گا۔ اس کی سنیو۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے شجاع۔ حسین۔ فصیح۔ و بلیغ کہہ کر بشارت دی حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے چونکہ اس نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بہت

ہی قریب تھا اسلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کھول کھول کر سنایا کہ آسمانی
بادشاہت نزدیک ہے ۔ سارے جہان کو تسلی دینے والا ۔ حق کی روح
حقیقی فارقلیط آنے والا ہے ۔ اسکے ایک ہاتھ میں آتشی شریعت دوسرے
میں تلوار ہوگی ۔ بڑے بڑے عالیجاہ بادشاہ اس کے غاشیہ بردار ہوں گے
اسکی بادشاہت ابد الآباد ہوگی ۔

انبیاء کے حالات جن کو یہود و نصاریٰ ۔ اہل اسلام تسلیم کرتے ہیں اسبات کی
گواہ ہیں ۔ کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا ۔ جس کو علم و حکمت نہیں عطا کیا گیا ۔

اس علم اور حکمت ہی کا یہ ظہور ہے کہ دنیا پر اسقدر سامان زندگی نظر آرہا ہے
تابعین نے انبیاء کے نام سے اور مخالفین نے حکما کے لقب سے انکو پکارا
ان انبیاء نے اپنے نورانی جلوے سے نہ فقط دلوں کو روشن کیا ۔ بلکہ اپنے علم اور
حکمت سے کل لازمہ زندگی کا بہم پہنچایا ۔ جس سے یہ ترقی اور روشنی عالم میں پھیلی
ہوئی ہے ۔ سو دین کے ساتھ ہی علم حکمت عطا ہوا ۔ کسیکو ادویہ اولہ نباتات
اور جمادات کی ماہیت الہام ہوئی ۔ کسی کو صنعت و حرفت کی ۔ جس طرح سے دین
اور آئین سلطنت کا سلسلہ جاری کیا گیا ۔ اسی طرح علوم و فنون ان کے ذریعہ
سے دنیا میں جاری و ساری ہوئی ۔

حضرت آدم علیہ السلام کی ابتدائی طرز معیشت تو یہ تھی ۔ کہ کھانے کو پھل
پھول ۔ میوے ۔ پہننے کو درختوں کی چھال ۔ مکان کی جگہ نیلی آسمان کی چھت
بچھنے کو سطح زمین کا فرش ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیقی الہام سے مستفیض
فرمایا ۔ علم الاسماء والخواص ان کو عطا فرمایا ۔ تاریخ الحکماء میں علامہ سہروردی سے
منقول ہے کہ آدم علیہ السلام کو خط و کتابت کا علم عطا ہوا ۔ (علم بالقلم) اور انہوں نے
اکثر علوم میں کتابیں تصنیف کیں ۔ اور درس و تدریس کی آغاز کی ۔ اور اپنی اولاد
کو علوم و فنون کی تعلیم کی ۔

اور امام شمس الدین محمد اپنی کتاب نزہۃ القلوب تاریخ حکماء میں رقم
فرماتے ہیں کہ صنائع اور پیشوں کے اختراع اور ترتیب آلات اور اوزار اور ہتھیار
کی ایجاد کی توفیق اول حضرت آدم کو ہوئی ۔ اور انہوں نے اپنی اولاد کو تعلیم
دی ۔ اور سکھایا ۔ اور امام مذکور کا بیان ہے ۔ کہ میں نے بعض کتابیں حضرت
آدم کی تصنیفات سے دیکھی ہیں ۔ اور پڑھی ہیں ۔ اور کتب آسمانی میں ہے کہ

آدم کو فرشتہ خدائے پاک نے زراعت و حراثت اور وراس (گاہنا) اور طحن (پیسنا) اور نخل (آٹا چھاننا) تعلیم کیا۔ اور حضرت حوا کو عجن (آٹا گوندھنا) اور خمیر کرنا اور روٹی پکانا اور کاتنا اور کپڑا بننا سکھایا۔ اور تنور بھی اس عہد کی ایجاد ہے۔ اور اوزار زراعت کے لیئے لوہا بھی انہوں نے زمین سے نکالا۔

اور تاریخ روضۃ الصفا اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں مسطور ہے کہ حضرت آدم کے عہد میں ہندسہ اور حساب اور طب اور موسیقی اور طبیعات و الٰہیات وغیرہ بہارست۔ اور علم اسماء و خواص ان کو الہام کیئے گئے۔ اور کرتہ اور عمامہ ورتہ بند اور نعلین آدم کی ایجاد ہے۔ اور عصا بھی آپ کے عہد سے ہے۔

اور حضرت شیث ؑ نے اول مسائل شریعت و علوم حکمت کی تعلیم ابتدا میں شروع فرمائی۔ انکے صحائف علوم حکمت۔ ریاضی۔ الٰہیات۔ کیمسٹری سے پر تھے۔ اور انہوں نے رات دن کو گھنٹوں پر اس غرض سے تقسیم کیا۔ کہ ہر ساعت پر کیا کیا کام کیا جائے۔ اور کس وقت عبادت الٰہی کی جائے۔

اور قابیل نے شکار کی رسم اختراع کی۔ اور دفن کرنا کوے سے سیکھا۔ اور مزامیر اور باجے وضع کئے۔ اور شراب ایجاد کی۔

اور حضرت اخنوخ ؑ نے دنیا میں بادشاہت ایجاد کی۔ اور کیومرث نے ایران میں بادشاہت کا تاج پہنا۔ تاج۔ تخت۔ گھوڑے کا زین۔ لگام۔ اونی کپڑا اسی عہد کی ایجاد ہے۔

گھر بنانے اور عمارت قینان اور اسکے بیٹے مہلائیل کی ایجاد ہے بابل اور شہر سوس ابتدائی شہر ہیں۔ مہلائیل کے بیٹے نے قدرتی چشموں اور دریاؤں اور ندیوں سے فائدہ اٹھانے کی رسم ایجاد کی۔

علم نجوم۔ جوتش۔ رصد۔ حضرت ادریس ؑ کی ایجاد ہے۔ خط وکتابت میں خوشنویسی کے اصول اور صنعت خیاطت میں عمدہ تراش خراش ایجاد کی۔

دنیا میں سب سے پہلے زبان عربی تھی۔ اور عربی اسماء اور انکے خواص بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو سکھائے۔ عربی سے دنیا کی باقی تمام زبانیں مستخرج ہوئیں۔

عربی زبان کے تمام الفاظ اپنے ساتھ اپنی وجہ تسمیہ رکھتے ہیں جبکہ باقی

زبانوں کے تمام الفاظ کوڑھوں اور مبروص کی طرح اپنی اصلیت سے پہچانے نہیں جاتے۔ عربی سے عبرانی لی۔ اس سے ایرانی قدیم۔ ایرانی زبان سے ایرن زبانیں سنسکرت وغیرہ مستخرج ہوئیں۔

بت پرستی کا آغاز قابیل سے اور آتش پرستی کا اہل بابل سے ہوا۔ جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال دیا تھا۔

حضرت نوحؑ نے فن تجاری کو بڑی رونق دی۔ کشتی۔ جہاز۔ اور جہاز کے درجے انہیں کی ایجاد ہے۔ (دیکھو روضتہ الصفا بیان حضرت نوح عم)۔

چھپر اور خیمے ترک بن یافث بن نوحؑ کی اختراع ہے۔ اور چین میں یافث نے ریشمی کپڑے سے ریشم کے کپڑے بنانے اختراع کئے۔ چین کا ملک اسی شخص کی طرف منسوب ہے۔ چین میں ریشم کی قدامت اس امر کی ثبت ہے۔ فن مصوری۔ نقاشی۔ رنگ برنگ کے کپڑے یہ بھی چین میں یافث کی ایجاد ہے چین کے بیٹے ماچین نے کستوری دریافت کی۔ اور قسم قسم کی خوشبوئیں منوچہر اول شاہ ایران نے دریافت کیں۔ دیکھو تاریخ ملوک الارض۔

سنگ تراشی۔ سنگین ستونوں پر پتھر کی عمارت بنانا۔ حضرت ہودؑ کی قوم عاد کی ایجاد ہے۔ اور ایران میں اول نہر منوچہر نے کھدوائی۔

طہمورث کے زمانہ میں قسم قسم کے ہتھیار اختراع ہوئے۔ اور کنوئیں تیار ہوئے طہمورث نے فصیل ایجاد کی۔

آئینہ مصریوں نے ایجاد کیا۔ اور زرہ حضرت داؤدؑ کی ایجاد ہے۔ اور پن چکی کاری حضرت سلیمان عم کی۔

حضرت دانیال اور ارمیا کے عہد میں گاڑی کا رواج ہوا۔ اور ملک خطا کے مورخین کا بیان ہے کہ بادشاہ ہسوانگ تی نے چھکڑا۔ گاڑی۔ اور رتھ ملک خطا میں ایجاد کیا۔ غبارہ حضرت سلیمان عم کی ایجاد ہے۔

آریہ لوگ جو وسط ایشیا سے ہندوستان میں آئے ہیں اگر وید میں ان آلات کا اور استعمال معدنیات کا ذکر موجود ہے تو یہ باتیں وید سے بہت پہلے کی ایجادیں ہیں ورنہ وید میں کسی شئے کا ذکر بغیر موجود فی الخارج ہونے کے مہملات سے بڑھکر نہیں۔ وید والوں کی تمام لن ترانیاں بالکل بیجا ہیں۔ معتبر کتب تواریخ سے اظہر من الشمس ہے کہ یہ چیزیں کب کب سے ایجاد ہوئیں۔ درحالیکہ ہنود کی کسی تاریخ

کا کسی کو ذرا بھر اعتبار نہیں۔ اور وہ فسانہ اور کہانی سے ذرا بھی بڑھکر نہیں۔ چنانچہ تمام موفیں بالاتفاق ہندؤں کی تمام تواریخ کو پایۂ اعتبار سے ساقط جانتے ہیں
سب سے پہلا پل حضرت آدم ؑ نے سیلون پر بنایا ہے۔ جسکو اہل جغرافیہ آدم کا پل کہتے ہیں۔ مگر ہنود کا بیان ہے کہ وہ راجہ رامچندر جی کا پل ہے۔
سورج گرہن اور چاند گرہن کے اسباب کو سب سے پہلے حکیم تالینوس یونانی نے دریافت کیا۔ اور تالینوس حرکت زمین اور سکون آفتاب کا قائل تھا۔ اور تالینوس ۴۰۰۰ سال بعد ہبوط آدمؑ کے ہوا ہے۔
فن موسیقی کو علمی طور پر حکیم فیثاغورث نے مرتب کیا۔ اور علم ہندسہ میں سب سے پہلے ایلوینوس نجار نے رومی زبان میں ایک کتاب تحریر کی۔ اور آخرکار اقلیدس نے اس علم کو مدون کیا۔
تواریخ چین میں لکھا ہے۔ کہ چھاپہ قبل ۵۳۵ء بادشاہ اودوان ٹی کے عہد میں ایجاد ہوا۔
تاریخ ورڈھی سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ کاغذ اہل عرب نے اختراع کیا۔ اور ذو القرنین بادشاہ نے توپ اور بارود کو ایجاد کیا۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ اشیا ایجاد ہوتی گئیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو کتاب تاریخ طرز معاشرت ہند و انگلینڈ صفحہ ۴۰ تک۔
پہلی صنعتیں جو اگلوں کی یادگار ہیں۔ جیسے اہرام مصری۔ دیوار چین۔ مصر کی بھول بھلیاں۔ وغیرہ اب تک مبصرین کو حیرت میں ڈال رہی ہیں مشائن اور اشراقیین کے کمالات کس قدر تعجب انگیز اور حیرت خیز ہیں۔
یہ سب کرشمے انہیں انبیا اور مرسلین کی برکات کے نمونے ہیں۔ جو ہم کو نظر آ رہے ہیں۔
لیکن جو ترقی اور روشنی کہ اس تیرہ سو سال میں دنیا میں پھیلی۔ یہ بات کبھی دنیا کو نصیب نہ ہوئی۔ جیسا دریا کا دہانہ کھول دیا جاتا ہے۔ ایسا ہی حال اس تیرہ سو برس میں ہوا۔ کہ علوم اور رحمت الٰہی کے بحر ناپیدا کنار نے اپنا منبع کھول دیا۔ جس سے دنیا نہایت درجے کی ترقی پر پہنچے
خداوند کریم نے حضرت سلیمانؑ کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ جس سے لگن اور بڑی بڑی دیگیں اور بیل تک تانبے کے بنائے گئے۔ اور ہزاروں

امن تانبا ہیکل پر خرچ ہوا - اور سواری بھی انکے لئے وہ عطا فرمائی گئی جو
ریل سے زیادہ تیز اور حیرت انگیز تھی - اور دو ماہ کا سفر گھنٹوں میں طے
کرتی تھی - مگر وہ سواری خاص تھی نہ کہ عام - احدٰھا سھر و دواحنا
شھر و وسلنا عن القطر -

لیکن اس زمانہ میں ایک نہایت درجے کے سستی اور کار آمد دھات لوہا
کوئلہ کا دریا بہا دیا - جو تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے - جس سے لاکھوں
چیزیں قسم قسم کی بنکر عالم میں پھیل رہی ہیں - اور سواری وہ عنایت فرمائی
جس کے مقابل میں پہلی سواری کو کوئی نسبت ہی نہیں ہے - ادنیٰ سے
اعلیٰ - وضیع سے شریف تک اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے - رحمت الٰہی اسکا
نام ہے - کہ عام ہو - سو اس زمانہ میں وہ رحمت ہر جگہ اور ہر مقام میں موجود
ہے - امن ایسا کہ جس کی نظیر نہیں - گورنمنٹ انگلشید کا زمانہ امن و
رفاہ عام کے لئے ضرب المثل ہے - اسایش وہ کہ جس کا جواب نہیں
ہر ایک فریق آزاد اور ہر ایک قوم اپنے حال میں مست ہے -

وہ وہ ایجادیں اور صنعتیں دنیا میں پھیلیں - جو کبھی خواب و خیال میں
بھی نہیں آئی تھیں - قدرت نے یہ ذخیرہ اسی وقت کے لئے روز
ازل سے محفوظ رکھا تھا اور یہ رحمت اسی رسول عربی کی امت کے لئے
مخصوص کی گئی تھی - جس پر نبوت کو ختم کرنا منظور تھا - وہ وعدہ جو کیا
گیا تھا - کہ تیرے بھیجنے سے یہی مطلب ہے کہ دنیا کو رحمت سے
بھر دیا جائے - کیسا سچا اور پورا ہوا - اسی وجہ سے رحمۃ للعٰلمین کے
لقب سے وہ خاتم المرسلین پکارا جاتا ہے -

یہ قرار پا چکا ہے - کہ ہندوستان میں ترقی جس ہوئی ہے - اور علوم شائع
ہو رہے ہیں - یہ یوروپ کا پرتو ہے - لیکن دیکھنا چاہئے - کہ یوروپ میں
یہ شائستگی کہاں سے آئی - اور کس قوم کی بدولت یوروپ اس قدر
مہذب اور شائستہ ہوا - ورنہ یہی یوروپ ۵ - ۶ سو سال قبل نہایت ہی
تاریکی میں پڑا ہوا تھا - اور سب اقوام سے بدتر اسکی حالت تھی - سو
یوروپ کے وحشیوں اور جاہلوں کو یہ تہذیب اور شائستگی اہل عرب کی بدولت
حاصل ہوئی - جسکا سارے جہان کے مورخین کو اقرار ہے - اور اہل عرب کو

اس قدر ترقی و تہذیب کا ذوق شوق اسی امی نبیؐ عربی کی طفیل ہے جس کی پاک لبوں سے یہ نکلا تھا۔ کہ اطلبو العلم و لوکان بالصین تم علم کو تلاش کرو۔ خواہ چین میں ہو۔ اور کلمۃ الحکمت ضالۃ لمومن فھو احق بھا حیث وجدھا۔ حکمت کی بات مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ سو وہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔ جہاں اسے پائے۔

جب تک اہل یوروپ اپنی تقلید آبائی اور پابندی رسم سے دست بردار نہیں ہوئے اُس وقت تک اُن کو ترقی کا رتبہ نہیں ملا۔ اور وہی جہالت کی گھنگھور گھٹائیں ان پر چھائی ہوئی تھیں۔ یوروپ کی یہ ساری ترقی و شہرت اسی عربی آفتاب کا پرتو ہے۔ جس نے عالم کے روشن کرنے کو آسمان سے جلوہ ڈالا تھا اور جو سارے جہان کے لئے رحمت ہوکر آیا تھا جن لوگوں نے اس رحمت للعٰلمین کو قہر الٰہی کا نمونہ گمان کیا ہے۔ وہ قانون فطرت کو ملاحظہ فرمائیں۔

بے شک جب ۱۳ سال تک سرکش اور شریر اور مفسد بندوں نے اس سچے حلیم سلیم اور برگزیدہ نبیؐ کا کہنا نہیں مانا۔ اور اسکی جان کے بہاں تک دشمن ہوئے کہ جسکے باعث وہ اپنا وطن اور پیارا وطن چھوڑ کر جلا وطنی کے لئے مجبور ہوا اور پھر وہاں بھی اشرار مکہ نے اُسکو امن سے بیٹھنے نہ دیا بلکہ چپکے چپکے ایک لشکر جرار تیار کرکے مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع کردی۔ جس سے آنحضرتؐ اور آپ کے رفقاء کا بکلّی دنیا سے استیصال ہوجائے ایسی حالت میں کوئی اہل انصاف بتلائے کہ چارہ کار بجز کیا تھا۔ اور تلوار کا جواب بجز مرنے یا مارنے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔

ہزاروں آدمیوں بلکہ سارے عرب کے مقابلہ پر سو پچاس آدمی بھی کچھ حقیقت رکھتے تھے۔ اور سات تلوار اور تین اونٹ کی بھی کوئی مہم ہوتی ہے۔ اور کسی امید پر کی جا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ پر توکل کرکے ایسے خونخوار اور جری لشکر کے مقابلے کے لئے گنتی کے چند آدمی جن کے پاس سات تلواریں اور تین اونٹ تھے اپنے ہمراہ لے کر گھر سے باہر نکلا۔

یہ عین مقتضائے انسانیت و جوانمردی تھا۔ کہ وہ اسوقت میں

اپنی اور اپنے معتقدین کی حفاظت کے لئے بجز تلوار باندھنے کے اور کیا صورت تھی۔

جو لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اسلام کا منشا ہی یہ ہے۔ کہ تمام لوگ بزور شمشیر مسلمان کیا جائے۔ محض نا واقفیت کا سبب ہے۔ اسلام نے تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا۔ اور تلوار کے زور سے بیشک اپنے تئیں محفوظ کیا۔ مگر ایک متنفس کو بھی اسلام پر مجبور کرنے کا ہرگز منشا اسلام نہیں ہے۔ لا اکراہ فی الدین افانت تکرہ الناس حتیٰ یکونو مومنین۔ اور نہ کسی معتبر اسلامی تاریخ میں کوئی نظیر ایسی مل سکتی ہے۔ کہ صرف اسلام نہ لانے کے سبب کسی شخص کی گردن ماری گئی ہو۔ اگر ایسا منشاء اسلام کا ہوتا۔ تو اتنے عرصہ تک ہر ملک اور ہر قوم پر مسلمانوں کا غلبہ رہا۔ مخالف کا فرقہ کا ایک آدمی بھی دیکھنے کو نہ ملتا۔

جزیہ اور معاہدات صاف بتا رہے ہیں کہ شمشیر اسلامی امن قائم کرنے کیلئے ہے۔ جبراً مسلمان بنانے کے لئے نہیں۔ ورنہ بجز اسلام کسی شئے کو قبول نہ کیا جاتا۔ بے شک مسلمانوں نے مندر توڑے۔ گرجے گرائے ہزاروں لاکھوں مخالفین کو قتل کیا۔ ان کے زن و بچے غلام بنائے۔ لیکن یہ حال مخالفت کی حالت میں لڑائی کے وقت ہر ایک قوم کا ہوتا ہے۔ کسی قوم نے جنگ کے موقع پر پرہیز نہیں کی۔ اسلام پر کیا منحصر ہے۔ ملکی لڑائیاں جو روئے زمین پر ہوتی ہیں ان پر نظر ڈالو کہ ایک قوم نے دوسری قوم کے ساتھ کیا کیا۔

جنگ مہابھارت میں پانڈوں نے کوروں کا گلا کاٹ کر خون تک پیا اس خون کو پی کر یہ کہا۔ کہ ایسا میٹھا شربت عمر بھر نہیں پیا۔

چنگیز خاں جو بدھ مت کا پابند تھا۔ اس نے بالکل نسل انسان کو منقطع ہی کرنا چاہا تھا۔ سوائے قتل عام اور لوٹ مار کے اسے کوئی کام پسند نہ تھا۔

آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ انجیل ساری جہادات سے بھری ہے۔ دیکھو کتاب شمار ۲۱ باب ۷۔ استثنا ۲۰ باب ۱۰ وغیرہ جہاں جہادات کی ایسی ترغیب و تحریص ہے۔ کہ انسان انکو پڑھ کر تھرا اٹھتا ہے۔ اور باوجود زمانی

جنگ ہونے کے یہ سب لڑائیاں محض خدا کے حکم سے ہوئیں۔ جیسا کہ
آیت ۷ سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ یہوداہ نے موسیٰ ؑ کو فرمایا تھا۔ اور
بارنس صاحب اپنی تفسیر کی جلد سوم صفحہ ۲۲۷ میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ ؑ
تو ان جہادات میں کوئی دنیاوی لالچ یا شان و شوکت حاصل کرنے کا
طمع نہ تھا۔ بے شک وہ آسمانی مقتل کا امیدوار تھا۔ اور پھر صفحہ ۲۹۲
میں ہے کہ یہ طاقت اور بہادری جو کہ موسیٰ ؑ نے خدا کے دشمنوں
کے مقابلہ پر کی ظاہر کرتی ہے کہ وہ بہت پختہ ایماندار تھا۔ اور پولوس صاحب
نامہ عبرانی ۱۱ باب ۲۲ وغیرہ میں اُن انبیاء کی تعریف کرتے ہیں۔ جنہوں
نے خدا کے حکم سے فی سبیل اللہ جہادات کئے۔

اور وید میں تو اس قدر جنگ کی تاکید ہے۔ کچھ ٹھکانا ہی نہیں سارا
وید ہی حکم جنگ سے بھر رہا ہے۔ اور پھر ویدی لڑائیاں خدا کے لئے
بھی نہیں محض دشمنوں پر فتح حاصل کرنے اور ملک گیری کے لئے۔ چنانچہ
رگ وید منڈل اول سکت ۳۹ منتر ۲ میں ہے۔ کہ وہ مہابردار لوگو تمہارے
اسلحہ آتشی [illegible] دشمنوں کو [illegible]
کرنے اور اُن کو روکنے کے لئے قابل تعریف [illegible]
فوج [illegible] موصوف ہو۔ تاکہ تم [illegible] ہو۔

قطع نظر اسکے کہ یہاں آریوں کو محض ہمیشہ فتح حاصل کرنیکے لئے ہتھیار جنگ
کے واسطے اکسایا جاتا ہے۔ جو شان الٰہی سے بعید ہے۔ یہاں سے اظہر
من الشمس ہے۔ کہ وید کے نزول کے وقت ان آریہ لوگوں کے سوائے
جو بقول دیانندجی تبت میں پیدا ہوئے۔ دنیا میں اور بھی بہت لوگ
تھے (جنکو مورخ لوگ ہندوستان کے اصلی باشندے کہتے ہیں) جن پر
فتحیاب ہونے کے لئے اس قسم کی دعائیں مانگی گئی ہیں۔

ایسا ہی یجروید ادھیائے ۲۰ منتر ۵ میں ہے۔ میں اُس محافظ
کائنات صاحب جاہ و جلال نہایت زور آور اور فاتح کُل تمام کائنات
کے راجا قادر مطلق اور سب کو قوت عطا کرنے والے پرمیشور
کو جس کے آگے تمام زبردست حاکم سر اطاعت خم کرتے ہیں
اور جو انصاف سے مخلوقات کی حفاظت کرنیوالا اندر ہے مَیں جنگ

میں فتح پانے کے لئے مدعو کرتا ہوں اور پناہ لیتا ہوں۔

ایسا ہی رگوید اشٹک اول ادھیائے ۳ ورگ ۱۸ منتر ۲ میں ہے

اے انسانو! تمہارے آیدہ یعنی توپ بندوق وغیرہ آتش گیر اسلحہ اور تیر و کمان تلوار وغیرہ ہتھیار میری عنایت سے مضبوط اور فتح نصیب ہوں۔ بدکردار دشمنوں کی شکست اور ہماری فتح ہو۔ تم مضبوط طاقتور اور کار نمایاں کرنے والے ہو۔ تم دشمنوں کی فوج کو ہزیمت دیکر انہیں روگردان اور پس پا کرو تمہاری فوج جرار و کار گذار اور نامی گرامی ہو۔ تاکہ تمہاری عالمگیر حکومت روئے زمین پر قائم ہو۔ اور تمہارا حریف ناہنجار شکست یاب ہو اور نیچا دیکھے جیسا بیچارے محمود غزنوی مرحوم اور محمد غوری مغفور نے نیچا دیکھا +

اسی طرح اتھرون وید کانڈ ۱۶ انوواک ۔ اورگ ۹۷ منتر ۳ میں پرتان ہے

اے دشمنوں کے مارنے والے اصول جنگ میں ماہر بے خوف و ہراس پر جاہ و جلال عزیزو۔ اور جوانمردو! تم سب رعایا کے لوگوں کو خوش رکھ پرمیشور کے حکم پر چلو۔ تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے خواہش کو مغلوب اور روئے زمین کو فتح کیا ہے تم رویئیں تن اور فولاد بازو ہو۔ اپنے زور و شجاعت سے دشمنوں کو تہ تیغ کرو۔ تاکہ تمہارے زور بازو۔ اور ایشور کے لطف و کرم سے تمہاری ہمیشہ فتح ہو۔

مذکورہ بالا حوالجات وید کو دیکھو۔ کس قدر لڑائی کے لئے ترغیب دیگئی ہے۔ اور پھر یہ کوئی دینی لڑائی بھی نہیں۔ جو حصول آزادی یا مذہب کے لئے ہو۔ بلکہ محض فتح پانا اور سلطنت حاصل کرنے کے لئے ہی جنگ ہے۔ پس جب وید کا ایشور دنیا کو دنیاوی جنگ کے لئے کہتا ہے۔ تو محض دین کے لئے ابتغاء مرضات اللہ جہاد کرنا کیوں برا ہے عملی طور پر دیکھو تو ہندوؤں کے اوتار مہاراجہ رامچندر جی نے صرف ایک عورت کی خاطر تمام لنکا کو غارت کیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں نے مذہبی جنگوں پر وہ وہ ظلم کئے۔ جن کو سن کر کلیجہ پھٹتا ہے۔

مسلمانوں نے زن وبچہ کو کبھی قتل نہیں کیا۔ مگر یہود اور نصرانی کی

سب کو ایک کھیت میں شہید کیا۔

جنت نفس اور کانسٹن ٹین اور بون بارٹ کے واقعات کو ملاحظہ کرو اسلامی تلوار دتی چلی اور اس نے لوگوں کے سر زمین پر اولوں کی طرح گرائے مگر وہ تلوار ایک بجلی تھی۔ جو رحمت کا مینہ برساتی تھی۔ لوگوں کے خون سے جو زمین لالہ گون ہو رہی تھی وہ زبان حال سے بتلا رہی تھی۔ کہ یہاں چمن کھلیگا اور وہ بہار آئیگی جو کبھی دیکھی نہ سُنی ہوگی +

وہی قتل اور خونریزی جسکو آپ مثل قہر الٰہی خیال کرتے ہیں۔ آیندہ نسلونکی ترقی اور زندگی جاودانی کا باعث ہو گیا ہے۔

آج یہ بہار جو نظر آرہی ہے۔ وہ اُسی تلوار کی بدولت ہے۔ جو عربوں کے ہاتھ میں تھی۔

وہ ایک مواد فاسد تھا۔ جس نے دنیا کے جسم کو خراب کر رکھا تھا۔ اور یہ مواد فاسد کئی صدیوں سے جمع ہو رہا تھا۔

جسم میں جب تک خلط فاسد ہوتا ہے۔ جسم تندرست نہیں رہ سکتا۔ خود طبیب قسم قسم کی ادویہ سے خلط فاسد کا اخراج کرتا ہے۔ کس غرض سے؟ صرف مریض کی صحت کے لئے! وہ فصد بھی کھلواتا ہے مسہل دیکر خلط فاسد کا دفعیہ کرتا ہے۔ کس غرض سے؟ صرف بیمار کو شفا دینے کے لئے۔

باغبان میوہ دار درختوں کی ڈالیاں چھانٹ کر برابر کرتا ہے عین شفقت سے باد صرصر یکبارگی درختوں کو پت جھڑ کرکے ننگا کر دیتی ہے عین رحمت سے۔

خزاں بہار کا خاص سبب ہے۔ اگر خزاں نہ ہو۔ تو بہار کا ہونا ناممکن اس سے ظاہر ہے کہ فطرت نے یہ قانون جملہ مخلوقات کیلئے بنایا ہے جو لوگ معترض ہیں کہ اسلام نے خون کی ندیاں زمین پر بہائیں اور لاکھوں جانیں تلف کیں۔ وہ بنظر غور قانون قدرت کو ملاحظہ فرمائیں۔

اب یہ خیال ہو سکتا ہے۔ کہ جب قانون قدرت یہی ہے کہ وہ مواد فاسد اور خلط فاسد کی طرح نافرمان اور سرکشوں کو چھانٹتا رہتا ہے۔ تو پھر کیا وجہ سبب ہے۔ کہ اب اُنکا عملدرآمد نہیں ہوتا۔ اور اسلامی شمشیر میان میں ہے۔

بے شک اسوقت اسلامی تلوار میان میں ہے - اور اس حالت میں وہ میان ہی میں رہنی چاہیے - قانون قدرت کسی حالت میں نہیں بدل سکتا - مگر وہ کبھی کسی صورت سے اور کبھی کسی طرح سے اپنا عمل کرتا ہے -

انگلستان میں کوئی مسلمان بادشاہ جہاد کرنے نہیں گیا - امریکہ پر کسی نے فوج کشی نہیں کی - چین اور افریقہ میں کوئی لشکر کشی نہیں کر رہا - ہندوستان میں مدت سے اسلامی تلوار سرنگوں ہے -

مگر انگلستان کے شہر لورپول میں ایک غازی مسٹر کوئلم اور امریکہ میں مسٹر وب ایک ایسا مجاہد پیدا ہوگیا - کہ لاکھوں فوج بھی وہ کام نہ دیتی جو ان دو جوانمردوں نے دیا - ہزاروں تلواریں اور خنجر وہ کار روائی نہ کرتے جو انکی زبان اور قلم نے کیا - ان جوانمردوں کے قلم اور زبان نے مخالفین کے روبرو اسلام کو سرخرو کرکے دکھا دیا اور ثابت کردیا - کہ دنیا میں خدائی مذہب صرف اسلام ہی ہے - ان الدین عند اللہ الاسلام -

افریقہ اور چین میں سرگرمی سے اسلام پھیل رہا ہے - ہندوستان میں اسلام دن بدن پھیلتا جاتا ہے - اور صدہا رسالے اور اخبار جو روزمرہ شائع ہوتے ہیں - جہاد کا کام دے رہے ہیں -

سفر کی آسانی اور علم کی روانی جہالت کو اٹھاتی اور مٹاتی جاتی ہے -
مختلف علوم اور مختلف اقوام کا میل جول جو اس تاریکی کو دور کرتا ہے - جو ہزاروں سال سے دنیا کو گھیرے ہوئے تھی - صدہا اشخاص تعلیم پاکر دینی کتابوں کے ترجمے اردو اور انگریزی میں شائع کرتے ہیں - جن کا حال محض پردے میں تھا -

جو لوگ اپنی مذہبی کتابوں کے حال سے بے خبر اور آبائی تقلید کے زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں - اور اسی سے نکلے اور اسی زنجیر کے توڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں - چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے - جو جھوٹے مذہب ہیں وہ خود پست اور ذلیل اور حقیر ہوتے جاتے ہیں - آریہ اگرچہ راہ راست پر نہیں آئے - مگر بت پرستی سے بیزار اور توحید کی جانب مائل ہو چکے ہیں - اور یہ سب قرآن شریف کی برکت اور طفیل سے ہے

ورنہ ہندؤں کو توحید سے کیا مطلب اور ویدوں میں بجز بُت پرستی کے توحید کا کہاں نشان ‌+
عیسائی گو جوق جوق مسلمان نہیں ہوئے۔ لیکن اسلام کی تصدیق تو پکار پکار کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں کیا حاجت شمشیر زنی کی رہے۔ قانون قدرت ایک دوسرے پیرایہ میں عمل کر رہا ہے۔ اور اُمید ہے کہ آخر کار ساری دنیا کو اضطراراً اسلام کی طرف جھکنا پڑے گا۔ واللہ غالب علیٰ امرہٖ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ؛

انسانی زندگی اور اُس کا مقصد

زندگی کیا ہے؟ اُس کی حقیقت سمجھنے سے انسان کا فہم قاصر ہے۔ کائنات زندگی سے معمور ہے۔ ہم پانی۔ مٹی اور ہوا کو جاندار اجسام سے بھرا ہوا پاتے ہیں۔ کروڑوں جاندار پیدا ہوئے۔ زندگی بسر کی اور مر گئے۔ مگر زندگی کا بھید نہ کھلا یہ ایک الٰہی راز اور امر ربانی ہے۔ جو انسان سمجھ نہیں سکتا۔ جس بات پر بحث ہو سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس زندگی کا مقصد کیا ہے؟۔

زمین کا مالک کون ہے؟ ظاہراً انسان ہی ہے۔ کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک شئے اُسکے استعمال فائدے اور آرام کے لئے بنائی گئی ہے۔ مگر اس پر بھی وہ یہ محسوس کرتا ہے۔ کہ ایک (اجل کی) تلوار میرے سر پر آویزاں ہے جس سے چارہ نہیں۔

درندوں اور پرندوں کی مختلف ترکیب رکھی گئی ہے۔ اور جو بہشت اُنکو دی گئی ہے اسکی وہ پورے طور پر قدر کرتے ہیں۔ انکی طبعی حاجات۔ خوراک وغیرہ جسمانی خوشیوں پر محدود ہے۔ اور جو کہ اُس کا سامان بافراط مہیا کر دیا کر دیا گیا ہے۔ وہ بخوبی متمتع ہو رہے ہیں۔ انکی دو سب سے بڑی خواہش بھوک اور شہوت ہے اور دونو خوب طرح پر پوری ہو رہی ہیں۔ کون ہے جس نے سوائے مستثنیٰ حالت کے کسی درند یا پرند یا کیڑے مکوڑے کو کبھی ناخوش دیکھا ہو؟ ان کی حالت جو ہم سے مختلف ہے۔

خالص آرام اور خوشی کی حالت معلوم ہوتی ہے - ان میں نہ اخلاق ہے نہ
نہ بد اخلاقی - جس پر وہ سوچیں - اور نہ شک ہے نہ پشیمانی جو اُن کو اذیت
دے - اگر اُن کے لئے کچھ ایسی مصیبتیں بھی ہوں - جن کا ہم کوئی معاوضہ
نہیں دیکھتے - جیسا کہ انسان کا غلام ہونا ہی اُن کے لئے بڑی مصیبت ہے -
تو یہ غالباً اُن کی سرشت کی حالت اُن کی تربیت اور کسی ایسے فائدے کے
لئے ہے - جو اور کسی طرح پر حاصل نہیں ہو سکتا تھا - لیکن ظاہرا اسباب جو
کہ ہم دیکھ رہے ہیں - وہ یہی ہے - کہ سطح زمین پر اُن کی حالت بخلاف انسان
کی حالت کے ایک آرام اور خوشی کی حالت ہے +

کیوں انسان بھی اپنی حالت سے ایسا ہی حظ حاصل نہیں کرتا؟ دنیا
جیسی اور جانوروں کے لئے خوش نما اور راحت بخش ہے - ویسے ہی انسان
کے لئے بھی - محنت کے بعد نیند اُس کو لطف دیتی ہے - بھوک میں خوراک
کا پورا مزہ آتا ہے - سُہاونی خوشبو ہے - پرندوں کا الاپنا - چاند کی چاندنی
گرمی میں باد سحر کے جھونکے - سب کے لئے سرور کا باعث ہیں -

وحشی انسان کی ضرورتیں قریباً سب پوری ہوتی ہیں جو بہت ہی کم ہیں
مہذب انسان کی ضرورتیں بہت ہیں - اور تمام نہیں تو اکثر ان سے پوری
ہو جاتی ہیں - اُس کی ذات کی آسایش کے لئے اُس کو زمین اور سامان
معیشت یعنی گھر - باغ - چاندی - سونا - اور کھانے پینے کی چیزیں بافراط
اور بلا قید اسے دی گئی ہیں - مگر ابھی انسان محسوس کرتا ہے - کہ یہ
آرام اُس کی ہستی کا اعلےٰ مقصد نہیں ہے - جو تلوار اُس کے سر آویزاں
ہے - اُس نے ناممکن کر دیا ہے کہ یہ ایسا ہو جو کچھ اسکو دیا گیا ہے اس
سے بہ مقابلہ دوسرے جانوروں کے بہت ہی کم لذت حاصل کرتا ہے -
بلکہ تکلیفیں زیادہ ہوتی ہیں -

پس جب انسانوں کی یہ عجیب و غریب حالت ہے - تو ہم قدرتی طور پر
نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا مقدر دوسرے جانوروں کے مقدر سے بالضرور
مختلف ہے - یہ تمام سے نرالا ہے - یہی غلط اور صحیح میں تمیز کرسکتا ہے
صرف یہی اخلاقی نیکی اور اخلاقی بدی کا تصور رکھتا ہے - تنہا اسی میں غیر محدود
ترقیات کی خواہش پائی جاتی ہے - اور حیات ابدی کی پیاس اُسے لگی ہے

زندگی کی برکتیں یعنی تندرستی خوش مزاجی اور دلجمعی تو ہم سے جو
صرف چند کس کو حاصل ہیں۔ لیکن اُس کے مصائب یعنی تکالیف اور امراض
در آلام ہم سے بہت شخص محسوس کر رہے ہیں۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی
بھی ہمیں دوڑ میں نہیں روکتی۔ ہماری رفتار جاری ہے۔ نہ خوشیاں ہماری
دامن گیر ہوتی ہیں اور نہ آزمائشیں جان کی جوکھوں کا خوف دلا کر ہماری
سدِ راہ ہوسکتی ہیں۔ زمانہ کی رفتار کو ٹھیرانے کیلئے ہم بے فائدہ کوشش کر رہے
ہیں۔ پانی کی رَو ہمیں آگے کی جانب بہائے لئے جاتی ہے۔ ان کے زور
کو توڑنے کے لئے ہماری تمام جد و جہد بیکار ہے۔ اس وقت ہم دوستوں
اور رشتہ داروں سے گھرے ہوئے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے تنہا اور اکیلے رہجاتے
ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد بالکل ہی تباہ اور برباد ہو جاتے ہیں۔ پھر زندگی
کا کیا مقصد ہے؟ ہمیں کس منزلِ مقصود پر پہنچنا ہے۔

جب ہم اس معمے پر عقل اور کانشنس کو لیکر غور کرتے ہیں۔ تو یہی ذہن
میں آتا ہے کہ زندگی ایک مدرسہ ہے۔ جس میں اخلاقی اور روحانی تعلیم
دی جاتی ہے۔ ہر ایک سانحہ جو اس میں پیش آتا ہے۔ ہمارے لئے تزکیہ
نفس کا ایک سبق ہے۔ اور تمام عناصر جن کو ہم چاروں طرف دیکھتے
ہیں۔ ہمارے معلم ہیں۔ ہمیں اپنے گرد مستقل عناصر اور قوتوں کا مجمع نظر
آتا ہے۔ اور وہ تمام ہمیں ترقی کے راستہ میں مدد دینے کے لئے کچھ نہ کچھ
فرائض رکھتے اور انہیں بجا لاتے ہیں۔

تمول و فلاکت۔ خوشی و رنج۔ بیاہ اور موت زندگی کے رشتے وابستہ شکستہ
یہ سب سبق ہیں۔ جو اتفاقیہ طور پر ہمیں نہیں دیئے جاتے بلکہ ہماری بہبود
اور نجات کے لئے منضبط کئے گئے ہیں۔ دولت بزرگی اور طاقت کی ہم
قدر کرتے ہیں۔ مگر اُسی وقت قدر کے لائق ہیں۔ جب بردباری اور تحمل
کا سبق دیں۔ مفلسی بیماری اور زحمت کشی سے ہم بھاگتے ہیں۔ لیکن در
حقیقت وہ دولت اور بزرگی سے بھی زیادہ قدر کے لائق ہیں۔ کیونکہ وہ
ہمارے جذبات کو روکتے اور مغلوب کرتے ہیں۔ ہمیں حلیمی اور بردباری
کا سبق دیتیں ہیں۔ اور ہستی کے نہایت مشکل مسائل کے لئے ہمیں
تربیت کرتیں۔

پس ہمارے خیال زندگی صرف دل کی آزمائش ہے زندگی میں انسانوں کا درجہ ہے۔ کہ کام کرے۔ دوسرے جانوروں کی ضروریات کے سامان قدرت نے خود بہم پہنچائے ہیں۔ انہیں صرف اُن کے حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ مگر ایک انسان ہی ہے۔ جو اپنی حاجتوں کو اپنی محنت سے حاصل کرتا ہے۔ اُس کو ایسی طبیعت عطا ہوئی ہے جس کے مقاصد اُس کی زندگی سے بڑھ کر ہیں۔ جو بغیر اندیشہ جوابدہی کے کاہلانہ عیش و عشرت میں بسر کی جاتی ہے۔ درحقیقت اس طبیعت کا بنیادی جزو ہے۔ جو انسان کو نہ صرف جسمانی بلکہ اپنی اخلاقی ضروریات کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ اُن خوبیوں کو حاصل کر سکے۔ جن کے ساتھ اُس کی بہبود وابستہ ہے۔ زندگی میں بہت ہی واقعات پیش آتے ہیں۔ جن میں سے کوئی تحمل چاہتا ہے۔ کسی میں سنجیدگی یا صاف دلی یا حیا یا اپنی عزت کا پاس یا فراخ حوصلگی دکھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ دل کو اس طرح پر تربیت کیا جائے۔ کہ جب کبھی اس قسم کی کوئی ضرورت پیدا ہو خواہ وہ کیسی ناگہانی کیوں نہو۔ تو وہ اُس کو پورا کر سکے۔ ہماری انسانیت میں ایک مسئلہ ہے جس کا علمی حل فلسفہ یا الہیہ ہے۔ اور عملی حل پاک اور نیک زندگی ہے جس کا اشارہ یہ ہے۔ کہ آگے بڑھو۔ اور نیکی اور دینیات اور صداقت اور معرفت میں ترقی کرنا وہ مقصد ہے۔ جو ہمیں حاصل کرنا چاہیئے۔ خدا نے جیسے ہر ایک کی صفت میں عقل کا جوہر رکھ دیا ہے۔ ویسے ہی کم و بیش سب کو طبعاً نیکی کی جانب رغبت بھی عطا فرمائی ہے۔ اب انسان کا کام ہے۔ کہ جس قدر حصہ اُس کو ملا ہے۔ تربیت کرے اور ترقی دے تخم ہم میں موجود ہے اور ہمارے دل کھیت ہیں اچھی کاشت کرنا انسان کا کام ہے۔

لوگ دنیا میں قدرتی طور پر عیش و آرام کی جستجو کرتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ ایسا نہ کریں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ قدرت ہی کا منشاء ہے کہ ہم سامان مسرت سے متمتع ہوں اور بخوبی متمتع ہوں۔ مگر اپنی ضروری حاجتوں کے پورا کرنے کے علاوہ ہم پر اور فرائض بھی ہیں جو زیادہ اہم ہیں۔ مثلاً دل کی قدرتی سوچ کی تربیت اور باطن کی صفائی اور

[illegible] بہت [illegible] سمجھتے ہیں کہ دنیاوی مشغلوں میں پڑ کر ان کو بھلا دینا سخت
[illegible] ہے۔ دنیاوی کاروبار بھی تو ہمارے لئے ضروری ہے۔ خدا نے ہمیں اس لئے
[illegible] نہیں [illegible] لیکن نفس کشی کی خواہش [illegible] ہے کہ اسی روزانہ محنت
[illegible] کام [illegible] ہے۔ ہم [illegible] کے اعلیٰ مقصد [illegible] اپنے انجام کار
سے غافل رہتے ہیں بھی [illegible] میں۔ دکان پر ہوں [illegible] یا مدرسہ میں۔ دفتر
میں ہوں [illegible] ہوں [illegible] میں ہوں یا [illegible] میں۔ ہمیں چاہئے [illegible] کی تعلیم
اور اپنے [illegible] کی اصلاح کرنے کا [illegible] موقعہ [illegible] ہو نہیں اور
انہیں [illegible] اسباب دنیوی حالت۔ دنیاوی معاملہ کرنیت درست
سے شریعت الٰہی کے مطابق ہو تو وہ بھی ہمارے انجام کی دینی اور روحانی
اصلاح کا ایک بڑا بھاری جزو اور موقعہ ہے جو کبھی بھی ہاتھ سے
دینا نہیں چاہئے۔ اور اسلئے اسباب میں پھنس کر انجام کار سے غفلت
کرنے کا کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

انسان کام کرتا ہے وہ دولت جمع کرتا ہے یا کتابیں لکھتا ہے یا کپڑے
سیتا ہے یا دکان کرتا ہے غرض کام سب یکساں ہیں لیکن جب وہ اس
دنیا سے کوچ کرتا ہے تو کوئی اس کے ساتھ نہیں جاتا۔ اس کے ساتھ جو کچھ
جاتا ہے۔ وہ صرف اُسکا نقش ہے جو اُس کے دل پر بیٹھ جاتا ہے
اور روح کی وہ بُری یا نیک حالت ہے۔ جو مرنے پر وہ اپنے ساتھ لے
جاتا ہے۔ اگر دولت۔ طاقت اور شہرت سے دل کی وہ ترقی نہیں ہوتی
جو اُس کے لئے ضروری ہے۔ تو یہ بیفائدہ ہے ہماری ایک بہت بڑی
ضرورت یہ ہے کہ ہمارے دل کو روز بروز وسعت ہو۔ قدرت کے بیش بہا
وہ نہیں جو سونا یا چاندی سکتے ہیں۔ بلکہ باعتبار صورت کے وہ جو تندرست
اور مضبوط ہیں اور بلحاظ باطن کے وہ جو دانا اور عقیل ہیں۔ پس ہمیں جس
چیز کی ضرورت ہے۔ وہ یہی ہے۔ جس کے ذریعہ سے ہم اپنی منزل
مقصود پر پہنچ جائیں۔ ہمارے رہنما موجود ہیں۔ چنانچہ دینی معاملات کی
تکمیل کے لئے عقل اخلاقی امور کی جانچ کے لئے نور قلب۔ خدا کا قرب
حاصل کرنے کے لئے وحی والہام مگر جس بات کی ہمیں ضرورت ہے
وہ صرف یہ ہے کہ عمل کریں۔ ہم اپنے اپنے دائرہ کے اندر اپنے فرض

بجا لائیں۔ اور اس چیز محض خدا کے مخالف نہ ہوں۔ جو ہمیں ہر وقت سچائی پر چلنے اور گیان عطا فرمانے پر آمادہ ہے۔

ایک منگتے کے چیتھڑے کس چیز کو ڈھانپتے ہیں۔ ایک انسانی جسم کو۔ اور ایک شہزادی کی شاہی پوشاک۔ وہ بھی ایک انسانی جسم کو۔ مگر آرائش میں دونوں کی برابر ہیں۔ اعتدال پرہیز اور خوش اطواری کا اثر۔ تندرستی۔ نیکوکاری زندہ دلی۔ اور محنت و ترشاوانی بیفکری۔ سخاوت اور نیک نیتی۔ عام کا نتیجہ۔ دل کی تسکین۔ دونوں کے واسطے یکساں ہے۔ اسی طرح زندگی کے مصائب بھی یعنی [illegible] و اقسام کی تکالیف اور امراض جو [illegible] فسق و فجور سے پیدا ہوتے ہیں۔ دل کی ناخوشی۔ جس کا باعث [illegible] بے صبری یا بے حد خواہش ہے۔ اور تباہی اور بربادی جو بدمزاجی۔ غصہ بغض یا عداوت کا نتیجہ ہے۔ دونوں کے لئے مساوی ہیں۔ سب العالمین کی تجویز یہ ہے کہ دونوں یہاں اور یہاں سے جانے کے بعد راحت حاصل کریں۔ اور اسی لئے دونوں کے واسطے رنج و راحت کو ایک لازم و ملزوم ہے۔ کہ ناممکن ہے۔ کہ ایک کو بجا لائیں۔ اور دوسرے سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ نیک زندگی اپنا اجر اپنے ساتھ لئے ہوئی ہے۔ دل کو اپنی اصلی بزرگی کے سوائے اور کسی بات میں راحت نہیں ملتی۔ یہ سچ ہے کہ جب انسان کی بھوک پیاس رفع ہوتی ہے تو اس کو مثل تمام جانوروں کے جسمانی خوشی ہوتی ہے۔ اور بخلاف دیگر احساسات کے جب لذیذ غذائیں اس کے حلق کے نیچے اترتی ہیں۔ تو اس کو اور بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اور اس قسم کی خوشی تسکین دینے والی خوشی نہیں ہے۔ اور اس لئے حیوان تعریف کے قابل نہیں ہیں جو اس کی خوشی بہ نسبت انسان کے جانوروں کو کئی درجہ بڑھ کر حاصل ہے۔ انسان دولت کی نگہبانی سے خوشی حاصل کرتا ہے۔ کتا اس سے بڑھ کر ہوشیاری سے اپنے ہڈیوں کے انبار کی رکھوالی کرتا ہے۔ آدمی کی عیاری اور چالاکی سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن لومڑی میں یہ صفت کہیں اس سے بڑھ کر پائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی خوشیاں صرف ان لوگوں کی خوشیاں ہیں جن کی عقل اور کانشنس ابھی بیدار نہیں ہوئی۔ اور عرصہ دراز تک یہ خوشیاں قائم نہیں رہ سکتیں۔ نفسانیت اور بے اعتدالی کے پنجہ میں

پھنس گئے۔ انواع و اقسام کی تکالیف۔ امراض و آلام نے آگھیرا۔ غرور۔
اسراف اور بے اعتدالی کے حوالے ہو گئے۔

اس کے برخلاف دل کی خوشیاں ہمیشہ بڑھتی اور ترقی کرتی ہیں۔ سچی
الفت۔ دوستی۔ انصاف۔ اخلاق اور دیانت سے طبیعت کبھی سیر نہیں
ہوتی۔ دل کی خوشی لذت اور زندگی کا کبھی ختم نہ ہونے والا چشمہ اور
زندگی کا سب سے عمدہ ذریعہ ہے۔

زندگی میں جو بات ہم کو سب سے زیادہ بے قرار کرتی ہے۔ وہ یہ ہے
کہ بظاہر انسانی زندگی غیر مساوی واقع ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی لوگ
تنازعے جھگڑوں میں جا پھنستے ہیں۔ بہت تکلیف اٹھاتے ہیں لیکن یہ غیر مساوات
بھی انسان کی اپنی درستی اور محنت۔ کاہلی اور غفلت اور قوانین قدرت کی
خلاف ورزیوں کا نتیجہ ہے۔ فی الواقعہ یہ غیر مساوات اتنی بڑی نہیں ہے جتنی کہ
ہم خیال کرتے ہیں۔ ہمارے لئے اس بات کا فیصلہ کرنا ناممکن ہے۔ کہ کون
فی الواقعہ خوش ہے اور کون مصیبت زدہ و غمناک۔ اور کون فی الواقعہ
نیک ہے۔ اور کون بد ذات اور شریر ہے۔ اس صورت میں کیا ہم یہ ثابت
کر سکتے ہیں کہ زندگی میں ہمارے جانب واقعی غیر مساوی یا دوسری طرح
پر ہیں۔ اور سچ پوچھو تو اشیاء جیسی کہ ہمیں دکھائی دیتی ہیں اس سے زیادہ
ٹھیک ہوئی اور ہموزن واقعہ ہوتی ہیں۔ کوئی خوشی نہیں۔ جس کا انجام رنج ہو اور
نہ کوئی مصیبت ہے جس کا کچھ قدر معاوضہ نہیں ہے۔ بہت بھاری غلطی
جو اکثر کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ حالت کو سب سے اعلیٰ خوشی
کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں بلکہ سب سے خوش حالت کو سب سے
اعلیٰ حالت سمجھنا چاہیئے۔

اور بسا اوقات دیکھا جاتا ہے۔ کہ گدائی کی حالت بادشاہی یا امیرانہ حالت
سے بدرجہا خوش حالت ہے۔ حقیقت میں ہماری حاجتیں بہت زیادہ نہیں
ہیں۔ بلکہ ہماری واقعی ضرورتوں کی نسبت ہماری خواہشیں بھی زیادہ تکلیف
دیتی ہیں۔ اور ہماری تمام خواہشیں اچھی نہیں ہیں۔ اور اکثر اوقات ہماری
ناکامی جسکو ہم اپنے لئے مضر خیال کرتے ہیں اصل میں ہمارے مفید
حال ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ہمکو زیادہ تر سیر چشمی اور آسودگی کی طرف

لے جاتی ہے۔

سقراط کا قول ہے۔ جس کی احتیاج نہایت ہی کم ہے۔ اُس کو سب سے زیادہ قرب خدا کا حاصل ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی حاجت نہ رکھنا ذات باری کی مقتضی ہے۔ ہم اکثر بے خوشی کی شکائتیں کرتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ اپنی واقعی ضرورتوں سے ہم زیادہ طلب کرتے ہیں۔ پس انسان اپنی زندگی کو خود تلخ بنا لیتا ہے۔ زندگی فی نفسہ ناخوش نہیں ہے۔ پر انسان نے خواہشات بیجا کو ترجیح کر اُسے ناخوش بنا لیا ہے۔ ۵۔

الغرض قناعت سے نہ تبدیل ورنہ اسباب معاش + آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

زندگی میں جس قدر عمدگی اور آسودگی ہمارے حصہ میں آتی ہے۔ اسکو ہم اپنا حق واجب سمجھتے اور بلا اعتراف احسان مندی کے قبول کرتے ہیں۔ لیکن جب کوئی خرابی آتی ہے تو ہم افروختہ ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ صرف ہمارے لئے بھیجی گئی ہے۔ مگر جو لوگ ان دونوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں۔ درحقیقت وہی شخص انسانی زندگی کو اچھی طرح سمجھتے اور اس کی قدر کرتے ہیں۔

عیسائی لوگ کہتے ہیں کہ انسان سرشت سے گنہگار ہے۔ وہ کبھی گناہ سے بچ ہی نہیں سکتا۔ اور اسی لئے کفارہ کا مسئلہ تراش گیا۔ لیکن اصل میں ایسا نہیں ہے۔ نہ خدا نے اُسے مجبول بالشر پیدا کیا ہے۔ بلکہ دراصل انسان کی عادت نیکی بھلائی اور آسودگی کے مناسب ہے۔ اس سے خلاف طور پر کام لینا یا اس کو بگاڑنا گناہ اور مصیبت کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور انسان کو کوئی چیز مصیبت میں نہیں ڈالتی یہ اپنے قویٰ کو بیجا طور پر استعمال کر کے خود مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بہت سے مصائب اور تکالیف جو ہمیں زندگی میں سہنے پڑتے ہیں ہمارا اپنا فعل ہے کیونکہ قدرت کے اخلاقی قوانین کو توڑنے سے پیدا ہوتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ ۔ و البیوت من ابوابہا۔

خدا نے دنیا کو جیسا پیدا کیا ہے وہ نہایت عمدہ ہے۔ مگر انسان نے جیسا دنیا کو بنا لیا ہے وہ اس سے بہت مختلف ہے۔ اور واقعہ میں

ہم اس کو نا انصافی ۔ ظلم ۔ بے رحمی ۔ دغا بازی ۔ جھوٹ ۔ زنا کاری ۔ حسد ۔ غرور
عداوت ۔ فساد ۔ دوسروں کے لئے نتائج تکلیف ۔ جگر سوزی ۔ اور دیگر برائیوں سے
پر دیکھتے ہیں ۔ لیکن خدا کبھی گوارا نہیں کر سکتا ۔ کہ اس کے ارادوں کو یوں
تہ و بالا کیا جائے ۔

خدا نے ہماری ذمہ داری کو برابر طور پر نہیں بنایا ۔ اس نے ہم پر ایک
مقدار ذمہ داری کا بوجھ ڈال دیا ہے ۔ جو اس نے اپنی کسی اور مخلوق پر لازم
نہیں کی ۔ اس کی دوسری مخلوقات میں سے صرف انسان ہی گناہ کر سکتا ہے
شیر بے رحمی سے حملہ کرتا ہے ۔ سانپ بے باکی سے کاٹتا ہے ۔ بچھو کا
غضب ظاہر ہوتا ہے ۔ مگر یہ سب اپنے اپنے قدرتی شعور کے موافق کام
کرتے ہیں گناہ کے ذمہ دار نہیں ۔ انسان اپنی عقل اور بصیرت سے مدد لے کر کام کرتا
ہے ۔ اس لئے اس کی خاص ذمہ داری بھی پیدا ہوتی ہے ۔ مگر جس نے یہ ذمہ
داری ہم پر واجب کی ہے وہی اس سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں ۔ ہماری مدد
بھی کرتا ہے ۔ ہمیں اپنی کامیابی کے لئے جو کچھ کرنا ہے وہ اتنا ہے ۔ کہ کمر باندھ
کر مرکب ہمت کی باگ اٹھائیں ۔ السعی منا و الاتمام من اللہ ۔ وہ رب
العالمین ہماری دستگیری کرے گا ۔ وہ اپنی معرفت اور رضا مندی کی راہیں
دکھائے گا ۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے ۔ لیس للانسان الا ما سعی والذین
جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (مقتبس از مطالعہ فطرت بہ تغیر عبارت)

نورِ فطرت

فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم
ولکن اکثر الناس لا یعلمون (روم) ۔ خدا کا فطری دین وہی ہے ۔ جس پر
لوگوں کو پیدا کیا ۔ فطرت اللہ میں تبدیلی (مناسب) نہیں یہی دین سیدھا اور
پکا ہے ۔ پر اکثر لوگ جانتے نہیں ۔ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ۔ کہ
کل مولود یولد علی الفطرت فابواہ یھودانہ او یمجسانہ او ینصرانہ ۔ ہر ایک
بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے ۔ پھر اس لڑکے کے ماں باپ اپنے رنگ میں
رنگین کر کے یہودی یا مجوسی یا نصرانی بنا لیتے ہیں ۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے - کہ بچے اسلام کی فطرت ظاہر کرنیوالے ہوتے ہیں - اب اگر بچوں کی حالت پر غور کی جائے تو اس سے اسلام کی فطرت بھی معلوم ہو جائے گی -

معصوم بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو ایک عرصہ تک وہ ایک قسم کی بیہوشی کی حالت میں پڑے رہتے ہیں - ان کا نورانی چہرہ سب کو بھلا اور پیارا معلوم ہوتا ہے کبھی کبھی جو وہ نہیں معلوم کیا سمجھکر مسکرانے لگتے ہیں اس مسکراہٹ میں ایسی چمک دکھائی دیتی ہے - جو بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے - اس مسکراہٹ کو غور سے دیکھو تو ایک بہشتی جھلک نظر آتی ہے - پھر وہی بچہ جب کچھ بڑا ہوتا ہے - وہ چہک چہک کر ہنسنے لگتا ہے - اس وقت اس کی ہنسی سے سارا گھر گونج اٹھتا ہے - ان بچوں کی ہنسی سچے دل کی ہنسی ہوتی ہے - اور وہ لوگ جو رات دن فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں جن کا دل اندر سے خوش نہیں ہوتا - جو اپنی نظروں میں آپ ذلیل معلوم ہوتے ہیں بھی کبھی ہنس کر لوگوں پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خوش ہیں - لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوتے - صرف دانت نکالنے اور ناک چڑھانے سے ہنسی نہیں ہوتی ہنسی دل سے ہوتی ہے - جب دل سچی مسرت کے جوش میں آکر ہنسے تو وہ ہنسی سچی اور دوسروں کو پیاری معلوم ہوتی ہے -

پیاری چیز اس جہان میں سچائی ہے - منافق اور ریاکار لوگ دوسروں کو فریب دینا چاہتے ہیں - لیکن وہ کسی کو بھی فریب نہیں دیتے - بلکہ اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں - یخادعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون الا انفسہم وما یشعرون -

بچے کیسے اچھے ہوتے ہیں - ان کا دل سچا - ان کی باتیں سچی - ان کے سب کام سچے - ان کے کسی کام میں تصنع اور ریاکاری کو تو دخل نہیں - ان سے جس قسم کی بات پوچھیں اگر وہ ہمارے سوال کو سمجھ اور بول سکتے ہیں - تو سب سوالوں کا جواب ٹھیک ٹھیک دے دیتے ہیں - ان کا سادہ دل اس بات سے مطلق واقف نہیں کہ کونسی بات چھپانے کے قابل ہے اور کونسی کہنے کے لایق - ان کا نیک دل سب کو نیک سمجھتا ہے - ان کے دل میں یہ خیال ہی نہیں آتا - کہ لوگ کسی بات کو بری نیت سے بھی پوچھتے ہیں -

ان بچوں کے دلوں میں غرور اور گھمنڈ مطلق نہیں ہوتا - اگر ایک ادنیٰ
اور ذلیل آدمی بھی اُن سے پیار سے ملے - تو اُس کی گود میں جانے کو مستعد
ہیں - وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کم رتبہ اور وہ عالی رتبہ ہے - ان کی نظروں میں
کرسی مونڈھا شطرنجی - غالیچہ - قالین - فرش - زمین سب برابر ہیں - جہاں
بٹھا دیں بیٹھ جاویں گے - ذرا بھی بُرا نہ مانیں گے - اُن کے سادہ دلوں
میں کسی کی طرف سے اَنی نہیں جمتی - ابھی کسی نے ان کو دق کیا - بلکہ
مارا - اور تھوڑی دیر کے بعد اُن سے پیار سے باتیں کیں - سارا رنج و غم رفع
ویسی خوشی کے ساتھ پھر اس کے پاس جا بیٹھے - کہ کبھی رنج ہوا ہی نہ تھا - ہم
لوگوں کی طرح ان کے دلوں میں برسوں تک رنج کی باتیں مخفی نہیں رہتیں -
ان کے سادے دل میں کینہ کی گنجایش ہی نہیں -

یہ چھوٹے بچے علم کے کیسے شائق ہوتے ہیں - ہر وقت لوگوں سے پوچھتے
ہی رہتے ہیں - یہ کیا ہے - کہاں سے آیا - کیا نام ہے - اسی طرح ہزاروں
باتیں پوچھ پوچھ کر دق کر دیتے ہیں - ہم لوگ جواب دیتے دیتے اُکتا جاتے
ہیں - پر وہ سوال کرنے سے نہیں تھکتے - ہر چیز کی ماہیت و اصلیت معلوم
کرنے کی ان کو کیسی خواہش ہوتی ہے - ابھی اُن کے ہاتھ میں کوئی کھلونا
دیدو جس سے کچھ آواز نکلتی ہو - پھر کیا ہے - فوراً اُن کے دل پر یہ خواہش
پیدا ہوتی ہے کہ اس کو توڑ کر دیکھیں - اس کے پیٹ میں کیا ہے - اُن بچوں
کے سوالات میں سوائے علم کے اور کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی - وہ
نہیں جانتے - کہ ان باتوں کے معلوم کرنے سے کیا فائدہ ہے - اُن کے
معلوم کرنے کی ویسی ہی فطری خواہش ہے - جیسے بھوک یا پیاس - یہ لڑکے
کیسے محنتی ہوتے ہیں - بیکاری اور کاہلی سے انہیں سخت نفرت ہوتی ہے
کسی جگہ بیکار یا پابند رہنا ان پر سخت ناگوار گذرتا ہے - گو اُن کے سارے
دھندے ہماری نظر میں محض لغو اور بیکار معلوم ہوتے ہیں - لیکن کیسے
جوش سے وہ ان میں مشغول رہتے ہیں - کبھی کوئی دیوار مٹی وغیرہ
کی تیار ہو رہی ہے - کبھی ریتلی زمین پر کیاریاں بن رہی ہیں - کبھی لکڑی
کا گھوڑا ان کے نیچے ہے - غرض جو کام ہے - اس میں ہمہ تن مصروف
ہیں - پسینے میں غرق ہیں - دھوپ میں جل رہے ہیں لیکن اپنے کام میں مشغول ہیں

ان بچوں کے دلوں میں کیسی سچی محبت ہوتی ہے - سب سے بڑی
چیز اس عمر میں محبت کے واسطے والدین ہوتے ہیں - کس محبت اور
کیسے پیار سے یہ بچے اپنے ماں باپ سے جا کر لپٹ جاتے ہیں کس
کس طرح سے وہ اپنے والدین سے پیار کرتے ہیں - رہ رہ کر ان
کے دلوں میں محبت کا جوش اٹھتا ہے - اور نئے نئے ڈھنگ سے
اپنی محبت کو وہ ان پر ظاہر کرتے ہیں - ماں ان کو مارتے پھر بھی
ماں ماں ہی پکاریں گے - اگر وہ ماں کی گود میں ہیں - تو پھر کیا
ہے - شیر ہیں کسی سے بھی نہیں ڈرتے اور اگر ماں سے الگ ہیں
تو بہت ہی چھوٹا دل ہو رہا ہے - سب سے ڈر رہے ہیں - یہ
بچے اکثر اپنے کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں - پر پھر پھر کر دیکھ لیتے
ہیں - ان کی ماں پاس ہے - یا نہیں - ماں نظر سے غائب ہو
تو پھر کہاں کا کھیل کہاں کا تماشا - سب پھینک پھانک کر چلانے
لگتے ہیں - اب رونے والے کو چپ کون کرا سکتا ہے - ماں ہی
آئے تو چپ کرائے -

ان بچوں کو اس جہان کی سب چیزوں سے دوستی ہے - آندھی
چلے تو خوش - پانی برسے تو خوش - اولے پڑیں تو خوش - باجا بجے تو
خوش - بعض وقت تو ایسے خوش ہوتے ہیں کہ مست ہو کر ناچنے لگتے
ہیں - اور کیوں یہ خوش نہ ہوں - سچی خوشی نیکوں اور پاک دلوں
کی ملک ہے - وہ کون ہے جو اس بہشتی اور خوش نصیب زمانہ کو
یاد کر کے ٹھنڈی سانسیں نہ بھرتا ہو - اسی زمانہ میں ہم بھی حضرت
آدمؑ کی طرح اس جہان کے باغ میں دوڑتے پھرتے تھے - اور پاک
خوشبوؤں کے بہشتی میووں کو خود خدا کے ہاتھ سے لیکر کھایا کرتے
تھے - اس وقت ہم غم و افسوس شرم و ذلت کو جانتے تک نہ تھے - کہ
کیا شے ہوتا ہے - کسی ملک نے اس زمانہ کی مسرت کو یوں کہا
ہے -

طفلی کی جھولی میں مسرت نہیں ملتی وہ جو قصہ میں کھوئی ہے جیسے دنیا ملتی
[illegible] ہے بہشت پہ بہشت سب بچھوا دل [illegible]

پتہ ہے جو سچی خوشی بچپن کے زمانہ میں ہوتی ہے - وہ کسی
زمانہ میں نہیں ہوتی - اس زمانہ میں انسان کی فطرتی سادہ حالت
ہوتی ہے - وہ ایک حالت میں حقانی جلوہ گر - گناہ کا میل اور دھبا
ابھی تک دل پر بیٹھنے نہیں پاتا - اسلام بھی سچی حالت اور حقیقی مسرت
دلوں میں پیدا کرنے کو آتا ہے - اور جس سبب سچے مسلمان ہمیشہ ہر حال
میں خوش رہتے ہیں - اور بچپن کی نیکی اور سادی حالت کو فطرت
اسلام کہا ہے - اگر سچائی - تجربہ و انکسار علم کا عشق محنت - سچی
محبت - سچی بشاشت - ہر ایک بچہ کی فطرت میں داخل ہے تو
جوانی میں انہیں کو حقیقی عشق اور عملی رنگ میں لے آتا ہے - اور
یہی دین القیم اسلام ہے -

سب لڑکے بچپن میں فطرت اسلام میں پیدا ہوتے ہیں - لیکن
اگر کہیں ان کے والدین بدچلن اور بے دین ہوئے - تو ان کی مٹی
خراب ہوئی - ان کا سادہ دل بدیوں کے رنگ میں رنگا گیا - کیا
ہی خوش نصیب وہ بچے ہیں - جن کے والدین ان کی کل نیک
فطری اوصاف کو قائم رکھ کر سچی نیکیوں اور روحانی اور اخلاقی بھلائیوں
کو ان کے زرخیز دلوں میں بوتے ہیں - اور ان کو اس قابل بنا
دیتے ہیں - کہ وہ فطرت اسلام پر قائم ہو کر سچے مسلمان بن سکیں

جن لوگوں کے دلوں میں بچپن کی خوبیاں موجود ہوں اور وہ سچے ہوں
کہ نہ زبان سے کبھی جھوٹ بولتے ہوں - اور نہ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا سے
کوئی برا کام کرسکتے ہوں - ان کے سچے دل - تکلف - تصنع اور مکاری
کا نام تک نہ جانتے ہوں - ان کے قلوب میں کل علوم کی سچی وفطری
محبت موجود ہو - ان کے علم کا شوق ایسا زور آور ہو کہ اگر چین میں بھی
علم حاصل ہو - تو سفر کے شدائد سے منہ نہ موڑیں - ان کے دلوں میں
غرور مطلق نہ ہو - ان کی ایمان والی آنکھیں - سب آدمیوں میں
خوبیاں دیکھتی ہوں - کسی کو اپنے سے کمتر سمجھ کر نفرت نہ کرتے
ہوں - ان کے نزدیک جسم کو کاہلی اور سستی ایک قید شدید معلوم
ہوتی ہو -

ہر ایک شغل میں دل بیار اور دست بکار کے مصداق نہ ہوں۔ یعنی دل خدا کی طرف اور ہاتھ کام میں لگے ہوں۔ جن کو تجارت اور دستکاری یاد خدا سے غافل نہ کرتی ہو۔ رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة۔ جن کی محبت خدا کے ساتھ ایسی زور آور ہو کہ جس وقت خدا کی مہربانی ان سے جدا ہو تو جب تک مولا کی نظر رحمت پھر نہ دیکھیں تڑپنا رونا چلانا موقوف نہ کریں۔ [illegible] اور اگر خدا ان کو کسی بات میں سزا دے۔ اور مصیبت میں ڈالے۔ تو اس کی طرف [illegible] کسی دوسرے سے مدد کے طالب ہوں۔ [illegible] مصیبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون ان کے محبت وار دل [illegible] محمد [illegible] منقاد۔ جو ہمیشہ خوش وخرم معلوم [illegible] پیارا باغ معلوم ہوتا ہو [illegible] خوشی اچھلنے لگتا ہو۔ يتفكرون في خلق السموات والارض ربنا [illegible] خلقت هذا باطلا سبحنك فقنا عذاب النار۔ جو سورج کی خوبصورت روشنی۔ چاند کی خوشنما چاندنی۔ ستاروں کی [illegible] قدرت۔ دریا کی چمکیلی لہروں اور [illegible] نیلے پن کو دیکھ ایسے بشاش اور خوش ہوتے ہیں۔ [illegible] بعض [illegible] خوشی کے وجد میں آکر بے خود ہو جاتے ہیں۔ وہ وقتی فطرت اسلام پر چلنے والے اور سچے مسلمان ہیں۔ یہی وہ مسلمان ہیں جن کو دنیا و دین دونوں کی بھلائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ یہی وہ مسلمان ہیں جنہوں نے فلاح پائی اولئك على هدى من ربهم واولئك هم المفلحون یہی ہیں جو دونوں جہانوں کی نعمتوں سے مالا مال ہونگے لهم البشرى في الحيوة الدنيا والآخرة۔

یہ ہے اسلامی فطرت اور سچا اسلام جس میں کسی شے کو تبدیل کرنے کا حکم نہیں اور یہی دین قیم ہے جس پر ہر ایک بشر کو چلنے کا حکم ہے اور وہی لوگ خوش نصیب ہیں جو فطرت پر قائم ہو کر دنیا و دین کی خوبیاں حاصل کریں۔

لیکن افسوس کہ بُری صحبت بُری تعلیم بُری تربیت سے انسان ان سب خوبیوں سے الگ ہو جاتا ہے بچپن کی سب خوبیاں ایک ایک کرکے کھو دیتا ہے۔ نعمت کے کھوتے وقت اس سے دل میں ایک کھٹکا ہوتا ہے لیکن افسوس کہ شیطان کے پھندے میں آجاتا ہے کوئی برائی ایسی نہیں جس کے کرتے وقت انسان کو اپنے دل سے نہ ہیا ایسی نوعی لڑائی نہ لڑنی پڑتی ہو۔ جتنی بڑی برائی اتنی بڑی لڑائی ہوتی ہے۔ جب آدمی پہلی دفعہ اپنی فطرت کے برخلاف کوئی کام کرنے لگتا ہے اور گناہ کی طرف میلان ہوتا ہے تو اس کی عجیب کیفیت ہوتی ہے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے۔ دل دھڑکنے لگ جاتا ہے ایک گھبراہٹ سی معلوم ہوتی ہے ہاتھ پاؤں بلکہ سارے جسم میں ایک سنسناہٹ سی پیدا ہوتی ہے۔ ہر ہر قدم پر ایمانی قوت روکتی ہے۔ عقل کہتی ہے چھوڑ دو۔ ایسا نہ کرنا بدنامی ہے لوگ کیا کہیں گے؟ خدا کو کیا جواب دو گے۔ شیطانی قوت بھی اس وقت اپنے دلایل پیش کرتی ہے۔ کچھ ڈر نہیں کچھ پرواہ نہیں۔ اس مزے کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ غرض انسان کچھ عجیب کشمکش کی حالت میں پڑ جاتا ہے۔

غور کرنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ فطرت کی ہر ایک حالت کے بدلنے پر ایسی لڑائی کیوں لڑنی پڑتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس رحمان و رحیم خدا نے ہر ایک انسان میں ایک نور ہدایت یعنی فطرت کی سیدھی اور صاف راہ پر چلنے کی روشنی عطا فرمائی ہے جو اُس کو فطرت کے بدلنے پر ہچکچا دیتی ہے۔ یہ نور ہدایت ہر ایک کے دل میں موجود ہے اسی نور ہدایت کا نام نور فطرت ضمیر اور کانشنس اور فرشتہ رحمانی ہے۔ اور اسی نور ہدایت کی مخالفت کرنے کا نام اضلال شیطانی سورہ والشمس کی اس آیت میں فالھمھا فجورھا وتقوٰھا قد افلح من زکھا و قد خاب من دسّٰھا اسی ضمیر کی طرف اشارہ ہے۔ ضمیر کی ہدایت کے موافق چلنے کا نام فلاح اور خلاف چلنے کا نام خسران ہے اس نور ہدایت کی آواز کو ہر ایک شخص صاف طور پر سن سکتا

ہے اور بسا اوقات اُس کی آواز بہت صاف ہو جاتی ہے ایک شخص نے کسی بے گناہ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ہاتھ میں تلوار لیکر اس بے گناہ کے قتل کو چلا۔ عین وقت پر مارے خوف کے اسکے سارے جسم میں لرزہ آگیا ہے اور اس نے صاف یہ الہامی آواز سُنی ہے کہ اے کمبخت کہاں جاتا ہے؟ کیا کرتا ہے۔ بمجرد ایسا سُننے کے اسکے ہاتھ سے تلوار گر پڑی ہے۔ ایک شخص سخت شہوت زدہ اپنی محبوبہ سے ملا ہے۔ خلوت کا موقعہ مِل گیا ہے۔ کارروائی کے لئے بالکل تیار ہے کہ عین موقعہ پر ہاتف غیب نے بڑے زور سے للکارا کہ کیا کرتا ہے خدا سے ڈر اُسی حالت میں وہ کانپ اُٹھا ہے اور اس بدی سے باز آیا ہے۔ ایک شخص چوری کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا ہے چیز ہاتھ میں پکڑ لی ہے ضمیر نے فوراً اُسے چوٹ لگائی ہے کہ یہ تیری چیز نہیں اور وہیں ہاتھ سے رکھ دی ہے۔

اس نورِ ہدایت کا کام صرف برائیوں سے روکنا ہی نہیں بلکہ اگر اس کی مخالفت کرو۔ تو دل میں سخت ندامت و افسوس لاحق ہوتا ہے اور اس کی ہدایت پر چلو۔ تو دل میں عجیب قسم کا سرور اور لذت پیدا ہوتی ہے۔

اس نورِ ہدایت کی مخالفت سے دل چھوٹا اور کمزور ہو جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے چور کا دل کمزور۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے بڑے قوی ہیکل پہلوان چور ایک ادنیٰ سے لڑکے کی آواز سے بھاگ کھڑے ہیں۔ نورِ ہدایت پر چلنے والا دل کا بادشاہ ہوتا ہے۔ سچا دلیر وہی ہے جو اس نورِ خدا کی ہدایت پر چلے۔

گناہ کے ارتکاب پر انسان کو اس خدائی امر (یعنی کانشنس یا نفسِ لوامہ) سے ضرور لڑائی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن لگاتار لڑائیاں کرتے کرتے نورِ ہدایت کا زور گھٹ جاتا ہے یا یوں کہو کہ انسان کے روحانی کان میں گناہوں کا میل بھر جاتا ہے۔ اور پھر منع کرنے کی آواز اُس کو سنائی نہیں دیتی۔ اور ایسی حالت ہوتی ہے۔ کہ یہ خدائی نور بالکل مدھم ہو جاتا ہے اور گناہوں کے ارتکاب میں اُسے

[illegible]ت نہیں رہتی گویا وہ بالکل بے حیائی کا جامہ پہن لیتا ہے۔
اور اس کو نصیحت وغیرہ کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ وعظ کا لفظ اسکو
برا معلوم ہوتا ہے ۔ ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتہم ام لم
تنذرھم لا یؤمنون ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم
غشاوۃ ولہم عذاب عظیم۔ یقیناً جن لوگوں نے کفر وضلالت
کے اختیار کرنے سے نور ہدایت کو چھپا دیا یکساں ہے - کہ ان کو
ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ایمان نہیں لائیں گے - خدا نے ہدایت کا
دروازہ ان کے دلوں اور کانوں پر بند کر دیا ہے - اور ان کی آنکھوں
پر پردہ پڑا ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے -

ایسے [illegible] ذات جو اس نور قلب کے اشارہ پر نہیں چلتے - اور ہمیشہ
[illegible] بے باکی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں - ان بدکاریوں اور
[illegible] سے اس کا دل ایسا سیاہ اور سخت ہو جاتا
[illegible] سے کچھ خوف اور دہشت پیدا نہیں
[illegible] نور قلب جو انسان [illegible] کے وقت دھمکاتا ہے
[illegible] بالکل [illegible] ہو جاتا ہے - اور وہ اندرونی فرشتہ
[illegible] کے وقت ہر انسان کو [illegible] سے خوف دلاتا ہے اور
نیکی [illegible] انشراح اور بشاشت دلاتا ہے ہمیشہ کے فسق و فجور
[illegible] ہو جاتا ہے - [illegible] علیحدہ ہو جاتا ہے - اور
نور قلب زائل ہو جاتا ہے تو پھر انسان سراسر ظلمت بن جاتا اور دوزخ
میں جھونکے جانے کے لائق ہو جاتا ہے -

عیسائی وغیرہ اقوام کا اس بات پر بڑا زور ہے کہ انسان سرشت سے
گنہگار ہے لیکن اصل میں ایسا نہیں - اس کی بناوٹ نیکی کے مناسب
ہے - اس سے خلاف طور پر کام لینا یا اس کو بگاڑنا گناہ ہے انسان
کو کوئی چیز مصیبت یا معصیت میں نہیں ڈالتی یہ اپنے منافعوں کا
برا استعمال کرکے خود مصیبت اور معصیت میں مبتلا ہے - وہ اس
حال میں بھی جبکہ نیکی سے قطعاً منحرف ہوتا ہے اس کا منکر نہیں
ہوتا وہ انصاف کو اس وجہ سے کہ وہ انصاف ہے اور صداقت

کو اس وجہ سے کہ وہ صداقت ہے اور سخاوت کو اس وجہ سے کہ سخاوت ہے کبھی قابل نفرت نہیں سمجھتا وہ ان کے برخلاف کرتے وقت بھی ان کی توصیف کرتا ہے اگر کسی دوسرے کی بدکاری یا شرارت کا تذکرہ اس کے سامنے کیا جاوے۔ تو بیشک برافروختہ ہوگا۔ پس خدا نے ہمارے ڈھانچے کو بُری طور پر نہیں بنایا۔ نیکی کے مناسب اور بدی سے متنفر بنایا ہے۔ لیکن ہم آپ اپنی فطرت کو بُری صحبت بُری تربیت اور بُری تعلیم سے خراب کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو فطرت اسلامی پر قایم اور اس نور ہدایت پر چلتے ہیں۔ انسان اگر مفلس اور غریب ہو جائے۔ اور فاقہ تک کی نوبت پہنچ جاوے اگر نور ہدایت سے راضی ہے تو اس کو کچھ پرواہ نہیں وہ اس بادشاہ سے بڑھکر خوش ہے جو دنیا پر حکمران ہے مگر نور ہدایت کے اشارہ پر نہیں چلتا ہے خوشی اور راحت بیرونی چیزوں میں نہیں نہ بیرونی چیزیں اس کا معیار ہو سکتی ہیں۔ تندرستی اور حقیقی خوشی دل کی خوشی ہے جو نور ہدایت پر چلنے سے حاصل ہوتی ہے جس کو یہ نہیں اس کو کچھ نہیں ومن لم یجعل اللہ نوراً فما لہ من نور۔ نور ہدایت کے برخلاف چلنے والے گنہگار اور بدکار اس جہان میں ہرگز خوش نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کو خواب میں بھی خوشی نہیں ہوتی۔ چور اور ڈاکو خواب میں بھی یہی دیکھتے ہیں کہ پولیس ان کو گرفتار کئے حوالات میں لیجا رہی ہے ایک عام غلط خیال پھیلا ہوا ہے کہ دغا باز۔ جھوٹے۔ فریبی۔ پالیسی باز اس زمانہ میں خوش ہیں۔ اور وہ لوگ جو نیکیوں پر عامل اور نور ہدایت کے تابع ہیں اُن کی زندگی بے لطف کٹتی ہے۔ لوگوں نے بدکاریوں کا نام زندہ دلی رکھا ہے۔ اور یہ اخوان الشیاطین نیک آدمیوں کو افسردہ دل کہتے ہیں۔ لیکن اگر انسان ذرا بھی غور کرے۔ تو اُسے معلوم ہو جائے کہ محض شیطانی دھوکا ہے۔ سچی خوشی نور ہدایت کی اطاعت فطرت اسلامی پر چلنے میں ہے۔

انسان کا نور ہدایت تربیت پذیر ہے

اس میں کچھ شک نہیں کہ نور ہدایت ہر ایک انسان کے قلب میں موجود ہے۔ اور یہ قوت ممیزہ ایک عالمگیر قوت ہے۔ ایک فرد بشر بھی اس سے محروم نہیں۔ لیکن یہ قوت تعلیم پذیر بھی ہے۔ ایک بت پرست جو بچپن میں کسی بت کی برائیاں سنتا آیا ہے۔ اور جس کے دل میں بت کی بڑی عظمت قائم ہو گئی ہے۔ اگر کسی دن اس بت کے توڑنے کا قصد کرے تو اس کا نور ہدایت بے شک اس کو منع کریگا۔ اور ایک مسلمان جو بچپن سے بت توڑنے کا ثواب سنتا آیا ہے نہایت خوشی سے بت شکنی کے لئے مستعد ہو جائے گا اور اس کا نور ہدایت اس کام پر شاباش دے گا ایسی حالت میں کس نور ہدایت کو سچا اور کس نور کو جھوٹا سمجھا جائے۔

ان مثالوں سے ظاہر ہے۔ کہ یہ نور تربیت پذیر ہے۔ اس قوت کی تعلیم دینے والے انبیاء و رسل ہیں۔ جن کو خدا نے اس جہان میں وقتاً فوقتاً اس غرض کے لئے پیدا کیا۔ کہ کفر و جہالت کی تاریکی کو دور کرکے اس قوت کو ایسی راہ پر لگائیں کہ وہ صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کر سکے۔ ان رسولوں کی تعلیم اس جہان میں پھیل گئی ہے اور اسی وجہ سے ہر ملک کے رہنے والے قریباً بہت سی برائیوں کو برائی اور بھلائیوں کو بھلائی جانتے ہیں۔ انہیں خدا کے بندوں کی بدولت چوری۔ زنا کاری۔ قتل۔ خیانت وغیرہ کو قریباً سارے جہان کے لوگ گناہ سمجھتے ہیں۔ ہاں ان جزیروں میں جہاں رسولان حق کی نصیحتیں نہیں پہنچیں لوگ اب تک جہالت و ضلالت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سیاحوں کے بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے۔ کہ اس قسم کے جزیروں کے رہنے والوں کے اخلاق جیسے وحشیانہ چار سو سال پیشتر تھے۔ ویسے ہی اب بھی ہیں کوئی تبدیلی ان میں نہیں ہوئی۔ اگر یہ نور ہدایت بلا مدد رسولوں کے انسان کی

اصلاح کے لئے کافی ہوتا تو یہ جنگلی بھی نہایت مہذب اور با اخلاق انسان بن جاتے اور بجائے خونریزی اور چوری اور بھوت پوجنے کے نیک کاموں پر کاربند اور خدائے واحد کے پرستار بن جاتے۔

اس زمانہ میں ایک فرقہ ایسا قایم ہوا ہے جو سمجھتا ہے کہ بس یہی نور ہدایت انسان کی تعلیم کے لئے کافی ہے رسولوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس فرقہ نے ایک مذہب بھی قایم کیا ہے اور برائیوں سے بچنے کی کوشش بھی کرتا ہے اور ایک ہی خدا کو پوجتا ہے لیکن سچ پوچھو تو یہ ناشکری قوم بھی انہی خدا کے بندوں کی تعلیم سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ گو غرور میں آکر انکار کرتی ہے۔ اگر اس فرقہ کے لوگ خوب غور کریں اور سوچیں تو انہیں معلوم ہو جائیگا کہ جن برائیوں کو وہ آج برائی سمجھ رہے ہیں وہ کس کی بدولت؟ اس پر غور کریں تو ان کو اپنی ناشکری کی حالت معلوم ہوگی۔ پس یقیناً ہدایت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی معرفت ارشاد کی قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ۔

یہ رسول اللہ کے سچے بندے اور پاک تھے۔ دنیا کے لالچ سے بچی اور خدا کے لئے مشکلات کا سامنا کرنے والے انکے ثبات و استقلال کے پاؤں سارے جہان کی مخالفت نہیں ڈگمگا سکتی تھی۔ وہ ہر بات میں خدا پر بھروسہ رکھنے والے تھے۔ ان کے چال کی جھلک ایسی پڑتی تھی کہ سچی طبیعت کا آدمی آپ سے آپ فوراً انکی رسالت کی گواہی دے اٹھتا تھا ان دکھوں کی زندگی ہی انکی سچائی کا ثبوت تھی۔

سب سے آخر میں حضرت محمد رسول صلعم خدا کے رسول ہوکر آئے۔ ہر شخص کو اس شریعت کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اور اپنے نور ہدایت کو نعمت اسلام کے تابع کرنا چاہئے۔

جناب رسول کریم نے جن کاموں سے منع فرمایا ہے وہ حقیقت میں اس قابل ہیں۔ کہ انسان ان سے بچے ان کاموں کے کرنے سے اس دنیا میں خسارہ ہے اور آخرت میں بھی نقصان ہے۔ مثلاً شراب ہی کو لو۔ انسان بصورت شیطان جب کسی کو شراب خوری میں مبتلا کرنے لگتے ہیں تو اس کے سامنے شراب کی تعریف شروع کر دیتے ہیں کہتے ہیں کہ شراب

میں وہ خوشی اور سرور کہ اس کے مقابل بادشاہت ہیچ ہے ذرا پی کر دیکھو جو اس بہکاوے میں آگیا۔ اور چکھ لی۔ مُنہ سے لگاتے ہی کڑوی اور بدمزہ معلوم ہونے لگی اپنے ہمش القرین شیطان سے پوچھتا ہے۔ میاں یہ تو بدمزہ ہے۔ شیطان کہتا ہے۔ عجیب آدمی ہو۔ شروع شروع میں سب کو کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ چند روز استعمال کرو تو مزہ معلوم ہو۔ جب دو چار گلاس چڑھا لئے۔ دماغ میں چکر حواس میں فتور۔ لگے ہواس کرنے۔ اگر زیادہ پی لی۔ تو قے میں لت پت۔ صبح ہوئی خمار سے بدحال ہیں۔ سر گھوم رہا ہے۔ عجیب بے چینی ہے۔ اس وقت شیطان بھی آموجود ہوا۔ مبارک سلام کے بعد کہتا ہے اچھا آپ بھی عجیب آدمی ہیں بس اتنے ہی میں بس ہو گئے دو چار پیالے ابھی پی لیجئے کیسے چاق ہو جاتے ہیں۔ غرض اس طرح شیطان بہکاتا ہوا اس حالت تک پہنچا تا ہے جب نعمت رخصت ہو جاتی ہے۔ عزت وداع ہوتی ہے دنیا و آخرت برباد ہو جاتی ہے اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاتا ہے اس وقت نور ہدایت میں کچھ تاثیر نہیں چلتی۔

یہی حال تمام اوامر و نواہی کا ہے جو آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمائیں قربان جائیے حضرت رسول کریم کے جنکی برکت سے یہ زہر ہلاہل ہماری قوم سے بہت کچھ دور ہے۔ خدا سب مسلمانوں کو مخالفت نبوی سے بچائے آمین

انسان اپنے کھوئے ہوئے نورِ ہدایت کو کس طرح پا سکتا ہے؟

یہ مسلمان جو نورِ قلب کی ہدایت کے برخلاف کرنے سے حالت طفل کی مثل دکھو جھتا اور فطرت اسلامی کی خوبیوں سے برکنار ہو گیا ہے جو عصیان و طغیان کے دور و دراز ملک میں بھٹک گیا ہے شیطان کے فریب سے علو انسانیت سے گر کر حیوانات کے حضیض اسفل السافلین کو پہنچ گیا ہے۔

اس گوہر کے پھر پانے اور کھوئی ہوئی دولت کو مکرر حاصل کرنے کی بکے
لئے ایک ہی ترکیب ہے جو فطرت اللہ کے موافق اسلام نے بیان فرمایا
وہ کیا ہے ۔ یعنی توبہ ۔ انابت اور استغفار ۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں
فرماتا ہے ۔ توبو الی اللہ جمیعاً ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون ۔ اے مومنو!
تم سب کے سب اللہ ہی کی طرف توبہ کرو ۔ تاکہ تم فلاح حاصل کرو۔

پس توبہ کیا ہے خدا سے پکا عہد و پیمان کہ اب پھر بری راہ پر نہ چلونگا
اور نور ہدایت کے خلاف نہ کروں گا ۔ خدا تعالیٰ بڑا غفور الرحیم اور توبہ قبول
کرنے والا ہے اور اسکی رحمت عظیم ہے یعنی توبہ پر بحث ماسبق سے
درگذرتا اور سب کھوئی ہوئی نعمتیں تیکے بعد دیگرے عطا فرماتا ہے بھٹکے
ہوئے انسان کے لئے سوائے رونے اور چلانے کے اور کوئی نہیں جس
جس طرح پانی سے بدن کا میل دور ہوتا ہے ۔ اسی طرح پانی ہی سے
روح کی کثافت بھی دور ہوتی ہے ۔ آب طہور کا چشمہ یہی دونوں آنکھیں
ہیں ۔ جب تک انسان اپنے گناہوں سے سخت نادم ہو کر خدا سے
مغفرت کیلئے دعا مانگے گا گناہوں سے آزاد نہ ہوگا ۔

لیکن دعا کیا ہے کہ چند خالی فقرات جو بے سوچے سمجھے منہ سے کہہ
دیئے جائیں ۔ نہیں دعا دل کی آواز ہے جو دعا دل سے نہیں ہوتی خدا
تک نہیں پہنچتی صرف لفظوں سے ہم خدا کو خوش نہیں کرسکتے ۔ وہ ہمارے
دلوں کا دیکھنے والا ہے جب ہمارے دلوں میں بھی ندامت اور افسوس
نہیں تب تک صرف لفظوں کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اصل
دعا جسکی شان حدیث میں ہے الدعاء مخ العبادۃ یعنی دعا عبادت کا
مغز اور خلاصہ ہے ۔ ایک روحانی تضرع ہے جب انسان پورا نادم
ہو کر اپنی روحانی آنکھ کو خدا کی طرف مدد کے لئے پھیرتا ہے اسی کا نام
دعا ہے ۔ جب انسان خدا کی طرف مدد کیلئے رجوع ہو گیا ۔ تو گو
اس نے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا ۔ لیکن اس نے دعا کی
اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے ۔ کہ ادعونی استجب لکم (دعا مانگو تم قبول
کرینگے) وہ اسی ہی دعا کیلئے فرمایا ہے زبانی بک بک صرف لفظ ہے
وہ ہذیان ہے ۔ دعا نہیں ۔ زبانی دعا جب تک دل سے نہ ہو ۔ محض

بے سود ہے۔
سچی توبہ کیا ہے آیندہ کیلئے قصد مصمم کرنا کہ میں یہ گناہ پھر نہ کرونگا
ورنہ جو شخص مُنہ سے تو توبہ کرتا جائے اور برابر گناہ پر اصرار کئے رہے
اس کی توبہ کا کچھ اعتبار نہیں۔
حدیث میں ہے کہ المستغفر من الذنب وہو مقیم علیہ کالمستہزء
بربہ گناہ سے توبہ اور استغفار کرنے والا جب اپنے گناہ پر قایم رہے اور
چھوڑتے نہیں۔ ایسا ہے جیسے معاذ اللہ اپنے رب کے ساتھ
ہنسی کرتا ہے۔ اور ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ارحموا ترحموا واغفروا یغفر
لکم ویل لاقماع القول ویل للمصرین الذین یصرون علی ما فعلوا وہم
یعلمون۔ تم رحم کرو۔ تم پر رحم کیا جائیگا۔ تم لوگوں کے گناہ بخشو۔ تمہارے
گناہ معاف کئے جائیں گے۔ اس شخص پر افسوس جو قول و فعل کا
سچا نہیں۔ اچھی بات کہتا ہے پر خود اس پر عمل نہیں گناہ پر اصرار
کرنے والے لوگوں پر افسوس جو بدافعلیوں پر عمداً اصرار کرتے ہیں۔
پس انسان کو وہ توبہ کرنی چاہئے جس کے شان میں یہ حدیث ہے
کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ یعنی توبہ کرنے والا گناہوں سے
ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔
نیک صحبت بھی برائیوں سے بچنے اور کھوئی ہوئی فطری حالت کے
حاصل کرنے کیلئے اکسیر ہے۔ توبہ کرنے والے انسان پر لازم ہے کہ طبیعت
پر جبر کرکے بھی نیکوں کی صحبت اختیار کرے اور بُروں کی صحبت سے
بھاگے۔ بُرے سے بھاگنا ہی بڑی جوانمردی ہے۔ بُری صحبت سے
اس طرح بھاگنا چاہئے جسطرح انسان زہریلے اور درندے جانوروں سے
بھاگتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر زہریلے جانور کے زہر سے انسان
کا صرف جسم مرتا ہے مگر بدکاروں کی صحبت سے ہمیشہ کیلئے روح تباہی
میں مبتلا ہو جاتی ہے۔
انسان کا برسوں جیلخانہ میں قید رہنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ کسی
بُرے آدمی کی صحبت اختیار کرے۔
خدا کی کتاب اور اخلاق کی کتابوں کا مطالعہ بھی کھوئے ہوئے نور

فطری کے حاصل کرنے کے لئے کبریت احمر ہے۔ قرآن شریف کے باآداب تدبر و تفکر کے ساتھ مطالعہ کرنا۔ موت کو ہر وقت زیر نظر رکھنا انجام کو یاد کرنا خدا کو حاضر و ناظر گننا۔ قرآن شریف کی آیات کو پڑھ پڑھکر رونا اور ان پر غور کرنا وغیرہ افعال بھی نہایت ہی مفید ہیں۔

اب ہم مسئلہ تقدیر کے متعلق کسی قدر بحث کرتے ہیں اور اسکے بعد گناہ شیطان تناسخ اور روح وغیرہ کے متعلق بہ تفصیل بیان کرینگے۔

انسان اور اس کی تقدیر

تقدیر کے کیا معنے ہیں؟

تقدیر کے معنے ہیں اندازہ کرنا جانچنا۔ ہر ایک امر کو ایک اندازہ خاص اور حسن انتظام کے ساتھ ظہور پذیر کرنا خاص خاص شے کو خاص خاص فطرت و خاصیتیں اور صفات عطا فرمانا اور اسی کے موافق ان سے کام لینا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دنیا کو اپنی قدرت کاملہ و ارادہ سے حسن نظام اور حسن ترتیب کے ساتھ پیدا کیا ہے اور ہر ایک امر کے لئے خاص خاص قانون مقرر فرمایا ہے جس کے موافق دنیا کا کارخانہ ایک عمدہ انتظام کے ساتھ چلا جاتا ہے۔ یہی تقدیر ہے۔

تقدیر کا لفظ ایک طرح پر سنت الٰہی یا قانون قدرت کے مرادف ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امر اور ہر شے کے لئے جو آئین یا قانون مقرر فرمایا ہے۔ اسکے موافق وہ امر عمدہ انتظام کے ساتھ چلا جاتا ہے اور اس میں ادلی بدل کو راہ نہیں۔ فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا۔ ولن تجد لسنت اللہ تحویلا۔ ہر ایک شے کو اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر پیدا کیا۔ اور جیسے

---

[1] اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰس میں فرمایا ہے۔ والشمس تجری لمستقرلھا ذالك تقدیر العزیز العلیم (اور سورج اپنی مقررہ مدار پر چلا جاتا ہے زبردست علم والے کا یہ اندازہ یعنی ٹھیرایا ہوا قانون قدرت ہے) اور سورہ طلاق میں فرماتا ہے۔ قد جعل اللہ لکل شیئ قدرا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شے کیلئے ایک اندازہ اور آئین مقرر کر دیا ہے۔

موافق اس سے کام لیا - وہی اسکی تقدیر ہے - اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے - خلق کل شئی فقدرہ تقدیرا - اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شئے کو پیدا کیا - پھر اس کے لئے ایک خاص تقدیر یعنی قانون قدرت مقرر کیا - جس سے وہ شئے تجاوز نہیں کر سکتی - انا کل شئی خلقناہ بقدر - یعنے ہر ایک چیز کو ایک خاص اندازہ اور آئین پر مقرر کیا ہے - جس میں تبدیل و تنسیخ کو راہ نہیں - سبح اسم ربک الاعلی الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی -

اے نبی اپنے اُس عالیشان رب کی تقدیس بیان کر - جسکی ربوبیت کا یہ سارا جہان نقش ہے - وہ خدا کہ جس نے ہر ایک شئے کو پیدا کیا - پھر اسکو ٹھیک ٹھاک اور موزون بنایا - اور وہ خدا جس نے ہر ایک شئے کے لئے ایک قانون اور آئین بنایا - پھر اُسی کے موافق اُسے راہ دکھائی - اسکی فطرت کے موافق اُس سے کام لیا - مولوی روم کا یہ شعر گویا اسی آیت کا ترجمہ ہے

؎ ہر یکے را بہر کارے ساختند - میل آں اندر دلش انداختند -

پس قرآن شریف کے رو سے جو تقدیر ثابت ہوتی ہے وہ یہی ہے - کہ ہر ایک امر کیلئے اللہ تعالیٰ کا ایک قانون مقرر کرنا اور پھر اس کے موافق اسکو چلانا - جسکو دوسرے لفظوں میں قضا کہتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ کا کسی شئے کی نسبت یا مجموعہ عالم کی نسبت ایک حکیمانہ قانون مقرر کرنا تقدیر ہے - اور اس قانون کے موافق دنیا کا انتظام کرنا قضا ہے -

تقدیر کو جو لوگ جبر کے مرادف سمجھتے ہیں - وہ سخت غلطی کرتے ہیں - مسلمان لوگ اس بات سے قطعی منکر ہیں کہ خدا تعالیٰ ہدایت یا ضلالت دینے کیلئے کسی کو مجبور کرتا ہے - وہ تقدیر کا مفہوم اس سے زیادہ نہیں سمجھتے کہ کوئی ذات اپنے ارادہ خاص کے ساتھ جانچ اور تول کر ایک کام کرے - جس میں بے سلیقگی اور بے شعوری نہ پائی جائے - بلکہ ایک احسن نظام اور عمدہ انتظام کے ساتھ وہ کام کیا جائے - جس سے صاف ظاہر ہو کہ کسی قادر اور حکیم نے اپنے ارادہ کاملہ کے ساتھ وہ کام ظہور پذیر فرمایا ہے - مسلمان لوگ جو تقدیر کے قائل ہیں - انہی معنوں کی تقدیر کا اعتقاد رکھتے ہیں - ان کا یہ اعتقاد ہے - کہ یہ ساری دنیا - ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے جانچ اور تول کر پیدائش کے سانچے میں ڈھالی ہے -

ہر ایک چیز کو اسکی پیدایش اور ضرورت کے موافق طبیعت اور فطرت عطا فرمائی
ہے خاص خاص صفات و عوارض لاحق کیئے ہیں۔ جسکی وجہ سے وہ چیز اپنے
دائرہ فطرت سے باہر نہیں جا سکتی۔ ہر ایک چیز کو خاص خاص فطرت عطا
کی۔ پھر اس تقاضا سے فطرت کے حصول کیلئے اُسے راہ دکھائی بمقتضائے
فطرت کو حاصل کرنیکا طریقہ لگا کیا۔ جس سے وہ آپ سے آپ اس امر کے
حاصل کرنیکے لئے دوڑی جا چکی ہے۔ جو اُسکی فطرت و ولعیت اور طبیعت
میں مرکوز ہے انسان اپنی بشری طبیعت و خواص کے موافق تقاضائے
فطرت کے پورا کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ حیوانات۔ چرند۔ پرند۔ درند
وغیرہ اپنی فطرت کے مقتضائے کے موافق دنیا میں بسر کرتے ہیں۔ غرضکہ
وہ تقدیر جسکے مسلمان قایل ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں کہ ایک قادر مطلق
اور حکیم برحق نے اپنی قدیم قدرت و ارادہ علیم سے تمام کائنات کا سلسلہ
ایک حکیمانہ نظام سے مرتب کیا ہے۔ کائنات کی ہر ایک چیز کو
اپنی حکمت و مصلحت کے موافق خاص خاص مقتضیات لاحق کیئے
ہیں۔ اُسکی فطرت میں خاص خواص رکھے ہیں جسکے موافق دنیا میں
افعال و اعمال ظہور میں لا رہا ہے۔

مسلمانوں کے خیال کے موافق جو شخص تقدیر کا قایل نہیں وہ گویا
خدا کے ارادہ حکمت اور قدرت کا بھی قایل نہیں۔ جس نے اپنی خاص
حکمت و ارادہ سے دنیا کا نظام قایم کیا ہے۔ ہر ایک چیز کی فطرت
میں خاص خاص مقتضیات ودیعت رکھے ہیں۔ جس سے اس دنیا کا سارا
سلسلہ ابلغ نظام و احسن ترتیب و اعلیٰ انتظام کے ساتھ قایم ہے کسی
میں نقص او عیب کو راہ نہیں۔ ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت
فارجع البصر هل تری من فطور۔ اگر دنیا کا انتظام غیر منتظم اور پریشان
نہیں اور نہ [illegible] تماشا ہے۔ بلکہ ایک حکیمانہ [illegible] اور ابلغ نظام
پر [illegible] ہے۔ [illegible] ہر ایک شخص ایک [illegible] اُٹھتا ہے۔ کہ ضرور یہ
[illegible] اپنی [illegible] اور [illegible] سے ایک حد میں اندازہ
کے ساتھ [illegible] اور [illegible] ہوئی ہے۔ [illegible] فطرت
سے باہر نہیں جب [illegible] ہے۔ [illegible]

ہونے میں کیا تامل ہے۔ اور اسکی تقدیر میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ پس یہی
ہے کہ اصل دنیا کے اس احسن انتظام و ابلغ نظام کو دیکھ کر ہر ایک شخص
کو خلاق عظیم کے ارادہ۔ قدرت اور تقدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اور ہر ایک
شخص قبول کرتا ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ تقدیر پر بیجا طعن و اعتراض ٹھیرایا
جاتا ہے۔

انسانی تقدیر سے کیا مراد ہے

انسانی تقدیر سے وہ قوانین مراد ہیں۔ جو قدرت الٰہیہ نے انسان کے ہر
شے کے متعلق مقرر کر رکھے ہیں۔ اور انہیں کبھی اور کسی حال میں تغیر نہیں
آسکتا۔ انسان کے جسم کی بناوٹ اور اسکی فطرت کے متعلق اسکی روح
کی بنتی اور قوائے اخلاق کے متعلق جو قوانین اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھے
ہیں۔ وہ سب تقدیر انسانی ہیں۔

انسان کا نطفہ پیدا ہونا۔ نطفہ میں جیسی جسمانی اور روحانی۔ مزاجی اور اخلاقی
کیفیت کا مادہ موجود ہو۔ ٹھیک اسی طرح جسم و روح کو پیدا کر دینا۔ اسکے
جسم روح اور عادات اور اخلاق کے متعلق جو جو قوانین قدرت مقرر ہیں
انہی کے موافق بلا تغیر و تبدیل ہمیشہ نتائج کا ظہور ہونا۔ اور پھر اعمال مکتسبہ
فی الدنیا کے مناسب نشار آخرت میں جزا سزا ملنا انسانی تقدیر ہے۔

کیا خدا تعالیٰ کی تقدیر بدل بھی سکتی ہے؟

ہرگز نہیں بدل سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے اور ہر بات کیلئے جو قوانین مقرر
کر دئے ہیں وہ کبھی اور کسی صورت میں بدل نہیں سکتے۔ ہر شے سے جو
جو نتیجے متعلق۔ اعمال انسانی کے متعلق جس جس طرح کی تقدیر (قانون قدرت)
اس قادر مطلق و حکیم برحق نے مقرر کی ہے۔ ہرگز بدل نہیں سکتی۔ کلام
ربانی کے موافق اللہ تعالیٰ کی سنن و مقادیر بھی کسی اور صورت میں بدل
نہیں سکتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا
و لن تجد لسنت اللہ تحویلا۔ تو ہرگز اللہ تعالیٰ کی سنت کو بدلتا ہوا
نہ دیکھیگا۔ اور کسی تبدیلی الٰہی کو ٹلتا ہوا نہ پائیگا۔ فطرت اللہ التی فطر

علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون - اللہ کی فطرت یہی ہے - جس پر لوگوں کو پیدا کیا ہے - خدا کی پیدائش (قوانین قدرت الٰہی) میں رد و بدل نہیں - الخ -

پھر یہ کیوں لکھا ہے کہ دعا قضا کو دفع کر دیتی ہے

اس صورت میں اللہ تعالٰی کا قانون ہرگز نہیں بدلتا - بلکہ ایک دوسرا قانون مقابل سمت سے عمل کرتا ہے جس طرح پر یہ ایک قانون قدرت ہے کہ ہر شے جو بے سہارا چھوڑی جائے زمین پر گر پڑتی ہے - لیکن اگر کوئی شخص گرتی ہوئی چیز کو راستہ ہی میں ہاتھ پر لیلے تو زمین پر نہیں گرنے پاتی - اسی طرح اگر کسی شخص پر خدا تعالٰی کا فعلی قانون عمل کر رہا ہو یا اس پر کوئی سخت مصیبت اور حادثہ واقع ہو جائے - تو اسکا دفعیہ شرائط کے ساتھ دعا کرنے سے ہو سکتا ہے - مگر یہاں کوئی قانون قدرت نہیں بدلا - بلکہ مقابل سے ایک اور قانون تقدیر الٰہی کے موافق عمل کیا - اور اسی کو تقدیر معلق کہتے ہیں - جو دعا اور صدقہ دینے سے رفع ہو سکتی ہے -

اولیا اور انبیا کی دعائیں - جو ایسا پرزور اثر کرتی ہیں - کہ بسا اوقات دنیا کو تہ و بالا کر دیتی ہیں - کچھ کا کچھ بنا دیتی ہیں - مخالفین الٰہی کو ملیا میٹ اور موافقین کو مظفر اور منصور کر دیتی ہیں - یہ سب قانون الٰہی کے مقابل دوسرے قانون کا عمل کرنا ہے - جو یہ بھی تقدیرات الٰہی میں داخل ہیں اس میں کسی صورت سے کوئی قانون نہیں بدلا - اللہ تعالٰی جو قرآن شریف میں فرماتا ہے - یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب - اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے - محو کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور علوم غیبیہ کی کتاب (یعنی تقدیرات الٰہی کی کتاب) اسی کے پاس ہے - اس کا مطلب بھی یہی ہے الدعاء یرد القضاء - یہ نہایت سچا مقولہ ہے - دعا میں بڑا پرزور اور ہیبت ناک اثر ہے -

اللہ تعالٰی فرماتا ہے - سل احبنی [illegible]

عندہٗ ام الکتاب - - یک وعدہ کے لئے ایک کتاب (قانون مقررہ) ہے - جو نہیں تو خدا جس کو چاہتا ہے - منسوخ کر دیتا ہے - اور جسکو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے - اور اسی کے پاس اصل کتاب یعنی (لوح محفوظ) ہے جس پر سب کچھ مکتوب و مندرج ہے -

اس کی تفسیر میں شاہ عبد القادر صاحب مرحوم لکھتے ہیں - دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے - بعضے اسباب ظاہر ہیں - بعضے چھپے ہیں - اسباب کی تاثیر کا اندازہ ہے - جب اللہ تعالیٰ چاہے اسکی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کرے - جب چاہے ویسی رکھے - آدمی کبھی گنڈے سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے -

لقد ایک اندازہ اللہ کے علم میں ہے - وہ ہرگز نہیں بدلتا - اندازے کو تقدیر کہتے ہیں - یہ دو تقدیریں ہیں - ایک بدلتی ہے - (جیسے کوئی مصیبت) ایک نہیں بدلتی (جیسے موت) - جب آیت وما کان الرسول ان یاتی باٰیۃ الا باذن اللہ - نازل ہوئی تو کفار نے کہا اسے محمد تجھ کو کچھ اختیار نہیں - اور اللہ تعالیٰ بھی جو کچھ لکھ چکا وہی ہوگا - لہٰذا کچھ نہیں ہو سکتا - اسپر یہ آیت اتری - یعنی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے - جب چاہے اور جو کچھ چاہے کروالے - اور سب چیز پر قادر ہے - اور حکیم اور قدیر بدست اور عادل اور رحیم ہے

تقدیر الٰہی کا منکر کافر ہے

جو شخص تقدیر ربانی کا منکر ہے اور بات کا قایل نہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب خدا تعالیٰ کے مقررہ قوانین اور مقررہ آئین - اس کی مشیت - ارادہ اور علم و حکمت کے موافق ہو رہا ہے - وہ بلا شبہ کافر اور صفات الٰہی کا منکر ہے - اور نہ صرف اسی قدر بلکہ ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ اسبات پر سچے دل سے ایمان لائے - کہ ازل سے ابد تک جو کچھ ہوا اور ہوگا سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر - مشیت - علم - اور ارادہ سے ہے - اور اس میں ہرگز ہرگز تبدیلی و تغیر کو راہ نہیں - لیکن باوجود واقعات کے جبر کسی ... انسان کو اختیار مطلق بھی حاصل ہے بلکہ ... اختیار ممطبہ الٰہی سے

اس اختیار عطیہ الٰہی سے جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے توفیق ہدایت دیتا اور اُسکا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے پرواہی اختیار کرے۔ خدا تعالیٰ بھی اسکو جبراً ایمان کی طرف نہیں کھینچتا۔ غرضکہ ایمان اسبات کا نام ہے کہ تقدیر الٰہی پر ایمان رہے۔ اور بین الجبر والاختیار حالت پر اسکا ایمان ہو۔

انسان کے اعمال کیا تقدیر الٰہی سے ہیں؟

بے شک اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ اُسی کے قوانین مقررہ کے ماتحت ظہور میں آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہی یہ قانون مقرر کر رکھا کہ اگر انسان اپنی قوت اکتسابی کو فطرت الٰہی کے تابع کرکے استعمال میں لائیگا تو نتائج نیک پیدا ہوں گے۔ اگر نوامیس الٰہی کے برخلاف استعمال کریگا تو ثمرات بد ظہور میں آئیں گے۔ پس انسان اختیار عطیہ سے جس جس طرح کے اعمال کرتا ہے ویسے ثمرات بارگاہ الٰہی سے حاصل کر لیتا ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی جبر نہیں۔

اعمال انسانی کتنی قسم کے ہیں؟

دو قسم کے۔ ایک نیک (خیر) دوسرے بد (شر) اختیار عطیہ الٰہی اور قوت اکتسابی کو خدا تعالیٰ کے قوانین مقررہ (قولی اور فعلی شریعت) کے موافق استعمال کرنا خیر ہے اور انہیں کو (روحانی یا جسمانی) شریعت کے برخلاف استعمال کرنا شر ہے۔

گناہ کیا شے ہے؟

اسی اختیار عطیہ الٰہی اور قوت اکتسابی کو خدا تعالیٰ کے قوانین مقررہ (قولی اور فعلی شریعت) کے برخلاف استعمال کرنا گناہ ہے۔

گناہ کب سے شروع ہوا؟

جب سے اللہ تعالیٰ نے کسی ہستی کو اکتساب اعمال کی قوت عطا

فرمائی - اور وہ اپنے اختیار سے خدا کی مرضی کے مطابق یا اسکی رضا کے
برخلاف اپنے قوائے عطیہ الٰہی کو استعمال کرنے لگی - تب ہی سے گناہ
شروع ہوا - خدا تعالیٰ کی قولی اور فعلی مرضیات کے بموجب قوت اکتساب
افعال کو استعمال کرنا [illegible] اور تجاوز وتخطی کی طرف مائل ہونا ہی گناہ ہے -

کیا شر مطلق دنیا میں کوئی شے ہے؟

شر مطلق دنیا میں کوئی شے نہیں - نہ اللہ تعالیٰ نے بحیثیت شر کسی
شے کو پیدا کیا ہے - ہاں انسانی افعال خدائے تعالیٰ کی بنائی ہوئی شریعت
اور مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرکے شر کے نام سے موسوم ہو گئے ہیں شیطان
بھی خدا تعالیٰ نے شریر پیدا نہیں کیا تھا - مگر وہ اپنے اختیار سے
[illegible] ہو گیا اور ہوائے نفس کی طرح
[illegible] استعمال
[illegible] بھی [illegible]
[illegible] ہے -

[illegible] اللہ [illegible]
[illegible] تعالیٰ [illegible] سے ہے -
[illegible] انسان [illegible]
[illegible] اپنے اختیار
[illegible]
[illegible] کا اختیار [illegible] اللہ
[illegible] سے [illegible]
تعلق نہیں -

[illegible] ہونے کے سوا اسکے [illegible]
نہیں - ہر ایک چیز [illegible] خواہ وہ [illegible] خواہ
قبیح ہوں - اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کی ہیں - مثلاً شراب کے اجزاء جن سے
شراب بنتی ہے - اگر خدا تعالیٰ پیدا نہ کرتا تو پھر شرابی شراب کہاں سے
بنا سکتے اور پی سکتے - پس اس اعتبار سے کہ شراب کے اجزاء کا

خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے شراب کی [illegible] بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوسکیگی - لیکن اسکے نہ تو [illegible] نے [illegible] انسان کا فعل معلق نہیں - بلاواسطہ [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ شراب کا بانی ہے - اور [illegible] کے پیچھے پر [illegible] ہے

اسی طرح انسان کی وہ ترکیب جس سے [illegible] فعل [illegible] ہے - اللہ نے بنائی ہے اس اعتبار سے انسان کا ہر ایک فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوسکتا ہے - لیکن اس کی شرارت اور بدفعلی کا کاسب اللہ تعالیٰ نہیں ہے - نہ اسکی بدفعلی و شرارت پر راضی ہے -

کیا انسان کا خیر و شر خدا کی مشیت سے ہے؟

بے شک خدا کی مشیت و ارادہ سے ہے - خدا تعالیٰ کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] انسان کو [illegible] [illegible] پیدا [illegible] - [illegible] [illegible] اپنے [illegible] [illegible] اعمال بجا [illegible] ویسے ہی پھل پا [illegible] [illegible] ثواب [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] انسان کے اعمال [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] برائی [illegible] [illegible] انسان کرتا ہے لیکن [illegible] [illegible] نہیں - خدا تعالیٰ انسان [illegible] [illegible] [illegible] اس کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] انسان کے کسب [illegible] [illegible] [illegible] خالق ہے لیکن [illegible] برائی بھلائی سے مشیت [illegible] [illegible] بلکہ [illegible] [illegible] متعلق ہے - یعنی مشیت الٰہی [illegible] [illegible] [illegible]

کیا افعال انسانی انسان ہی [illegible] منتسب ہیں

[illegible] اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے [illegible] [illegible] العمیٰ علی الہدیٰ - لیکن ثمود [illegible] [illegible] [illegible] نابینائی اور کفر کو ہدایت پر ترجیح دی [illegible]

خدا کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا۔ مگر جتنی سہار سکے۔ وان لیس
للانسان الا ما سعیٰ۔ انسان کو وہی ملتا ہے جو سعی کرتا ہے پس عمل
کرنا اس کے لیے ضرورت۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ جو
ہماری راہ میں سعی کرتے ہیں ان کو ہم ضرور ہدایت کی راہیں دکھاتے ہیں۔
لہا ما کسبت و علیہا ما اکتسبت۔ انسان کو ان کا اجر ملیگا۔ جو اس نے
نیک کام کئے۔ اور اسی پر ان کا وبال پڑیگا جو اس نے برے کام کئے۔
فمن عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیہا جو اچھا کام کرے گا اپنے
لئے۔ اور جو برا کرے گا۔ سو اپنے لئے۔ ولو یواخذ اللہ الناس بما کسبوا
ما ترک علی ظہرہا من دابۃ۔ اور اگر خدا لوگوں کو ان کے اعمال پر
جو اپنے اختیار سے کرتے ہیں پکڑے تو ایک بھی چلنے والا زمین پر نہ چھوڑے
فکیف اذا اصابتہم مصیبۃ بما قدمت ایدیہم اسوقت اُن کا
کیا حال ہوگا۔ جب کہ ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے جو اُن کے
ہاتھوں نے کئے ہیں۔ مصیبت پہنچے گی۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم۔ خدا کسی قوم کی حالت نہیں
بدلتا۔ جب تک اپنے دلوں کی نیتیں نہ بدل دیں۔ اور بدنیت نہو جائے
فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ
پس جو شخص ذرہ بھر نیکی کریگا۔ وہ بھی اسکا انجام دیکھ لیگا۔ اور جو شخص ذرہ بھر
برائی کمائے گا۔ وہ بھی انجام بھگت لیگا۔ من شاء فلیؤمن ومن شاء
فلیکفر۔ جو چاہے ایمان لائے جو چاہے نافرمان رہے۔ وما ظلمنھم ولکن
کانوا انفسہم یظلمون۔ اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ اُنہوں نے خود
ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا
لنکونن من الخسرین۔ خدایا ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ پس اگر تو ہمکو
نہیں بخشیگا۔ اور رحم نہیں کرے گا۔ تو ہم نقصان اٹھائیں گے۔ وما اصابک
من سیئۃ فمن نفسک اور جو کچھ تجھے برائی پہنچتی ہے۔ سو تیرے
نفس کی طرف سے۔ واللہ ارکسہم بما کسبوا اور اللہ نے اُن کو الٹ
دیا ان کے مکروہ افعال کی وجہ سے۔ فاخذناھم بما کانوا یکسبون
پس ہم نے اُن کو دھر پکڑا اُن کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے۔ ایک

ماوٰھم جہنم بما کانوا یکسبون - اُن لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اُنکے اعمال مکسوبہ کی وجہ سے - فبما نقضھم میثاقھم لعنٰھم - پس ان کے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان کو پھٹکار دیا - سیصیب الذین اجرموا صغار عند اللہ و عذاب شدید بما کانوا یمکرون - عنقریب ان لوگوں نے جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا - خدا کے یہاں سے ذلت اور عذاب شدید پہنچے گا - ان کے بیجا حیلہ بنانے کی وجہ سے - ونقول ذوقوا عذاب الحریق ذالک بما قدمت ایدیکم و ان اللہ لیس بظلام العبید - اور ہم کہیں گے - دوزخ میں جلنے کی ہنسا چکھ - یہ اس لئے کہ تمہارے ناعقول نے بُری کرتوتیں کیں اور خدا بندوں پر ذرا بھی ظلم کا روا دار نہیں - ذالک جزینٰھم بما کفروا و ھل نجازی الا الکفور - یہ بدلا دیا ہم نے اس پر کہ انہوں نے ناشکری کی اور ایسا بدلا ہم اسکو دیتے ہیں جو ناشکرا ہو - کذالک نبلوا ھم بما کانوا یفسقون - اسی طرح ہم نے ان کو ابتلا میں ڈالا - اس لئے کہ وہ بے حکم تھے - قد ضلوا من قبل و اضلوا کثیرا - وہ خود بھی پہلے سے بہک گئے اور بہت سی مخلوق کو بھی بہکا دیا -

اب دیکھئے ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان اختیار رکھتا ہے اور اپنے اختیار سے بُرے بھلے کام کرتا اور اسی پر جزا سزا کا مستحق ہوتا ہے -

کیا انسان کلی خود مختار اور آزاد مطلق ہے؟

کلی خود مختار ہرگز نہیں وہ اپنی حد فطرت سے تجاوز نہیں کرسکتا اس کی مثال بعینہ گھڑی کی طرح ہے کہ گھڑی کا بنانے والا جس حد تک اس کا دور مقرر کر دیتا ہے اس حد سے وہ زیادہ چل نہیں سکتی اور آخر کار کام دے دے کر ایک دن وہ بگڑ بھی جاتی ہے اور پھینکنے کے قابل بھی ہو جاتی ہے یہی حال انسان کا ہے وہ آزاد و مطلق نہیں جو قوائے اسکو دئے گئے ہیں ان سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا - اور جو عمر طبعی عطا کی گئی ہے اس سے زیادہ جی نہیں سکتا - ہاں یہ وہ کسب افعال میں خود مختار اور

آزاد ہے اور جس طرح کے افعال و اعمال چاہے کرسکتا ہے وہ خدا تعالیٰ
کی طرف سے جبری طور پر روکا نہیں گیا۔ بلکہ اس کے اختیارات
بھی تقدیر الٰہی کی ذیل میں آگئے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت
اور انسانی قوات کا اندازہ [illegible] کیا۔ [illegible] میں یہ مقدر کیا
کہ خدا [illegible] انسان [illegible] قوت [illegible] ہے یہ سخت
غلطی ہے کہ تقدیر سے خدا [illegible] سمجھ جاتے۔ گویا انسان کے
خداداد قوات سے محروم رہنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے افعال انسانی کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا

صرف بوجہ علت العلل۔ مسبب الاسباب و مبدء کل ہونے کے
چونکہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں توحید خالص پھیلانا۔ اور ہر ایک قسم کے
شرک کو جو مختلف فرقوں میں پھیل رہا تھا۔ مٹانا منظور نہ تھا۔ اور
قرآن شریف کے نزول کے وقت بعض لوگ بارشوں کو ستاروں کی
طرف منسوب کرتے تھے۔ بعض دہریوں کی طرح تمام چیزوں کا ہونا
اسباب طبعیہ تک محدود رکھتے تھے اور بعض دو خدا سمجھ کر اپنے ناملائم
قضاء و قدر کو اہرمن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور بدی کا خالق
ایک جدا خدا ٹھہرا رکھا تھا۔ بعض لوگ آریوں کی طرح مادہ روح کو خدا
کی مخلوق سے علیحدہ اور قدیم سمجھ کر خدا تعالیٰ کا علت العلل ہونا کمزور
اور ناقص طور پر خیال کرتے تھے۔ بس ایک کتاب الٰہی کا جو اس قسم کے
مشرکانہ خیالات کے وقت۔ نزول فرمائے فرض تھا کہ ایسے مشرکانہ خیالات
کی جڑ بنیاد اکھیڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلحاظ مبدء کل و
علت العلل ہونے کے تمام افعال عباد کو خواہ وہ شریعت الٰہی کے
موافق ہوکر خیر کے مد میں داخل ہوں خواہ احکام الٰہی سے متجاوز ہوکر
شر کے مد میں آجائیں۔ اپنی طرف منسوب کیا۔ اور صاف فرمادیا کہ تمہارے
افعال کا کوئی جدا خالق نہیں۔ بلکہ درحقیقت وہی خالق جس نے تمکو

بنایا یا تمہارے جسم اور روح کو پیدا کیا چونکہ وہ تمہارا خالق ہے لہذا تمہارے تمام اوصاف و افعال کا بھی ضامن ہے اسلئے کہ مخلوق اپنی موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی ... وہ خلقکم وما تعملون اللہ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے اعمال کا بھی۔ جس نے تمہارا وجود بنایا - وہی افعال کا بھی خالق ہو سکتا ہے بلا کوئی غیر ... خدائی میں شریک رکھتا ہے۔

پس قرآن شریف کے یہ الفاظ ... سے ہی امر سے سب کچھ پیدا ہوتا ہے توحید محض کے قائم کرنے ... تھا۔ ایسی آیات سے انسان کی مجبوری کا نتیجہ نکالنا ... تفسیر معنی ... لازمی ... بے قاعدہ ہے۔

بچھو ... سانپ بچھو وغیرہ جو انسان کی ہلاکت کا موجب ہیں شیر بھیڑیے بھیڑ چیتا وغیرہ جو انسان و حیوان کی ہلاکت کا باعث ہیں۔ زہر اور مسلات جو قاطع حیات انسان ہیں گوبر اور ہر ایک بدبو والی چیز جو انسان کیلئے سخت ناگوار ہیں یہ سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ نے ہی بنائی ہیں۔ ایسا ہی ایک شے ایک جاندار کے لئے ہلاکت کا موجب اور سخت ناگوار ہے کوئی چیز دوسرے جاندار کے لئے ناملائم اور اس کے حق میں شر۔ پس جب ان سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے اور اُسی کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ تو اگر انسانی افعال کو جو محض اس کے افراط تفریط سے شر کی ذیل میں داخل ہو گئے ہیں اور دراصل بالواسطہ ان افعال کا خالق اللہ ہی ہے جس نے ان افعال کے کاسب (انسان) کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ تو کونسا محل اعتراض ہے۔

کچھ شبہ نہیں کہ اگر عرب میں اس قسم کے خیالات والے لوگ موجود نہ ہوتے جن کا یہ اعتقاد تھا کہ کارخانہ الوہیت میں اور چیزیں بھی مستقل طور پر دخل رکھتی ہیں تو بھی افعال انسانی اور اسکی ضلالت کو اپنی طرف منسوب نہ کرتا۔ لیکن محض ان کے خیالات مشرکانہ کے استیصال کے لئے بعض اوقات خدا تعالیٰ نے درمیانی وسائط اٹھا کر اپنے علت العلل ہونیکا ذکر کیا ہے۔

پھر جب اضلال کے معنے کی طرف خیال کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں لئے ہیں۔ یعنی معاند حق اور ایک فاسق کو اپنے

کے لئے توفیق ہدایت دینا چھوڑ دیا۔ تو خدا تعالیٰ کی طرف ضلالت کا منسوب کرنا بالکل ہی قابل اعتراض نہیں رہتا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ضلالت کو اللہ کی طرف منسوب کرنا کیسے [illegible] معلوم ہوتا ہے جس طرح گوبر [illegible] وغیرہ کو اللہ کی طرف منسوب کرنا [illegible] زہریلے [illegible] کا خالق بتانا۔ [illegible] خوشبو [illegible] جنہوں نے [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب [illegible] اور [illegible] کی طرف [illegible] منسوب [illegible] اللہ سبحانہ کو [illegible] ان چیزوں کا بھی خالق اللہ ہی ہے کوئی دوسرا مستقل خالق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں ضلالت وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا۔ تاکہ مجوس کا عقیدہ جو اہرمن کو بدی کا مستقل خالق کہتے تھے۔ رد ہو جاوے اور انسان ٹھوکر سے بچے۔

قرآن شریف سے چند اور مثالیں بیان کرو جن سے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کے افعال بالواسطہ کو اپنی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح دنیا کے اور امور کو

ہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیسیوں جگہ افعال بالواسطہ کو درمیانی وسائط درمیان سے اٹھا کر براہ راست اپنی طرف منسوب کیا ہے جیسے فرمایا ہے "و انزلنا من السماء ماءً طهورا" ہم نے آسمانی بادل سے صاف پانی نازل فرمایا حالانکہ سورج کی حرارت سے سمندروں سے بخارات اٹھ کر ہوا کے ذریعہ سے خشکی پر آئے اور سرد ہوا کے لگنے سے برسے "فاخرجنا به من الثمرات رزقا لکم" پس اس سے قسم قسم کے پھل زمین سے نکالے جو تمہارے

الخوراک ہیں۔ حالانکہ انسان زمین میں بیج بوتا اور سخت محنت کرتا ہے تب قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں و ان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشاربین۔ اور یقیناً تمہارے لئے چارپاؤں میں ایک بڑی عبرت ہے ہم تمہیں ان کے پیٹوں سے گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے نہایت خوشگوار ہے۔ حالانکہ انسان کے ان کو گھاس کھلانے اور طبعی قوتوں کے اثر سے ان میں دودھ پیدا ہوتا ہے ومن آیاتہ یریکم البرق خوفا وطمعا۔ اور اسی کے نشانات قدرت میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی بیم و امید کی حالت دکھاتا ہے۔ حالانکہ برق و صاعقہ طبعی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں اور پھر فرمایا وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے اس لئے بنائے کہ باہم ایک دوسرے سے ممتیز ہو جاؤ۔ حالانکہ یہ قبیلے اور خاندان وغیرہ انسان ہی نے بنائے ہیں اور پھر کسی جگہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ اس نے تمہارے لئے رستے بنائے تاکہ ان میں چلو کشتی جو دریا میں چلتی ہے ہمارا احسان ہے۔ حالانکہ عام رستے انسان ہی کا فعل ہے ایسا ہی قدرت کی تمام اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسباب طبعیہ۔ مینہ برسنے اور رعد و برق وغیرہ کے پیدا ہونے کے جو ہیں ان سے اللہ تعالیٰ انکار کرتا ہے بالکل باطل ہے کیونکہ یہ مراتب اسی لئے خود بیان کئے گئے ہیں کہ یہ تمام چیزیں اسباب طبعیہ سے پیدا ہوتی ہیں یا سب افعال انسان سے [illegible] ہیں [illegible] انسان کے ہاتھ کی [illegible] ہیں

[illegible] یہ [illegible] ہے کہ [illegible] میں [illegible] ہیں [illegible] ہوں [illegible] اور [illegible] بات [illegible] ہی [illegible] میں [illegible] کی اور [illegible] الی [illegible]

یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ مسلمانان مجبور مطلق ہے بلکہ ایسے
ایسے موقعوں پر مذہب [illegible] مخلوط ہے۔ بیان کرنا اور ایسا علت العلل اور
مسبب الاسباب [illegible] کے نزدیک [illegible] میں
پہنچ جاتے [illegible] منسوب ہے۔

پس [illegible] نے [illegible] سے اللہ تعالیٰ نے بعض وحی
بعض [illegible] دشاعہ [illegible] علت العلل [illegible]
[illegible] میں [illegible] انسان کے اختیار کی [illegible]
نہیں [illegible] افعال کے انتساب کا ذکر کیا ہے۔

قرآن و حدیث میں جو کئی جگہ آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے اعمال کو [illegible] ہے اس کے [illegible] کیا یہ جبری تعلیم نہیں ہے

اس امر کو بھی جبر سے کوئی تعلق نہیں اور ازل سے ابد تک جو کچھ ہوا
اور جو کچھ ہوگا سب اُسے معلوم ہے انسان نے بھی جو کچھ اپنے اختیار
و علم الٰہی [illegible] سے کیا اور جو آیندہ کریگا سب اُسے معلوم ہے اس کے
علم سے مخفی نہیں۔ تمام اہل مذاہب کا اس پر اتفاق ہے [illegible] اگر اللہ
تعالیٰ نے اپنے علم قدیم سے سب کچھ معلوم کرکے پہلے سے لوح محفوظ پر
جو [illegible] کے نزدیک تعینات عالم ثانی لیک مکان قرار دیا گیا ہے اور
[illegible] کے نزدیک علم الٰہی کو اس سے استعارہ کیا گیا ہے۔ لکھ دیا
تو [illegible] سے کوئی علاقہ نہیں اور اسمیں جو کچھ خفی اور مشکل ہے
[illegible] کا ہے نہ کہ اس کے عالم الغیب ہونے سے انسان کے
اعمال [illegible] بھی کچھ جبر یا تعلق لازم آتا ہے بفرض محال خدا تعالیٰ کے
وصف عالم الغیبی سے اگر قطع نظر کریں یعنی تھوڑی دیر کے لئے ملن

نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ غیب دان نہیں ہے اور اس نے انسان
کو خود مختار بنایا ہے جس کی وجہ سے وہ بھلے یا بُرے کام کرتا ہے تو
بھی انسان سے وہی افعال سرزد ہوں گے۔ جو اس کے عالم
الغیب ہونے کی صورت میں سرزد ہوتے ہیں نتیجہ اُن کے یہ ظاہر
ہے کہ اس میں جو کچھ خوبی ہے عالم الغیب کی ہے یہ بات کو انسان کے
جبر سے کچھ علاقہ نہیں ہے انسان کو اس نے کوری تختی کی طرح پیدا کیا
ہے اور انہیں کسب افعال کا ارادہ و اختیار پیدا کر دیا ہے یہ وہ
خود بُرے بھلے جیسے نقوش چاہیں اپنے لوح دل پر لکھتے انہی کے موافق
مراتب و مناسب ہوگا۔ مگر اس اختیار سے انسان جیسے افعال کریگا۔
وہ بھی اللہ کو معلوم ہیں ان افعال پر بہشت یا دوزخ جو کچھ اُسے ملیگا
اُس کا بھی خدا تعالیٰ کو علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کے خلاف ہونا
ممکن نہیں جو کہ قدیم علم اور قدیم قدرت اور قدیم ارادہ سے (جو اسکو
انسان کے خود مختار پیدا کرنے برے بھلے کام کے عوض جزا سزا دینے پر تھا
جو کچھ انسان کی خود مختاری سے ہونا تھا۔ وہ اس نے مقدور معلوم کر
رکھا ہے اس علم و تقدیر کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر ایسا
ہو تو اس کا علم غیب بہ نسبت افعال مکسوبہ عباد جھوٹا اور خلاف واقع
ٹھہرتا ہے حالانکہ علم الٰہی ہرگز جھوٹ اور خلاف واقع نہیں ہو سکتا ہے جو
لوگ اپنے افعال کے باعث قابل جنت یا قابل دوزخ ہیں وہ سب
اس کو معلوم ہیں۔ جو لوگ اس کے قدیم علم میں اتمام حجت کے بعد اپنے
افعال بد کے موجب دوزخی ہیں ہرگز انکا بہشتی ہونا ممکن نہیں اور جو اپنے
افعال حسنہ کے سبب بہشتی ہیں ان کا دوزخی ہونا محال۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو
تو خدا کا علم غیب بہ نسبت نجات ابدی عذاب ابدی انسان جھوٹا ٹھہرتا ہے
جو شان خداوندی سے بعید ہے جو ہونا تھا اُسکے اپنے علم غیب سے پہلے
سے معلوم ہے اور یہی ہے علم بالغیب و اخبار بالغیب لوح محفوظ پر لکھا گیا
بقول عوام الناس تقدیر ربانی ہے۔ لیکن کسی حالت میں اسے جبر سے
کوئی علاقہ نہیں عالم الغیب کے علم ازلی کے مطابق ہونا جبر نہیں ہے
سیدنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرماتے

ہیں ہو الذی قدر الاشیاء و قضاها و لا یکون فی الدنیا ولا فی الاخرۃ شئی الا بمشیتہ و علمہ و تقدیرہ وقدرہ و کتبہ فی اللوح المحفوظ ولکن کتبہ بالوصف لا بالحکم۔ وہی اللہ ہے جس نے مقدر کیں اشیا کو اور اپنا محکوم بنایا اور دنیا و آخرت میں کچھ نہیں ہوتا۔ مگر اُسی کے قدیم ارادہ اور قدیم علم اور قضا اور قدر اور لوح محفوظ میں لکھنے کے موافق لیکن لکھنا وصف (عالم الغیبی) کے ساتھ ہے۔ حکم کے ساتھ نہیں اسکے حاشیہ پر شارح لکھتا ہے۔

وصف کہتے ہیں لکھنے کو۔ یعنی یوں لکھنا۔ کہ فلانا آدمی فلانی فلانی برائی بھلائی ان وصفوں کے ساتھ فلانے فلانے زمانے فلانے فلانے مکان میں اپنے اختیار سے کریگا۔ نہ اس طرح کہ [illegible] زبردستی اس کام کے کرنے کا۔

اب بات بالکل صاف ہے کہ خدا تعالےٰ نے انسان کو بنایا۔ اُسے نیک و بد کام کرنے کا اختیار دیا۔ اُس اختیار سے انسان جو جو کام کریگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور اُس نے پہلے سے لکھ رکھے ہیں (یا اسے معلوم ہیں) مگر اس بات کو جبر سے کچھ علاقہ نہیں اور نہ خدا اس طرح کا جابر قاہر ہے۔ کہ خواہ مخواہ لوگوں سے بُرے کام کروائے اور پھر آپ ہی سزا دے۔ اگر وہ ایسا ہی جابر اور ظالم ہوتا۔ تو نہ نبی بھیجتا نہ کتابیں نازل کرتا نہ ہدایت کے اور سامان بہم پہنچاتا۔ ہدایت کے تمام اسباب بہم پہنچانا ظاہر کرتا ہے کہ وہ جابر نہیں۔ ظالم نہیں۔ گو اُس نے اختیار دے رکھا ہے مگر چاہتا ہے کہ [illegible] نیکی کا کام کرے برائی سے باز آئے۔ بہشت [illegible] کرے [illegible] جائے [illegible] رحمت کا مزا چکھے اور غضب [illegible] [illegible] بات [illegible] بات [illegible]

اللہ تعالیٰ [illegible] دیا ہے [illegible] کے لئے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] معلوم [illegible] اُس نے اپنے [illegible] لگا رکھا ہے۔

[illegible] علم الغیب [illegible]

اُس نے پہلے سے ہر ایک آدمی کو آگاہ کر دیا - کہ تم فلاں فلاں کام بُرا کرو گے - اُس سے بچ کر رہنا - یا کیوں نہ اُس نے تمام انسانوں کو مجہول بالخیر پیدا کر دیا - تاکہ کوئی شخص بُرا کام کرنا ہی نہ پاتا - تو اُس کے جواب میں یہ گذارش ہے کہ مجہول بالخیر ہونے سے نہ تو انسان کی کوئی فضیلت ہوتی نہ وہ قوت اختیاری سے کوئی کام کر سکتا - نہ وہ فرشتوں سے بڑھ سکتا - کیونکہ دو طرفہ کام کرنے کے جذبات اور جذبۂ نفسانی ضمیمہ کا بُرے جذبات کو چھوڑ کر اعلیٰ درجہ کا میدان جیت کر تقوی و طہارات میں گوئے سبق لیجانا ہے یہ انسان کی شرف و فضل ہے - ورنہ مجہول بالخیر ہونے کی حالت میں اُس کا کوئی شرف و کمال نہ تھا اور جذبات مخالفہ شہوت اور غضب و شیطان کے وجود میں بھی یہی مصلحت رکھی گئی ہے ۔

اس کے سوا تمام مذاہب پر یہی اعتراض ہو سکتا ہے کہ تمہارے خیال کے مطابق بھی جب اللہ تعالیٰ عالم الغیب تھا - تو کیوں نہ ایسا کیا - تم اس کا جواب کیا دے سکتے ہو پس جو تمہارا جواب ہے سو ہی ہمارا جواب ہے اور آریہ کے خیال کے موافق بھی (جو روح کو خدا کی پیدا ہوئی نہیں مانتے) جو لوگ آیندہ، گائے بھینس - چھپکلی - وغیرہ وغیرہ بننے والے ہیں - خدا نے اُن کو کیوں نہیں پہلے سے اطلاع دیدیتا - کہ تم نے فلاں فلاں بُرا کام بُرا کرم فلاں فلاں وقت کرنا ہے اور جس کے ہونے پر ہی تم نے گائے یا بھینس وغیرہ بننا ہے - اس سے بچ کر رہنا - وہ بھی مکان اور زمان اطلاع دیدیتا - تاکہ انسان اس کام سے احتیاط رکھتا - یا انسان کو ایک دفعہ پہلے جنم کی سزا دیکر یا قدیم ہی مجہول بالخیر پیدا کرتا رہتا - تاکہ آیندہ وہ بُرائی کی طرف جھکنے ہی نہ پاتا - پس جو کچھ آریہ لوگ جواب دیں وہی اہل اسلام کا جواب ہے -

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیوں نہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو مسلمانوں کے گھر پیدا کیا اور کیوں بے شمار مخلوق کو ہندوؤں - عیسائیوں اور آریوں - جینیوں - وغیرہ وغیرہ کے گھر پیدا کیا - تاکہ وہ اسلام کو اپنا آبائی دین سمجھکر باسانی اسیر ہو جاتے اور ہندو عیسائی وغیرہ ہونے کی وجہ سے اسلام سے انہیں تعصب اور عناد نہ ہوتا اور نہ کافر بنتے تو اسکا جواب

یہ ہے کہ ایسا اللہ تعالیٰ چاہتا تو کر سکتا تھا۔ لیکن ایسا کرنے میں ایمان بالغیب قائم نہ رہتا اور خلاف عادت طور پر انسانوں مسلمانوں کے ہی گھر میں پیدا ہونے اور دوسروں کی نسل منقطع ہو جانے کے باعث سے وہ حکمت الٰہیہ جو ایمان بالغیب قائم رہنے میں تھی فوت ہو جاتی کیونکہ ایمان بھی تک ایمان ہے کہ پردۂ غیب میں ہو۔ جب انکشاف تام یا خرق عادت ہونے لگے تو پھر ایمان ایمان نہیں رہتا۔ جس پر اجر اخروی مترتب ہو۔ اللہ تعالیٰ فیاض مطلق ہے جہاں بیج پھینکا جائیگا ضرور نشوونما دیگا۔ اُگے گا۔ وہ ایسا ظلم کر نہیں سکتا۔ کہ کسان جو بیج زمین میں ڈالتے ہیں اُن کو اُگانے سے محروم کر دے۔ جہاں کہیں جس طرح کا کوئی شخص بیج ڈالے گا اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اُگائے گا ان اللہ لیس بظلام للعبید ۝

اس کے سوا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کو عقل اور سمجھ دے رکھی ہے لا اکراہ فی الدین اسلام کے ماننے میں کوئی جبر و اکراہ ہے ہی نہیں یعنی اسلام ایسا مذہب ہی نہیں نہ اسکے عقیدے اور اصول ہی ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی زبردستی ماننا پڑے قد تبین الرشد من الغی ہدایت اور گمراہی صاف کھل چکی۔ کسی شخص کو اسکے ماننے میں عذر نہیں ہو سکتا ہر ایک شخص کو مذہب اسلام پر ایمان لانا چاہیئے۔ اور جب دیکھ چکے کہ غور اور تفتیش سے جب دوسری قومیں اسلام پر ایمان لاتی ہیں تو انکا ثواب اضعافاً مضاعفہ کئی گنا بڑھ جاتا ہے تو ہر ایک شخص کو رشک ہوتا ہے۔ کاش میں بھی کفر سے اسلام لاتا۔

معہذا یہی اعتراض دوسرے اہل مذاہب عیسائی اور آریہ وغیرہ پر بھی آ سکتا ہے کہ کیوں نہیں اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو آریہ یا عیسائیوں کے ہی گھر پیدا کرتا۔ تاکہ وہ متوارث طور پر جلد عیسائی مذہب یا وید کو مان جائیں کس لئے وہ کسی کو مسلمان کسی کو عیسائی وغیرہ وغیرہ کا جنم دیتا ہے اور آریوں پر تو اور بھی سخت اعتراض آتا ہے کہ آیا کسی جرم کی سزا میں دیتا ہے۔ تو پھر مسلمانوں کے استعمال نے فکر میں تم کیوں ہو جن لوگوں کو پروردگار نے اس سزا یا جنم میں ڈالا ہے۔ بہرحال ڈالے جائیے اور جو یونہی فطرتی طور پر پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ تو یہ صریحاً انصاف

خداوندی کے برخلاف ہے کہ بعض کو یونہی منکرین وید کے قالب میں ڈالے جس سے وہ نجات سے کوسوں دور جا پڑیں۔ اور تناسخ صاف باطل ہو گیا۔ جبکہ بغیر جرم سزائیہ قالب میں جیو ڈالے جاتے ہیں۔ اور بعض وید کے ماننے والوں یعنی آریوں کے جنم میں۔

خدا تعالیٰ کی طرف خیر و شر کے منسوب ہونیکو کسی مثال سے واضح کرو

زید ایک تیر انداز ماہر ہے جس نے عمرو و بکر و خالد کو تیر اندازی سکھا کر اس ہنر میں کامل اور قادر انداز کر دیا ہے کہ کوئی بات ان کا تیر خطا نہیں کرتا۔ اب زید کے یہ سب شاگرد جتنے تیر دنیا میں پھینکیں گے۔ اور جیسی بہادریاں دکھائیں گے۔ سب اُستاد کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر استاد یہ فن نہ سکھاتا نہ تیر اندازی کی مشق کراتا۔ تو اُن کو تیر اندازی کہاں سے آتی۔ اُن کے ہر ایک تیر پھینکنے کو اُستاد اپنی طرف منسوب کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کے یہ شاگرد اس تیر اندازی کو بے جا استعمال کرنے لگ جائیں اور بجائے جانوروں کے جائز شکار کے انسانوں کا شکار کرنے لگ جائیں۔ تو نہیں کہہ سکتے کہ شاگرد اس میں بری الذمہ ہیں۔ نہ استاد پر کوئی مذمت ہو سکتی ہے۔ استاد اس بے خوف لگنے والے ہر ایک تیر کو بسبب سکھانے اور مشق کرانے اور علت بالواسطہ ہونے کے اپنی طرف منسوب تو ایسی حالت میں بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ اگر استاد کا وجود نہ ہوتا تو تیر اندازی کا علم انہیں کہاں سے حاصل ہوتا۔ مگر اُن کا ذمہ وار نہیں ہو سکتا۔ نہ سزا بھگت سکتا ہے نہ شاگرد ہی سزا سے بچ سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ اُستاد نے باواز بلند کہہ بھی دیا ہو کہ زنہار اس تیر اندازی کو بے جا طور پر استعمال نہ کرنا نہ کسی انسان کو ہلاک کر ڈالنا ورنہ قصاص میں مارے جاؤ گے۔ جو اس بات کی ٹھیک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کام کرنے کا اختیار عطا فرما کر صاف صاف بذریعہ کلام ربانی ہدایت بھی کر دی ہے کہ زنہار اس اختیار عطیہ الٰہی اور قوائے مخلوقہ ایزدی کو بے جا طور پر استعمال نہ کرنا نہ شیاطین الانس والجن کے داؤ میں آنا ہماری ہدایات کو ماننا اور غیر کے دم میں نہ آنا الم اعہد الیکم یا بنی آدم ان لا تعبدوا الشیطان

لکم عدو مبین وان اعبدونی ھذا صراط مستقیم ولقد اضل منکم جبلاً کثیراً افلم تکونوا تعقلون ورنہ سخت سزا پاؤگے اور اپنی عاقبت کو بگاڑلوگے

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں کیا۔ تو پھر کیوں فرمایا۔ وتمت کلمۃ ربک لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین

یہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود میں فرمایا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ امم سابقہ کی نافرمانی اور فتنہ انگیزی شرارتوں اور اونکی ہلاکت کا ذکر فرماتا ہے۔ اور آخر میں فرماتا ہے وماکان ربک لیھلک القریٰ بظلم واھلھا مصلحون۔ اور تیرا پروردگار ایسا ظلم نہیں کرتا کہ بستیوں کو ناحق ہلاک کرتا رہے۔ اور وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں۔ وہاں ہی اللہ تعالیٰ آخر میں فرماتا ہے کہ امتیں اپنی بداعمالیوں شرارتوں۔ اور اختلاف فی الدین ہی کی وجہ سے اس سزا کے قابل ہوئیں۔ اور تیرے رب کا فرمودہ (وعید الٰہی) ان کی نسبت پورا ہوا۔ کہ میں اس قسم کے جنات اور بنی آدم سب سے جہنم کو بھر دونگا۔ سو یہ گزشتہ امتوں کی کرتوتوں پہ وعید الٰہی کے پورا ہونے کا ذکر ہے۔ اور یہ صرف ایک حاکمانہ حکم کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح حاکم باختیار باغیوں کی نسبت حکم دیتے ہیں۔ کہ ہم باغیوں سے جیلخانہ بھر دینگے۔ ایسا ہی یہاں ارشاد الٰہی ہے۔ اس کو جبر سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ سورہ ص میں خود شیطان کی طرف خطاب ہے کہ لاملئن جھنم منک وممن تبعک منھم اجمعین۔ تجھ سے اور جو تیری پیروی کرینگے۔ ان سب سے جہنم کو بھردونگا اور یہ بھی شیطان کو دھمکی ہے۔ کہ میں تجھ سے اور ان لوگوں سے جو تیری پیروی کرینگے۔ دوزخ کو بھر دونگا۔ اس کو بھی جبر سے کوئی علاقہ نہیں۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ریا پایا جاتا ہے۔ کہ

خواہ مخواہ جبر کے طور پر لوگوں کو جہنم میں ڈالے۔ بلکہ جو لوگ شیطان کی اطاعت اور اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے لائق ٹھہریں انکو جہنم میں گرایا جائیگا۔ سورۂ ہود میں جو اُمم سابقہ کی نسبت دوزخ کے وعید الٰہی پورا ہونے کا ذکر ہے۔ اس میں اس دوسری آیت ہی کی طرف اشارہ ہے جو اُمم سابقہ کی ہلاکت سے پیشتر فرمائی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا۔ کہ ہم نے بہت سے جن و انس جہنم کے لئے بنائے ہیں ولقد ذرانا لجہنم کثیراً من الجن والانس الخ کیا یہ جبری تعلیم نہیں؟

قرآن شریف میں یہ ل استعارہ بالضد کے لئے آیا ہے[۲]۔ جس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اصل میں تو اُنکو جہنم کے لئے پیدا انہیں کیا تھا۔ مگر اپنے اعمال مکسوبہ کی وجہ اور خداداد طاقتوں سے کام نہ لینے کے باعث گویا وہ جہنم کے لئے مخلوق اور دوزخ کا ایندھن بن گئے۔ قرآن شریف میں ایسا کلام اور بھی کئی جگہ آیا ہے۔ جیسے فالتقطہ اٰل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا حضرت موسیٰ ؑ کو فرعون کے لوگوں نے اُٹھا لیا۔ تاکہ اُن کے لئے دشمن اور غم کا موجب ہو جائے۔ درحقیقت فرعون والوں نے حضرت موسیٰ ؑ کو اس لئے نہیں اُٹھایا تھا۔ کہ اُن کے لئے عداوت اور مصیبت کا باعث ہو بلکہ

[۱] بلکہ ایسا فرمانے میں تنبیہ اور ہدایت ہے۔ کہ کسی شخص کو مناسب نہیں کہ شیطان کی اطاعت کرکے اس کا ساتھی بنے۔

[۲] عربی میں اور خصوصاً قرآن شریف میں لام استعارہ بالضد کیلئے بہت جگہ آیا ہے اور ہر زبان میں ایسا آتا ہے۔ جیسے گلستان میں ہے کہ گفتم ہیں چرا او کا جبتہ از خرخواستہ است سو در ایک باپ نا خلف لڑکے کی نسبت کہتا ہے یہ لڑکا میں نے اپنے دکھ کیلئے جنا تھا۔

جنت اور جنت کے لئے اٹھایا تھا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا۔ اس لئے استعارہ بالضد کے طور پر ایسا کہدیا گیا ہے۔ ایسا ہی اللہ تعالے نے استعارہ بالضد کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ کہ ہم نے بہت سے جن و انس کو گویا جہنم کے لئے ہی بنایا ہے۔ کیا سبب کہ انہوں نے اپنی خدا داد طاقتوں سے کام نہ لیا۔ لھم قلوب لا یفقھون بہا ولھم اذان لا یسمعون بہا ولھم اعین لا یبصرون بہا۔ اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون اُن کو دل دئے گئے۔ مگر وہ اُن سے سمجھتے نہیں۔ اُن کو قدرت کی طرف سے کان عطا ہوئے۔ مگر وہ اُن سے سُنتے نہیں۔ اُن کو آنکھیں دی گئیں۔ مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں۔ یہ لوگ چوپاؤں کی طرح زندگی بسر کرنے پر قانع ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔ یہ لوگ خدا اور روز جزا سے بالکل ہی غافل ہیں۔

پس وہ اپنے ہی اعمال کے سبب اور خدا داد قوتوں سے کام نہ لینے کی وجہ سے جہنم کا موجب ہوگئے ہیں۔ خدا نے اُن کو درحقیقت جہنم کے لئے نہیں بنایا تھا پر اُن کے اعمال بد اور حالت غفلت کی وجہ سے گویا جہنم ہی کے لئے مخلوق کیا۔ اور ل علت کا حرف استعارہ بالضد کے طور پر مستعمل ہوا ہے۔ جسمیں خدا کے جبر کو ذرا بھی دخل نہیں۔ بلکہ درحقیقت بہشت ہی کے لئے پیدا کرنا مقصود الہی تھا۔ پر وہ مخالفانہ کام کرکے گویا دوزخ ہی کے لئے مخلوق ہوگئے۔

خدا تعالیٰ جو قرآن شریف میں کئی جگہ فرماتا ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے محروم کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عذاب کرتا ہے۔ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے۔ کیا یہ جبر اور دھکم دھکا

نہیں ہے؟

بے شک قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے۔ کہ وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔ لیکن ہر ایک کا چاہنا اس کی ذات وصفات کے حسب حال ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ چونکہ عدل محض اور حکیم مطلق بھی ہے۔ اس کا چاہنا بھی عدل انصاف اور حکمت کے موافق ہوگا۔ نہ بے انصافی اور ظلم پر مبنی۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ان اللہ لیس بظلام للعبید خدا بندوں پر ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔ اور پھر فرماتا ہے ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء لا الہ الا ھو العزیز الحکیم وہی اللہ ہے جو ماؤں کے رحموں میں تمہاری صورت بناتا ہے۔ جس طرح پر چاہتا ہے اس مصور حقیقی کے سوائے کوئی قابل عبادت وعظمت حقیقی کے نہیں ہو سکتا۔

لیکن وہ ماؤں کے رحموں میں صورتیں کس طرح بناتا ہے۔ اس کا جواب آیت کا آخری حصہ دیتا ہے۔ کہ وہ عزیز اور حکیم ہے۔ اس کا چاہنا قدرت اور حکمت پر مبنی ہے۔ جیسا مادہ منویہ انسان اللہ تعالیٰ کو ملتا ہے۔ ویسا انسان کا پتلا اور صورت وشکل بنا دیتا ہے۔ اور جیسا اس نے قانون قدرت وآئین حکمت مقرر کیا ہے۔ ٹھیک ٹھیک اس کے موافق شکل بناتا ہے۔ اپنی آئین سے ہرگز تجاوز نہیں کرتا نہ کسی پر جبر یا ظلم روا رکھتا ہے۔

پھر فرمایا۔ یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم الذی خلقک فسوٰک فعدلک فی ای صورۃ ما شاء رکبک۔ اے انسان تو اپنے مربی اور کمال بخشش اور رحم والے خدا کے بارہ میں کیوں دھوکا کھا گیا (اس کو چھوڑ کر دوسروں کو کیوں معبود جاننے لگا) جس نے تجھکو منی سے پیدا کیا۔ پھر تیرے بدن کے حصوں کو ٹھیک ٹھیک کیا۔ پھر حالت اعتدال پر لایا۔ اور جس صورت شکل میں چاہا (یعنے مقتضائے حکمت سے مناسب جانا) جوڑ جاڑ دیا۔

پس اللہ تعالیٰ کا چاہنا کہ قرآن شریف میں جہاں جہاں مذکور ہے حکمت خاصہ پر مبنی ہے۔ اندھا دھند اور حکمت حقہ کے بغیر نہیں۔
ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں فرمایا ہے کہ جسکو چاہتا ہے راہ پر لاتا ہے۔ جسکو چاہتا ہے بے راہ کرتا ہے۔ سب جگہ چاہنا سے مراد اور تقاضائے حکمت سے مناسب جاننا) اور فقرہ یضل بہ من یشاء و یہدی من یشاء سے یہی مطلب ہے کہ جسکو اپنے نزدیک مناسب سمجھتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور جس کو مناسب جانتا ہے ھدایت سے محروم رکھتا ہے۔
اب اس کے لئے اصول کہ وہ کس کے لئے ہدایت دینا چاہتا (یعنی مناسب جانتا ہے) اور کس کے لئے نہیں چاہتا (مناسب نہیں جانتا ہے) کلام ربانی میں یہ ہے کہ والذی جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ جو لوگ ہماری راہ میں سعی کرتے ہیں۔ ہم ضرور ضرور انہیں راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔ و ان اللہ لیضیع عمل عاملٍ منکم من ذکر او انثیٰ اور خدا تم میں سے کسی کام کرنیوالے کا کام ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو یا عورت وہ ہر ایک ہدایت کے طالب کو ضرور ہدایت دیتا ہے۔ لیس للانسان الا ما سعی۔
اور جو خدا سے ہدایت لینا چاہے اور آسے چھوڑ دے۔ خدا بھی جبراً ہدایت دینا ضرور نہیں سمجھتا۔ بلکہ گمراہی کے طالب کو گمراہ کر دیتا ہے اور خدا کا گمراہ کرنا بھی گمراہی میں چھوڑ دینا ہوتا ہے۔ وترکھم فی ظلمت لا یبصرون ط ویمدھم فی طغیانھم یعمھون ہ اُن کو اندھیروں میں چھوڑ دیتا ہے۔ دیکھتے نہیں اور اُنکو اُنکی سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے بھٹکے رہتے ہیں۔
غرضکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ بات بعید ہے کہ کسیکو جبراً ضلالت پر مجبور کرے۔ جب وہ ہدایت پر جبر کسی کو نہیں کرتا۔ تو ضلالت پر جبر کرنا اُس خیر محض سے کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ اں جیسا جیسا فعل انسان کرتا ہے اور جیسی جیسی حالت اپنی بناتا ہے۔ اُس کے موافق اللہ تعالےٰ اُس سے پیش آتا اور ویسی جزا دیدیتا ہے۔ وہ آپ سے آپ دور ہونیوالوں

کو جبراً ہدایت نہیں دیتا اور اپنی مرضی سے اُس کی طرف قدم اُٹھانے والوں کو ہدایت سے محروم نہیں رکھتا۔ اُس کا کسی کو ہدایت سے محروم رکھنا یا ہدایت کی راہ پر لانا خاص قانون حکمت پر مبنی ہے اور قانون یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔ کہ جو شخص اللہ کی طرف قدم اُٹھاتا ہے۔ وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے مقرب بنا لیتا ہے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف قدم نہیں اُٹھاتا۔ نہ اُس کی پرواہ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ بھی اسکی کچھ پرواہ نہیں کرتا تولوا واستغنوا واستغنی اللہ یعنی کفار نے خدا سے مُنہ پھیرا اور بے پرواہی کی تو اللہ نے بھی اُن کی کچھ پرواہ نہیں کی فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم واللہ لایھدی القوم الفاسقین۔ جب یہ لوگ ٹیڑھے ہوگئے۔ تو خدا نے بھی اُن کے فعل کی جزا میں اُن کے دل ٹیڑھے کر دئیے اور یہ خدا کا قانون ہے کہ جو لوگ اپنے ارادہ و مرضی سے اُس کے حدود کو چھوڑ دیں وہ بھی جبراً اُنکو ہدایت کی راہ پر نہیں لایا کرتا۔

ہدایت الٰہی و اضلال الٰہی کے کیا معنی ہیں؟

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیراً خدا تعالیٰ اس قرآن شریف سے بہتیروں کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت کرتا ہے۔ تمام مخالفین اس آیت پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو گمراہ کرے۔ یا فیضان ہدایت سے محروم رکھے۔ وہ ہادی مطلق ہے۔ اسکا کام ہے کہ سب اشخاص کو ہدایت ہی دے۔

فاما الجواب۔ سو واضح ہو کہ خدا تعالیٰ بیشک ہادی مطلق ہے۔ اُس کا کام ہمیشہ ہدایت دینا ہی ہے۔ ہدایت ہی کے سامان اُس نے دنیا میں پیدا کئے۔ انبیاء بھیجے۔ مرسل مبعوث کئے۔ کتابیں بھیجیں۔ غرضکہ ہدایت کا اُس نے ایسا سامان مہیا کر دیا ہے۔ جو کسی شخص کو ہدایت سے خالی نہیں

رہی۔ سارے عالم پر اُس نے حجت پوری کر دی ہے۔ اسلام کا آفتاب
توحید کا نور سارے جہان میں چمک رہا ہے قد تبین الرشد من الغی
اب جو شخص دیدہ و دانستہ اس آفتاب صداقت سے مُنہ پھیرے یا اپنی آنکھیں
بند کر لے آفتاب کا کوئی قصور نہیں ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

آفتاب اپنی روشنی برابر دیتے جا رہا ہے اور اسکی تیز شعاعیں سارے جہان
پر پھیل رہی ہیں۔ اور ہر گوشہ دنیا کو روشن کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن جو
شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے۔ وہاں آفتاب کی روشنی کا گذر کیسے
ہو؟ خدا جبراً اُس کے گھر کے اندر روشنی ڈال نہیں سکتا۔ اللہ تعالے نے
جو قانون مقرر کیا ہے اسی اصول کی ہدایت پر چلنے سے نور آفتاب سے
مستفیض ہو سکتے ہیں۔ خارق عادت خدا تعالیٰ بھی اُس شخص کے گھر میں
نور داخل نہیں کر سکتا۔

اسی طرح اللہ تعالے کا آفتاب اسلام یا نور قرآن برابر دنیا میں روشن
ہے۔ لیکن جو شخص اس سے مستفیض ہونا نہ چاہے اور اس کی ہدایتوں کے
برخلاف عمل کرے خدا جبراً اُسے ہدایت کی طرف نہیں لاتا۔ خدا جبر کرنا
چاہے تو ابھی سارے جہان کو مسلمان کر دے۔ ولو شاء لهداكم اجمعين
لیکن جب اس نے انسان کو اختیار دیدیا ہے تو جبر انسان کے اختیاری
ارادہ پر ہی انسان کو ضلالت یا ہدایت نصیب ہوگی۔ اگر وہ اللہ تعالے
سے ہدایت لینا چاہے تو اللہ تعالے ہدایت دیدیگا۔ اور اگر ہدایت کی
قبولیت سے اعراض کرے تو خدا تعالے بھی جبراً اُسے ہدایت کی راہ پر کھڑا
نہ کریگا۔ یہی ہدایت کی راہ پر جبراً کھڑا نہ کرنا۔ اور سرکش انسان کو اسکی
گمراہی میں پڑا رہنے دینا اضلال الٰہی ہے۔ اللہ تعالے کسی کی گمراہی نہیں
چاہتا۔ ہر شخص کی نسبت وہ بھلا ارادہ رکھتا ہے۔ اور یہی چاہتا ہے کہ وہ
اسلام اور سچائی کی راہ پر قائم ہو جائے۔ فطرت اللہ التی فطر الناس
علیہا لاتبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس
لا یعلمون ہر شخص کو مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت (دین الٰہی) پر
قائم رہے۔ جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ فطرت اللہ میں تبدیلی

کرنی مناسب نہیں۔

لیکن جو شخص جان بوجھکر اپنے ارادہ اختیار و ضلالت میں رہنا چاہے۔ خدا بھی جبراً دھکیل کر اُسے اسلام کی طرف نہیں لاتا۔ ان اللّٰہ لا یھدی القوم الفاسقین یقیناً خدا اپنے ارادہ و اختیار سے بے حکمی کرنیوالوں کو بجر ہدایت نہیں دیتا۔

یہی معنے ہیں اضلال الٰہی کے۔ یعنی خدا تعالیٰ کا سرکش انسان کو جبراً ہدایت کی طرف نہ لانا اور اُس کو اپنی اختیار کردہ گمراہی میں پڑا رہنے دینا۔

اللہ تعالیٰ بجز اُس شخص کے جو اپنے ارادہ و اختیار سے فسق و فجور اور کفر و ضلالت میں پڑا رہنا چاہئے۔ کسی کو ہدایت سے محروم نہیں رکھتا۔ اور صرف محروم اُنہیں رکھتا ہے جو اُس کے مقرر کردہ قوانین و حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ اور سنن الٰہی کی مخالفت اختیار کرکے اپنے پاؤں آپ کلہاڑی مارتے ہیں اور آفتاب ہدایت سے آنکھیں موند لیتے اور در دل بند کرلیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ اس آیت کے آگے ارشاد فرماتا ہے وما یضل بہ الا الفسقین الذین ینقضون عھد اللّٰہ من بعد میثاقہ اور خدا تعالےٰ اس کلام ربانی کے چشمہ رحمت سے کسی کو محروم نہیں رکھتا۔ بجز اس شخص کے جو اپنے ارادہ و اختیار سے حدود الٰہی سے تجاوز کرے۔ قوانین الٰہی کو توڑے۔ اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ جو اُس نے پکا عہد باندھا۔ اُس عہد کا نقض کرے۔ یعنی فطرت سلیمہ کے منشارہ پر نہ چلے۔ اور اُس کی فطرت میں جو توحید کا نقش ہے اُس کو دل پر سے دھو ڈالے اور سنن الٰہی اور قوانین خدائی کی کچھ پرواہ نہ کرے اولٰئک ھم الخسرون یہی لوگ نقصان اُٹھانیوالے ہیں جو قوانین الٰہی کی مخالفت سے خسارہ میں پڑے۔

یہ ہیں اضلال الٰہی کے معنے۔ اضلال الٰہی قوانین الٰہی کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کا انسان کو صراط مستقیم سے محروم رکھنا ہے۔ اور یہ اُس کی کرتوتوں ہی کی مکافات ہے اور ہدایت الٰہی نیک اعمال

کی پاداش ہے جو انسان کو اُس کے نیک اعمال کے بدلے میں استقامت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی کے موافق آریہ مسافر میگزین جالندھر نے ۱۹ ماہ دسمبر ۱۹۱۷ء کے صفحہ ۹ میں رگوید کے ایک منتر کا ترجمہ لکھا ہے۔

"میں بے عیب انسان اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے جو تعریف کے قابل اور قبول کرنے کے لائق ثروت ہے۔ اُسے میں یقیناً تیرے لئے بدل اعمال دیتا ہوں اور عیب والوں کو اس ثروت سے محروم رکھتا ہوں (رگوید سکت ۲۴ منتر ۴)"

آریہ مسافر میگزین اس منتر کی شرح میں صفحہ ۰ میں لکھا ہے پرماتما کو گرہن کرنے کی ضرورت تو جتلائی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کا بھی گیان ہو گیا۔ کہ اس گرہن کے لئے بڑے بڑے سادھنوں کی ضرورت ہے۔ اُن سادھنوں کا کمزور انسان کیسے انوشٹھان کر سکے۔ جسقدر بھاری بوجھ ہو۔ اُٹھانیوالے کو اُسی قدر زیادہ مضبوط ہونے کی ضرورت ہے۔ جیسا دربار ہو۔ اُس کے اندر جانے کے ٹ ویسے ہی اوصاف کی ضرورت ہوا کرتی ہے پرمیشور شدھ سروپ ت وہ پوتر آتما ہے۔ بے عیب ہے۔ کیا اشدھ ناپاک۔ عیبوں سے پُر گرے ہوئے انسان کے لے اُس کے دربار میں پہنچنا ممکن ہے۔ لیکن کمزور انسان یکدم سے پاکیزگی کیسے حاصل کر سکے؟ یہ خیال کمزور انسان کو سخت دیاکل کر دیتا ہے۔ لیکن وید پھر اسکی تسلی کرتا ہے۔ وہ چوتھے شبدوں میں جتلاتا ہے۔ کہ جو انسان عیبوں سے پاک ہونے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ پرمیشور خود اُس کو پاکیزگی کی طرف پھیرتے ہیں۔ اُس کے لئے اعلیٰ ثروتوں کے ایسے سامان مہیا ہو جاتے ہیں۔ کہ اُس کی طبیعت دھرم کے راستہ سے کبھی ڈانواں ڈول نہیں ہوتی۔ کیونکہ آدمی کو پھل منشیہ اوشیہ ملتا ہے۔ پرماتمانے جملہ جہان کا انتظام ہی کرموں کی پرواہ نہ کر رکھا ہے۔ سائیں تلسی داس جی نے کیا ٹھیک کہا۔

دوہا

کرم پردھان وسو رچ راکھا ✦ جو جس کرے سو تس پھل چاکھا ✦ پس جوں جوں

انسان نیک کام کریگا۔ توں توں اُسے نیکی کا پھل ملتے ہوئے اُسکی شردھا نیکی کیطرف بڑھے گی۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ نیکی کی طرف چلتا ہوا آخرکار پرماتما کے پاک دربار میں پہونچنے کا ادہکاری بنے گا۔ لیکن جو انسان عیبوں سے پُر ہے اُسکو کبھی بھی وہ ثروت نہ مل سکیگی۔ جو کہ اُسے دھرم کے راستہ میں چلنے کے لئے مدد دے سکے۔

پس یہی قرآن شریف کے موافق اضلال آلہی و ہدایت آلہی ہے۔ یعنے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جد و جہد کرنیوالے کو توفیق ہدایت ملنا ہدایت الٰہی ہے۔ اور عیبوں سے پُر انسان کو اُس ثروت سے محروم رکھنا اضلال الٰہی ہے۔

پس آریہ لوگ جو قرآن شریف کے لفظ اضلال پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ وید کے مذکورہ بالا منتر کی طرف بغور نظر ڈالیں۔ کیونکہ ہمارے خیال میں قرآن شریف اور وید اس مسئلہ میں بالکل متحد ہیں۔

پھر رگوید اشٹک ۱۔ ادھیا ۴ ورگ ۹ منتر ۲ میں ہے۔ میری یہ اشیرباد (دعا) انہی لوگوں کے لئے ہے۔ جو نیک اعمال اور نیکو خصال ہیں۔ نہ اُن کیلئے جو رعیت پر ظلم و ستم کرنے والے ہیں یعنی بدکار ظالموں کو کبھی اشیرباد نہیں دیتا۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ٹھہرگیا بھی صرف ضلالت و مخالفت دین کی طبیعت ثابت ہونیکا نام ہے۔ اور یہ مخالفت دین الٰہی کی سزا ہوتی ہے جیسا کہ پنڈت دیانند صاحب بھی ستیارتھ پرکاش (اردو ترجمہ ماسٹر آتما رام کے صفحہ ۱۴۵ میں فرماتے ہیں۔ جو وہموں نے کسمد ربہ اودھیا (جہالت) کی ترقی کی ہے۔ جس کی نظیر اس کے سوائے دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ یقین تو یہی ہے کہ وید اور ایشور سے مخالفت کرنے کا اُن کو یہی نتیجہ ملا ہے۔

یہی مضمون یجروید ادھیائے ۲۵ منتر ۴ میں یوں ادا کیا گیا ہے۔ جو پرمیشور علم وغیرہ عطا کرنے والا اور جس کے ظل حمایت و پناہ و عنایت سے محروم ہونا ہی موت یعنی متواتر جینے مرنے کے چکر میں پڑنا ہے۔

ے یہی اس آیت کا ترجمہ ہے۔ ان اللہ لا یہدی القوم الظٰلمین۔

اضلال الہی توفیق ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ اور کوئی امر توفیق الہی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پنڈت دیانند صاحب بھومکا صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں۔ اس ایشر کے دھرم کو ماننا ہر انسان پر یکساں فرض ہے۔ اور چونکہ اس کی مدد کے بغیر سچے دھرم کا گیان اور پابندی او تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہر انسان کو ایشر سے اس طرح مدد مانگنی چاہئے۔

اے اگنی عہد و صداقت کے محافظ میں سچے دھرم پر چلوں گا یعنی اُسکی پابندی کرونگا۔ اے پرمیشور مجھے سچے نیک چلن اور دھرم پر عمل کرنے کی طاقت ہو۔ آپ مجھکو ہمت دیجئے۔ کہ میرا یہ سچے دھرم کا عہد آپ کی عنایت سے پورا ہوا۔ عہد یہ ہے کہ میں آج سے سچے دھرم کی پابندی اور جھوٹے گمراہ چلن اور ادھرم دوری اختیار کرتا ہوں۔ دیجروید (ادھیا منتر ۵)

مذکورہ بالا منتر سے اظہرمن الشمس ہے کہ توفیق خداوندی کے بغیر انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ اور خدا تعالیٰ سے توفیق حاصل کرنے کے لئے بھی طلب اور ارادت ضرور ہے۔ نہ تقاعد و تکاسل۔ سچی طلب و ارادت و جدوجہد پر توفیق ملتی ہے۔ اور یہی ہدایت الہی ہے اور تقاعد و تکاسل سے توفیق ہدایت چھن جاتی ہے۔ اور یہی اضلال الہی ہے۔ فتفکروا یا اولی الالباب۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شر پر مجبول کیا ہے یا خیر پر؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہ خیر پر مجبول کیا ہے نہ شر پر۔ بلکہ کوری تختی کیطرح سلیم الفطرت پیدا کیا ہے۔ اور اس میں کسب افعال کا ارادہ و اختیار پیدا کر دیا ہے۔ پھر وہ بُرے بھلے نقوش جیسے چاہے اپنے لوح دل پر لکھ لے۔ اسی کے موافق مثاب یا معاتب ہوگا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ دہر میں فرماتا ہے۔ انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلناہ سمیعا بصیرا۔ انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا۔ ہم نے انسان کو دو قسم قسم کے مادوں کے) مرکب

نطفہ سے پیدا کیا۔ اور اس کے بعد ہم اُسکی کئی حالتیں بدلتے رہے (نطفہ سے علقہ علقہ سے مضغہ بنایا۔ پھر بدن پر گوشت پوست پہنایا) پھر ہم نے اس کو دیکھتا سنتا بنا دیا۔ پھر ہم نے اس کو دین کا راستہ دکھا دیا۔ اب وہ خواہ شکر گذار (مسلمان) بن جائے۔ خواہ ناشکر (کافر اور منکر) اور پھر فرمایا الحق من ربکم فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر۔ دین برحق تمہارے رب کی طرف سے آچکا سو جو شخص چاہے ایمان لائے جو شخص چاہے کفر کرے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ایک بالاتر ہستی کا اقرار ضرور ودیعت کیا ہے۔ پس اگر خارجی اسباب اُس کے مانع نہ ہوں اور صحبت بُری نہ ہو جائے۔ تو ضرور صاحب تمیز ہونے کے بعد اس کے لوح دل پر توحید الہی کے نقش مرتسم ہوں اور خدا کی ربوبیت کا قائل ہو جائے۔ اس مضمون کو ہمارے رسول خدا صلعم نے اس حدیث میں مذکور فرمایا ہے کل مولود یولد علی الفطرت الاسلام فابواہ یھودانہ او یمجسانہ او ینصرانہ۔ ہر ایک بچہ انسان کو قبول کرنیوالی فطرت پہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے ماں باپ یا اُسے یہودی بنا لیتے ہیں یا مجوسی یا نصارا۔ پس اثر صحبت سے کفر و شرک اختیار کر لیتا ہے اور اسکی اصلی فطرت اسلام ہی کو قبول کرنے کے لائق تھی۔ قرآن شریف میں بھی اللہ تعالی یہی فرماتا ہے فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم و لکن اکثر الناس لا یعلمون فطرت الہیہ وہی فطرت ہے جس پر اللہ نے انسان کو بنایا ہوتا ہے (یعنی اسلام کے قبول کرنیکے لایق اور ربوبیت کا اقرار کرنے والی) خدا کی پیدائیش میں رد و بدل نہیں ہو سکتا (یعنی اس نے کسی انسان کی فطرت ایسی نہیں بنائی جو خدا کی توحید اور اسلام کو قبول کرنے والی نہ ہو) یہ ایک خدا کی طرف جھکنا ہی سیدھا دین کا راستہ ہے۔ پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کفر اور شرک سے فطرت الہیہ کو بدل دیتے ہیں) اور روح میں جو اقرار ربوبیت کا مودع ہے۔ اس کو اللہ نے اس لطیف پیرایہ میں ادا فرمایا ہے۔ واذ اخذ ربک من بنی

آدم من ظهورهم ذریتهم واشهدهم علی انفسهم الست بربکم قالوا بلی شهدنا ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن هذا غافلین او تقولوا انما اشرک اباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدهم افتهلکنا بما فعل المبطلون وکذالک نفصل الآیات ولعلهم یرجعون

اور جب کہ تیرے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے ان کی نسلوں کو باہر نکالا۔ اور ان کے مقابلہ میں خود اُن کو گواہ بنایا اس طرح پر کہ اُن سے پوچھا) کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب کے سب بولے کیوں نہیں۔ ہم اس بات کے گواہ ہیں۔ اور ایسا اس خوف سے کیا کہ کہیں تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہم اس تقاضہ فطرت سے آگاہ نہ تھے (یعنی ہم کو کسی نے جتایا بتایا نہیں) یا کہنے لگو کہ شرک ابتداء میں تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا۔ اور ہم اُن کی ہی اولاد تھے کہ اُن کے بعد دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو کرتے دیکھا۔ ہم بھی ویسا ہی کرنے لگ گئے تو اے خدا تو ہم لوگوں کو ان (کفر و شرک کے) بانی لوگوں کے جرم کی پاداش میں ہلاک کئے دیتا ہے۔ جنہوں نے غلطی کی۔ اور اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ (حقیقی رب کی طرف) رجوع کریں۔

وہ تعلق جو روح انسانی کو خدا کے ساتھ ہے اور ہر ایک روح انسان کی فطرت میں جو اللہ تعالے نے اقرار ربوبیت کا مادہ ودیعت رکھا ہے۔ اللہ تعالی نے اس الہامی طرز بیان میں اس خوبصورتی کے ساتھ بیان کر دیا ہے جس سے بڑھ کر کسی حکیم یا فلاسفر کی مجال نہیں کہ بیان کر سکے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالے نے انسان کے دل کو اس طرح کا بنایا ہے کہ از خود اس کو معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہے اور اکیلا ایک ہے۔ اس کے لئے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے نہ کسی سمجھانے کی حاجت۔ انسان کا دل آپ سے آپ گواہی دیتا ہے اور یہ خیال بھی خود دل سے پیدا ہوتا ہے۔ پس رب شناسی کے لئے ہر ایک کی عقل کافی ہے۔ فطرت گواہ ہے۔ اس پر جو شخص تقلید جاہلانہ پر اڑ جائے یا مشرکین

نصارا یا مجوسی کے بہکانے سے شرک اور کفر کرنے لگ جائے۔ تو اس کا اپنا قصور ہے۔ خدا نے کسی فطرت میں تثلیث یا تثنیہ کے نقش نہیں رکھے۔ بلکہ ہر ایک شخص کے دل میں توحید ہی کے نقش جمے ہوئے ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ خلق اللہ الخلق سلیماً من الکفر والایمان اللہ تعالیٰ نے خلقت کو کفر اور ایمان سے خالی پیدا کیا ہے ولم یجبر احداً من خلقہ علی الکفر ولا علی الایمان اور اپنی مخلوقات میں سے کسی کو وہ کفر و ایمان پر مجبور نہیں کرتا ہے ولا خلقھم مومناً ولا کافراً ولکن خلقھم اشخاصاً والایمان والکفر فعل العباد خدا نے انسان کو نہ مومن پیدا کیا ہے نہ کافر۔ پر اُن کو شخص شخص پیدا کیا ہے اور ایمان اور کفر بندوں کا فعل ہے وجمیع افعال العباد من الحرکۃ والسکون کسبھم علی الحقیقۃ واللہ تعالیٰ خلقھا اور سب افعال انسانی از قسم حرکت وسکون کے فی الحقیقت انسانوں ہی کے کسب ہیں۔ ہاں بسبب علت العلل ہونے کے اللہ اُن کا خالق ہے۔ واللہ خلقکم وما تعملون اللہ تمہارا بھی اور تمہارے افعال و اعمال سب کا خالق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبول بالخیر کیوں نہیں بنایا

بے شک اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو مجبول بالخیر بنا سکتا تھا۔ کہ ہرگز بدی کا خیال تک اُن کے دل میں نہ آتا اور شر کی طرف طبیعت کا میلان بھی نہ ہوتا۔ لیکن خود مختاری اور آزادی سی کوئی نعمت نہیں۔ یہی خیالات کی آزادی وصدور افعال میں ہر طرح اختیار ہی ایک بڑا بھاری کمال ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے اور اسی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات کہلاتا۔ فرشتہ سے بڑھ کر درجہ رکھتا۔ اور خلافت الٰہی کا تاج سر پہ رکھنے کے قابل بن گیا ہے۔ اگر انسان مجبول بالخیر ہوتا تو فعل مختار نہ ہوتا۔ اور نہ ہی صفت الٰہی کا

مظہر اور آئینہ حق نما بن سکتا۔ جب اپنے اختیار سے ہی کوئی کام نہ کر سکتا۔ تو اوپر جزا کا مترتب ہونا کیسا؟ خدا تعالیٰ کے صفات عدل و رحم و عفو وغیرہ کا مظہر بنتا کہاں؟ یہی ارتکاب افعال میں اختیار ہی تو مجاہدہ اور سعی کے بعد مدارج علیہ بلکہ سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر تک پہونچنے کا موجب ہے ورنہ انسان کا شرف ہی کیا ہوتا اور اس کا رتبہ فرشتوں سے کیسے بڑھ سکتا۔ یہی انسان کے اندر قوت اختیاریہ اور کسب افعال اختیار عطیہ الٰہی ہے دریغا دار جہاڑیوں (شیطانی کشتیوں) کی پہاند تھی۔ اس کے مدارج تقوی اور مراتب اعلیٰ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ بلکہ شیطان کے وجود کی فلاسفی بھی یہی ہے کہ وہ ایک روک اور سد منع ہے جسکو پھلانگ کر انسان قرب ہی کے کنارہ پر جا کھڑا ہوتا ہے۔ اسی اختیار عطیہ الٰہی سے انسان ہمت کرے تو اعلیٰ علیین۔ عرش رب العالمین تک پہنچ سکتا ہے۔ اور جو اس اختیار کو بری طرح استعمال کرے۔ تو سجین اور اسفل السافلین میں جا گرتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی شاعر نے۔

آدمی زادہ طرفہ معجونے است از فرشتہ سرشتہ و از حیوان
گر کند میل ایں شود بہ ازیں گر کند میل آں شود بہ از آں

اگر انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ خیر یا شر رکھ دیتا یعنی اُسے مجبول بالخیر یا مجبول بالشر کر دیتا تو انسان خلیفۃ اللہ کا خطاب کیسے حاصل کر سکتا۔ اور اسکی صفات کا مد کا مظہر کیسے بنتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبول بالخیر نہیں بنایا تو یہ اس ہادی برحق سے بہت ہی بعید تھا۔ کہ انسان کو مجبول بالشر بناتا۔

اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایک جگہ خوب جواب دیا ہے جو کہتے تھے کہ ہم سب کچھ اللہ تعالیٰ کے کرانے سے کرتے ہیں۔ اپنے اختیار سے نہیں۔ اور اس نے ہم کو شر پر مجبول اور بت پرستی پر مجبور کر رکھا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبول بالخیر نہیں

بتایا تو مجہول بالشر اولیٰ طور پر نہیں کیا ہوگا؟

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ سیقول الذین اشرکوا لوشاء اللہ ما اشرکنا ولا اباؤنا ولا حرمنا من شئی کذلک کذب الذین من قبلھم حتی ذاقوا باسنا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون ۔ قل فللہ الحجۃ البالغۃ فلو شاء لھدٰکم اجمعین (انعام) یعنی مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے نہ ہمارے باپ دادے نہ ہم اپنی طرف سے کسی کو حرام ٹھیراتے۔ جس طرح ان لوگوں نے خدا کا کلام نہ ماننے کے لئے حیلے تراشے ہیں اسی ان لوگوں نے جو ان سے پیشتر تھے تکذیب کی۔ یہاں تک کہ ان کے حیلے حوالے ایک طرف رہ گئے اور آخر کار پاداش عمل میں انکو ہمارا عذاب چکھنا پڑا اور ہماری طرف سے ان کو سزا ہوئی جس سے ان لوگوں کے حیلوں اور عذروں کا کھوکھلا اور باطل پن ہونا عملی طور پر ظاہر ہو گیا۔ اگر اللہ کی مرضی سے یہ شرک ہوتا تو انہیں سزا نہ ہوتی) یہ تو عملی طور پر اُن کے خیال کی غلطی ظاہر ہوئی اب رہا نقلی طور پر۔ تو کہو تمہارے کوئی سندی علم ہے تو اُسے ہمارے سامنے نکالو۔ جس سے معلوم ہو کہ شرک وغیرہ سب اللہ کی مرضی سے کیا جاتا ہے۔ تم محض اٹکل اور خیال کی پیروی کرتے ہو۔ اور بُری باتیں بناتے ہو (یعنی یہ تمہارا خیال بالکل بادر ہوا اور باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے چاہا کہ ہم شرک وغیرہ کرتے ہیں) اے نبیؐ تو ان لوگوں سے کہدے کہ تم پر الزام الٰہی کے نیچے صاف آ گئے۔ اس لئے کہ اگر وہ چاہتا اور ایسا ہی مجبور کرنے والا ہوتا تو تم سب کو ہدایت ہی نہ دیتا اور مجہول بالخیر ہی کیوں نہ پیدا کرتا۔ سو جب اُس ذات والا صفات نے تم کو مجہول بالخیر پیدا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ تو مجہول بالشر پیدا کرنا کیسے مناسب سمجھا ہوگا۔ اور انسان کا شرک اور بد اعمالیاں اس کی مرضی سے کب ہونگی۔

پھر اللہ تعالیٰ کفار کو الزام دیتا ہے۔ واذا فعلوا فاحشۃ قالوا

وجدنا علیہ آباءنا واللہ امرنا بہا۔ قل ان اللہ لا یامر بالفحشا
اور جب کوئی برا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا
کرتے پایا اور خدا نے ہم کو ایسا ہی حکم کیا کہ اے نبی تو کہہ دے کہ خدا
بری باتوں کا حکم نہیں دیتا۔
پھر فرمایا لا یرضیٰ لعبادہ الکفر اپنے بندوں کے کفر پر
وہ راضی نہیں۔ وان تشکروا یرضہ لکم اگر شکر گذاری
کرو۔ تو وہ شکر گذاری پسند اور قبول کرتا ہے۔

کلام ربانی میں دلوں پر مہر لگنے کے کیا معنی ہیں

کلام ربانی میں مہر کے معنے لاکھ یا موم کی مہر لگنا نہیں ہے نہ کوئی دل پر لاکھ یا موم کی مہر لگائی جاتی ہے بلکہ مہر لگنے سے یہاں اس کا نتیجہ مراد ہے جس طرح مہر لگانے سے حروف کاغذ پر منقش ہو جاتے ہیں۔ اسیطرح متواتر بدی اور شر کا کام کرنے سے انسان کے دل پر بدی اور شر منقش ہو کر طبیعت ثانیہ ہو جانے اور دلوں پر حق کا اثر نہ ہونے کو مہر لگنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ مہر کس طرح لگتی ہے؟

یہ ایک اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت ہے کہ جو شخص اُس کے دیئے ہوئے اعضا یا اپنے روحانی اور جسمانی قوا سے کام لینا چھوڑ دیتا ہے۔ تو وہ آہستہ آہستہ نکمے اور سست ہو کر بالکل از کار رفتہ ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے جس عضو یا جس قوت کو جس امر کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر اس سے وہ کام نہ لیا جائے اور قانون قدرت کے منشا کے

بخلاف اسکو استعمال کیا جائے تو جس ڈھنگ پہ اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ وہی نقش اور رنگ اُس میں آہستہ آہستہ اثر کرتے کرتے بالکل اسی رنگ میں رنگین اس نقش سے منقش ہو کر بد رنگ اور نقش اُس میں طبیعت ثانیہ ہو جاتا ہے اور بالکل مرتکز ہو چکنے کے بعد پھر لاکھ سعی کی جائے اُس پر سے وہ رنگ اور نقش نہیں اُٹھتا۔ اسی حالت کا نام کان یا دل وغیرہ پر مہر لگنا ہے اور اسی طرح آہستہ آہستہ ایک فعل کا کسی عضو پر اثر ہوتے ہوتے مرتکز ہو چکنے کے بعد مُہر لگ جاتی ہے۔

قانون قدرت میں اسکی مثال کیا ہے؟

قانون قدرت میں اسکی ہزاروں مثالیں ہیں۔ بعض فقیر کسی عضو سے مطلق کام نہیں لیتے تو وہ کچھ عرصہ کے بعد سوکھ جاتا ہے اور کام دینا چھوڑ دیتا ہے قسم قسم کی ورزشیں اور کھیلیں کرنے والے اپنے اعضا کو جس جس طرز کی ورزش میں لگا دیتے ہیں۔ رشتی اور پر کش ہوتے ہوتے وہی عادت اُن میں طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے۔ غرض کہ جس عضو یا قوت کو جس طرز پر لگایا جاوے۔ آہستہ آہستہ وہی اثر اس میں عادت ہوتے ہوتے طبیعت ثانیہ ہو جاتا ہے۔ خواہ اچھے کام میں خواہ بُرے کام میں اچھی ورزش میں یا بُری ورزش عربی میں عادت کا لفظ ہی ہے۔ عود سے مشتق ہے جس کے معنے بار بار کرنا ہے اور طبیعت کے معنے منتقش ہونا اور گڑ جانا ہے۔ جس سے طبع اور انطباع کے لفظ بنتے ہیں۔ کسی کام کو عادت بنالینے یعنے بار بار کرنے سے وہ انسان کی طبیعت میں گڑ جاتا اور طبیعت ثانیہ ہو جاتا ہے۔

ہر ایک بُرائی کا ترکیب دیکھ لے۔ جب پہلے پہل کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اُس کے قوائے بقیہ کیسے مضطرب ہوتے ہیں اور ضمیر اسے کس طرح ملامت کرتا ہے۔ پھر جوں جوں ہر روز وہ بُرائی کرتا جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ حیا اور اضطراب اور تامل جو شروع میں اس بدکار کو لاحق ہوا تھا کم ہوتا جاتا ہے۔ ضمیر اُسے ملامت کہتے کہتے رہ جاتا ہے۔ یہاں تک

مگر آخر کار انسان ڈھیٹھ اور بے شرم ہوجاتا ہے اور وہ شرارت و رذیلت طبیعت ثانیہ ہوجاتی ہے۔ یہی حالت ہے جسے مہر یا زنگ لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نبوی زبان میں اس حالت کی تشبیہ کس طرح کی گئی ہے

اس حالت کی تشبیہ ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں کہ انسان جب مرتکب گناہ ہوتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے پھر وہ اگر وہ اس گناہ سے تائب ہوجائے تو وہ سیاہ داغ اس کے دل پر سے مٹ جاتا ہے۔ نہیں تو اسی طرح ہر گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر بہت سے سیاہ داغ اکٹھے ہوکر اس کا دل بالکل سیاہ اور گناہوں کی ظلمت سے تیرہ و مکدر ہوجاتا ہے جسے زنگار ہونا یا مہر لگنا سے تعبیر کرتے ہیں۔

انسانی محاورات میں کوئی اس کی مثال ہے؟

سلہ کبھی عورتوں کی حمالی قوت بھی آہستہ آہستہ اسی طرح اٹھ جاتی ہے۔

نوٹ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا اخطأ خطيئة نكتت في قلبه نكتة سوداء فاذا هو نزع واستغفر وتاب صقل قلبه وان عاد زيد فيها حتى تعلو قلبه وهو الران الذي ذكر الله كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون

جس وقت انسان کوئی گناہ کرتا ہے تب ہی اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ شخص اس گناہ سے جدا ہوا اور توبہ و استغفار کیا تو اس کا دل صاف ہوگیا سیاہی دور ہوگئی اور اگر توبہ نہ کی اور پھر کوئی گناہ کیا تو ایک نقطہ اور لگ گیا اسی طرح سیاہی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ تمام دل سیاہ اور زنگار ہوجاتا ہے یہی حالت ہے جس کا بیان اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے

انسانی محاورات میں بھی جب ایسے ناصح کا مں کی بات بد ذات اور شریر لوگ بالکل نہ سنیں۔ بلکہ ہنسی۔ ٹھٹول کریں۔ تو اس قسم کے لوگوں کی نسبت اس قسم کا محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ کہ انکی عقل پر پتھر پڑ گئے۔ اُن کے کان بہرے ہو گئے۔ اُن کی سمجھ پر تالے لگ گئے۔ بات یہ ہے کہ کفر رذائل کی طبیعت میں گڑ جانے اور طبیعت ثانیہ ہو جانے کی وجہ سے اس قسم کے الفاظ فصحا کی زبان میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایسا ہی خدا تعالےٰ نے استعمال کئے۔ مہر لگنے کے اسباب تبادلے چاہئیں۔ ... اور فسق چھوڑ دیا جائے۔ وہ مہر فوراً دل پر سے ہٹ جاتی ہے۔

خدا تعالیٰ نے مُہر کا لگنا اپنی طرف کیوں منسوب کیا

بقیہ حاشیہ نوٹ - میں فرماتا ہے سو ان کے دلوں میں ان کرتوتوں نے زنگار آلودہ کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب سے حجاب میں ہونگے۔

اور ایک اور حدیث میں فرمایا ہے تعرض الفتن على القلوب كالحصير عوداً عوداً فاى قلب اشربها نكتت فيه نكتة سوداء واى قلب انكرها نكتت فيه نكتة بيضاء حتى يصير على قلبين ابيض مثل الصفا فلا تضره فتنة مادامت السموات والارض والاخر اسود مربادا كالكوز مجخيا لا يعرف معروفا ولا ينكر منكرا الا ما اشرب من هواه (مسلم)

یعنی فتنے اور خلاف شرع باتیں ٹوٹ ٹوٹ کر سامنے آتے ہی رہتے ہیں جس کا دل ایسا ہوگا کہ جب کوئی بری بات سامنے آئے اسکو قبول کرے۔ اس کے دل پر ایک نقطہ سیاہی کا لگ جائیگا۔ البتہ جس کا دل ایسا ہوگا کہ جب کوئی بات خلاف شرع سامنے آئے تو جھٹ اس کو رد کر دیا۔ تو اس کے دل پر ہر دفعہ ایک نقطہ سفیدی کا لگتا جائیگا۔ ہوتے ہوتے ایک دل تو سفید نورانی ہو جائیگا۔ اور اس میں ایسی ہوتے ہیں آئینہ کی کر روشنی پیدا ہوگی۔ بات اس پر اثر نہ کرسکیگی اور ایک دل کالا سیاہ ہو کر ایسا بے خبر اور بے حیات ہو جائیگا یعنی انسان کی روشنی ایسی کمزور ہو جائیگی جس میں اچھے برے کی پہچان باقی نہ رہیگی جسطرح چکنا برتن اوندھا کیا ہوا ہوتا ہے کہ اس پر پانی نہیں ٹھیرتا اسی طرح اس دل پر نصیحت وغیرہ کا اثر نہیں ہوتا اور صرف اپنی پسند اور خواہش کی بات کو چاہتا ہے اور کسی بات کو نہیں جانتا۔

چونکہ انسانی فطرت کے لئے یہ ایک قانون قدرت ہے کہ جو شخص بدکام اختیار کرے اور اس پر اڑ جائے۔ تو بدکام عادت ہوتے ہوتے طبیعت ثانیہ ہو جاتا ہے۔ جسے مہر لگنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس قانون قدرت کا واضع اور بنانیوالا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے اپنے اس قانون موضوعہ کے خلاف نہ۔ بوجہ علت العلل ہونے کے اس مہر لگنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے اور کبھی نہ بھولنی چاہئے کہ اس مہر لگنے کا باعث انسان ہی ہوتا ہے۔ خدا نہیں۔ خدا ابتداءً کسی شخص کے دل پر مہر نہیں لگاتا۔ نہ کفر و عصیان کی طرف رہنمائی کرتا ہے بلکہ انسان کفر و عصیان شرک بہتان اختیار کرکے خود ہی مہر لگنے کا موجب ہوتا ہے۔ انسان کے کفر و شرک اختیار کرنے کی وجہ سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ مہر لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کفر مُہر کا موجب ہے۔ مُہر کفر کا موجب نہیں۔

سارا قرآن شریف دیکھتے جاؤ۔ شروع سے آخر تک مطالعہ کرو۔ بے شک مہر کا لگایا جانا اللہ کی طرف منسوب کیا ہوگا۔ مگر یہ کہیں نہ دیکھوگے۔ کہ مہر کفر کا باعث ہو۔ بلکہ ہر جگہ کفر ہی مہر لگنے کا موجب ہوگی۔

قرآن شریف شروع ہی دیکھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون ختم اللہ علےٰ قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کر لیا۔ اور کفر ان کیلئے طبیعت ثانیہ ہوگیا۔ اے نبی تو انہیں خدا کے عذاب سے ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کی پاداش میں ان کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی اور کانوں پر بھی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے۔ اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔

اب دیکھو جب کفار کی نوبت یہانتک پہنچ جائے کہ وہ نصیحت سننے تک کے

سعادار نہ ہوں۔ اور دل۔ آنکھ اور کان سے مطلق کام نہ لیں۔ بلکہ اُن کو بے جا کاموں میں استعمال کریں۔ اس کا نتیجہ یہی ہوگا۔ کہ ان کے دو ونپر کفر اندقسارت طبعی ہو جاویگی۔ کان استماع حق سے بے بہرہ ہو جائیں گے۔ آنکھیں حق کو نہ دیکھ سکیں گی۔ اور آخرکار جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ اور جگہ فرماتا ہے۔ کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون۔ سنو! بلکہ اُن کے دلوں پر اُن کے اعمال بد کا زنگار لگا دیا ہے۔ بل طبع اللہ علیہا بکفرھم۔ اور کچھ بات نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے۔ اُن کے کفر کی وجہ سے کذالک یطبع اللہ علی قلب کل متکبر جبار۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر ایک متکبر اور سرکش کے دلپر مُہر لگا دیا کرتا ہے۔ غرض سارا قرآن شریف بآواز بلند پکار رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے غرض اور بے نیاز ہے۔ اُس کو کسی کی ہدایت یا ضلالت سے نہ کوئی ذاتی فائدہ ہے۔ نہ کوئی نقصان۔ اگر ساری دنیا مسلمان ہو جائے تو اس کے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور اگر ساری دنیا کافر ہو جائے۔ تو اُس کی شان سے کچھ گھٹ نہیں جاتا۔ وقال موسیٰ ان تکفروا انتم ومن فی الارض جمیعا فان اللہ غنی حمید وان تشکروا یرضہ لکم وان تکفروا فان اللہ غنی عنکم لیکن چونکہ وہ حکیم ذات ہے۔ اُس کا کوئی کام حکمت سے بھی خالی نہیں۔ اس لئے اُس نے انسانی پیدائش کو فاعل مختار بنایا۔ اور اپنی حکمت کا نقشہ جمایا۔ انسان کو کاسب اعمال ٹھہرایا۔ اور اس کے لئے سزا جزا کا ایک قانون وضع فرمایا۔ تاکہ پیدائش عالم عبث اور باطل نہ ٹھہرے۔

سو اب جو شخص ہدایت کو قبول کرے تو محض اپنے فائدہ کے لئے اور اگر قبول نہ کرے تو اس کا وبال اُسی کی گردن پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ بھی بیسیوں جگہ فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس ایمان کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ جو جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کیا جائے وہ صرف اُس ایمان کو قبول فرماتا ہے۔ جو انسان اپنی خوشی اور محبت قلبی اور رضا و رغبت سے قبول کرے اور اسی پر ثمرہ نیک

مترتب ہوتا ہے۔ پس جو لوگ اپنے اختیار اور مرضی سے ایمان اور ہدایت کی طرف رخ نہیں کرتے اور اپنی بدراہی اور گمراہی میں بھٹکا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی جبراً و قہراً اُن کو اُن کا ہاتھ پکڑ کر یا ان کے دل پر جبر کرکے ہدایت پر نہیں لاتا اور نہ لانا چاہتا ہے۔ اور جو ذرا سی ہدایت کے قبول کرنے کے لیے ذری بھی توجہ کرتے ہیں۔ ان کو اپنی راہ راست پر چڑھا دیتا ہے۔ اور نہ صرف چڑھا ہی دیتا ہے۔ بلکہ مرتے دم تک اسی اُسکو چلاتا اور قایم بھی رکھتا ہے۔ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ و یضل اللہ الظالمین۔ اللہ تعالی ایمان والوں کو پکی بات (کلمہ توحید) پر جمائے رکھتا ہے۔ اور گمراہی میں صرف انہیں لوگوں کو چھوڑتا ہے۔ جو اپنے اختیار سے ظلم و شرک اختیار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالی جیسا قانون چاہتا ہے۔ مقرر کرتا ہے۔ اُس کے اس قانون اور مشیت پر گرفت نہیں ہو سکتی۔

اب ہم ان آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ جو انسان کے کسب و اختیار پر دلالت کرتی ہیں۔ اور جن سے اضلال طبع ختم۔ زیغ اور رین وغیرہ کا مفہوم ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جاتا ہے۔

(۱) لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت و یؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لہا۔ واللہ سمیع علیم۔ سیپارہ ۳ رکوع ۳	دین میں کسی قسم کا جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے تمیز ہو چکی ہے۔ سو اب جو کوئی ہر قسم کے باطل پیشواؤں اور معبودوں کا انکار کرے۔ اور اللہ پر ایمان لائے۔ تو ایسے مضبوط رسے کو چنگل مار چکا۔ کہ وہ ٹوٹنے والا ہی نہیں اور اللہ تعالے سنتا جانتا ہے (جبری ایمان اس کے ہاں مقبول نہیں۔ جب تک دل مومن نہ ہو۔)
(۲) ولو شاء ربک لامن من فی الارض جمیعا افانت	اور اگر تیرا رب (مجبور کرنا) چاہتا تو کرہ ارض پر جس قدر لوگ ہیں۔

تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین ہ	سب کے سب ایمان لے آتے مگر تیرا رب جبر و اکراہ سے کسی شخص سے ایمان قبول کروانا چاہتا ہی نہیں تو کیا تو چاہتا ہے کہ لوگوں پر جبر کرے۔ تاکہ وہ دھکم دھکا مسلمان ہو جائیں (یعنی اکراہ و اجبار والے ایمان کی دل میں خواہش نہ کر)
(۳) ما انزلنا علیک القرآن لتشقی (۱) الا تذکرۃ لمن یخشی۔	ہم نے یہ قرآن شریف تجھ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو مصیبت میں پڑ جائے۔ بلکہ اس واسطے کہ جو لوگ خدا کا خوف پیدا کرنا چاہیں۔ اُن کے لئے نصیحت نامہ ہو۔
(۴) لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ہ	کیا تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے اس بات پہ کہ وہ ایمان نہیں لاتے یعنی تیرا کام محض تبلیغ ہے۔ لوگوں کی اپنی مرضی ہے چاہیں ایمان لائیں چاہیں نہ لائیں۔
(۵) فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا ہ	اے نبی یہ لوگ اگر اس قرآن کریم پر ایمان نہیں لاتے تو تمہارے افسوس کے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال لے گا ؟ یعنی ایسا مت کر۔ ایمان لانا نہ لانا لوگوں کا اختیاری امر ہے۔
(۶) وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔	اور تو کہدے کہ یہ حق تمہارے رب کی طرف سے نازل ہو چکا ہے۔ سو اب جو کوئی چاہے اُس کو مانے جو چاہے نہ مانے (تمہارا اختیاری امر ہے)
(۷) کلا انھا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ ہ	سنو یہ قرآن شریف سرتاسر نصیحت ہے۔ سنو اب جس کا جی چاہے اُسے مانے۔

(٩) انا هدينٰه السبيل اما شاكرا واما كفورا ۝

ہم نے انسان کو صراط مستقیم دکھا دیا ہے۔ اب وہ اسکے ماننے یا نہ ماننے چاہے شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

(١٠) ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الى ربه سبيلا وما تشاؤن الا ان يشاء الله ان الله كان عليما حكيما يدخل من يشاء فى رحمته والظالمين اعد لهم عذابا اليما ۝

بے شک قرآن سراسر نصیحت ہے۔ سو جو شخص چاہے اپنے رب کی بتائی ہوئی راہ اختیار کرے اور اللہ کی پسندیدہ راہ کے سوا کوئی راہ اختیار بھی نہ کرنا۔ بیشک اللہ تعالی علم و حکمت والا ہے جسکو مناسب دیکھتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔ مگر ظالم لوگ آپ اس کی رحمت سے حصہ لینا نہیں چاہتے۔ سو ان کے لئے اللہ نے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔

(١١) ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا ۝

اور جو شخص ہدایت الہی (قرآن شریف) کے ظاہر ہونے پیچھے اس رسول کی مخالفت پر تلا رہے اور رسولوں کی راہ کے سوا کوئی اور راہ اختیار کر بیٹھے تو پھر جو راستہ اس نے اختیار کر رکھا ہے ہم بھی اس کو اسکے اپنے اختیار کئے ہوئے راستہ پر اسکو چھوڑے رکھتے ہیں اور اس کو جہنم میں جھونک دینگے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

(١٢) ونذرهم فى طغيانهم يعمهون ۝

اور ہم ان کو انکی گمراہی میں جو انہوں نے از خود اختیار کر لی ہوئی ہے اور ماسپر اکڑے بیٹھے ہیں چھوڑے رکھتے ہیں کہ پڑے اندھا دھند میں بھٹکا کریں۔

(١٣) وعلى الله قصد السبيل

خدا کی طرف وہی سیدھی راہ پہنچتی ہے جو اس نے

ومنها جائر فلو شاء لهدٰکم اجمعین ہ	بیان کر دی ہے اور بعض راہیں ٹیڑھی بھی ہیں. جو انسان آپ اختیار کر لیتا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا ہے تو تم سب کو سیدھی راہ پر چلا دیتا مگر یہ اکراہ و اجبار ہے۔ جو خدا کو منظور نہیں۔
(۱۴۹) قل فللہ الحجة البالغۃ فلو شاء لهدٰکم اجمعین ہ	اے نبی تو ان کفار کو جو خدا کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسی کی مشیت سے ہم بدی کر رہے ہیں جوابدے کہ پھر اللہ کی دلیل تو زبردست ٹھہری کہ اگر وہ چاہتا اور جبر کرنے والی ہستی ہوتی تو تم سب کو ہدایت ہی کے لئے مجبور نہ کرتا۔ پس جب ہدایت کے لئے مجبور نہیں کیا تو بدی کے لئے بطور اولی مجبور نہیں کیا ہوگا۔
ان اللہ لا یہدی من ھو مسرف کذاب ہ	یقیناً ان لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا جو حد اعتدال سے بڑھے ہوئے اور جھوٹے دعوے کرکے اللہ پر افترا کرتے ہیں۔
کذالک یضل اللہ من ھو مسرف مرتاب	وہ لوگ جو اپنے اختیاری حد اعتدال سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور شک و شکوک میں پڑے رہتے ہیں انہیں گمراہی میں ایسا ہی چھوڑے رکھتا ہے جیسا کہ قوم فرعون کو جس کا کہ اوپر کی آیات میں ذکر ہے۔
وخاب کل جبار عنید	ہر ایک ہیکڑی باز عنادی جو اپنے انکار پر جا رہا نامراد رہا۔

واذ تتلى عليه اياتنا ولى مستكبرا كان لم يسمعها كان في اذنيه وقرا فبشره بعذاب اليم	اور جب اسکو ہماری آیات پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو اکڑتا ہوا منہ پھیر کر چل دیتا ہے۔ جیسے اس نے ہماری آیات کو سنا ہی نہیں۔ گویا اس کے کانوں میں بوجھ ہے تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خبر سنا دے۔
والله لا يهدي القوم الفاسقين	اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو فسق یا حکم عدولی اختیار کر بیٹھے ہیں راہ راست پہ نہیں لاتا۔
ان الله لا يهدي القوم الكافرين	یقیناً اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا جو کفر اختیار کر بیٹھے ہیں یعنی ان کا اپنا اپنی مرضی سے اختیار کردہ کفر چھڑوا کر جبراً راہ راست پر نہیں لاتا۔
ان الله لا يهدي القوم الظالمين	اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ظلم کی راہ اختیار کر بیٹھے ہیں راہ راست پہ نہیں لاتا۔
ان الذين لا يؤمنون بايات الله لا يهديهم الله و لهم عذاب اليم	یقیناً جو لوگ اپنی مرضی سے خدا کی آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ اللہ بھی جبراً اُن کو راہ راست پہ نہ لائیگا۔ اور چونکہ وہ خود بخود ایمان قبول نہیں کرتے۔ اس لئے ان کے لئے عذاب الیم ہے۔
صم بكم فهم لا يرجعون	یہ لوگ گونگے اور بہرے اور اندھے بن بیٹھے اسباب ہدایات ہاتھ سے دے چکے اب اور کسی تدبیر سے راہ راست پر نہیں آسکتے۔

ف: یہ ایسا ہی ہے جیسے جسمانی زندگی میں کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بدپرہیزی کرنیوالوں کو شفا نہیں بخشتا۔

ان شر الدواب عند اللہ الصم البکم الذین لا یعقلون	بے شک اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ ہیں جو اسباب ہدایت کو کھو کر بہرے اور گونگے بن بیٹھے ہیں۔ اور عقل سے کام نہیں لیتے۔
ومنھم من یستمع الیک افانت تسمع ولو کانوا لا یعقلون ومنھم من ینظر الیک افانت تھدی العمی ولو کانوا لا یبصرون۔ ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم یظلمون	اور ان میں سے بعض ایسے ہیں۔ جو صرف عیب چینی کے لئے تیری طرف کان لگاتے ہیں۔ کیا تو ایسی نیت والوں کو جو صرف نکتہ چینی کے لئے آتے ہیں اور جان بوجھکر بہرے بن بیٹھے ہیں سنا سکتا ہے اگرچہ وہ ذرہ عقل سے کام نہ لیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو صرف عیب جوئی کے لئے تیری طرف ٹکٹکی باندھے ہیں۔ کیا تو ایسے بدنیتوں کو جو باوجود دیکھنے کے اندھے بن بیٹھے ہیں رستہ دکھا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی اپنی آنکھوں سے کام نہ لیں۔ غرضیکہ یہ لوگ باوجودیکہ ان کے پاس اسباب موجود ہیں اور وہ ان سے کام نہیں لیتے۔ آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔ یعنی ایسے لوگ آپ اپنے ارادے سے دین و اسلام سے محروم ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کسی شخص کو محروم کرنا نہیں چاہتا۔
وانی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی اذانھم واستغشوا	اور ہم نے جب ان کو دین حق کی طرف بلایا۔ کہ وہ دین کو قبول کریں اور تو ان کے گناہوں کو معاف کرے تو انہوں نے بجائے

ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا

اس کے کہ میری بات سنیں اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور بجائے اس کے کہ میری صورت کو دیکھیں اپنے چہروں کو اپنے دامن کر چھپایا اور اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے اور اپنی شیخی میں آکر اکڑتے رہے۔ اور

وقالوا قلوبنا غلف بل لعنھم اللہ بکفرھم فقلیلا ما یومنون

کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے (جس کے سبب ہم غیر مذہب والوں کی بات تسلیم نہیں کرتے) غلاف ولاف نہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کو رحمت سے محروم کر دیا ہے پس وہ کم مانتے ہیں۔

بل طبع اللہ علیھا بکفرھم

بلکہ اللہ تعالےٰ نے ان کے اپنے اختیار کئے ہوئے کفر کے سبب سے ان پر ہدایت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم واللہ لا یھدی القوم الفاسقین۔

پس جب وہ اپنے اختیار سے کجروی اختیار کر بیٹھے۔ اللہ نے بھی ان کو انکی کجی میں رہنے دیا اور ایسے لوگوں کو جو جان بوجھکر حکم عدولی کر بیٹھتے ہیں۔ اللہ بھی زبردستی اور جبر سے راہ راست پر نہیں لایا کرتا

افرءیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشٰوۃ فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا تذکرون۔

اے نبی تو نے اس شخص کے حال پر غور کی ہے جو اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود ٹھہرا کر راہ راست چھوڑ گمراہ ہوجاتاہے اور اللہ تعالےٰ اپنے علم سے اس گمراہ کو اسکی گمراہی پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس کے کانوں اور دل پر ہدایت کرنا بند کردیتا ہے۔ اور آنکھ پر گمراہی کا پردہ جو وہ خود ڈال لیتا ہے اس کو ایسا ہی رہنے دیتا ہے

پس اب بتاؤ کہ جب اس گمراہ کو جو اس طرح پر گمراہی اختیار کر لیتا ہے - اور اللہ تعالیٰ جبراً قہراً اس کو ہدایت پر نہیں لاتا اور کون ہے جو ہدایت پر لا سکے (کوئی نہیں) کیا تم اس کو ایمان پر مجبور کرتے ہو - پس تم اختیار نہیں کرتے -

وقالوا قلوبنا فی اکنة مما تدعونا الیه وفی اذاننا وقر ومن بیننا وبینك حجاب فاعمل اننا عاملون.

اور کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے اس سے تو ہمارے دل پردوں میں پڑے ہیں یعنی تیری بات ہم کو بھاتی نہیں - اور نہ ہمارے دل لگتی ہے اور ہمارے کانوں پر بوجھ پڑا ہے یعنی ہم سنتے ہی نہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک بھاری پردہ حائل ہے - سو تیرے وعظ سنانے کا کیا فائدہ تو اپنے طور پر عمل کئے جا - اور ہم اپنے طور پر کئے جاتے ہیں -

ونقلب افئدتهم وابصارهم کما لم یؤمنوا به اول مرة ونذرهم فی طغیانهم یعمهون -

جیسے یہ لوگ خود اپنی مرضی اور اختیار سے اس کتاب پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اسی طرح ہم بھی ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ان کے دلوں اور آنکھوں کو سمجھنے اور دیکھنے سے الٹائے رکھتے ہیں - اور جو سرکشی اختیار کر بیٹھے ہیں - اسی میں ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں - بھٹکتے پھرتے ہیں -

اولئك الذین طبع اللہ علی قلوبهم واتبعوا اهواءهم

یہی لوگ ہیں جو نصیحت سن کر بھی منحرف ہوئے رہتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی کی پیروی

کرتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کے دلوں پر ہدایت کا دروازہ بند کئے رہتا ہے۔

قل ھو للذین امنوا ھدی وشفاء والذین لا یومنون فی اذانھم وقر وھو علیھم عمی اولئک ینادون من مکان بعید۔

اے نبی کہہ دے کہ یہ قرآن شریف ایمان والوں کیلئے ہدایت و شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے لئے شفا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے کانوں پر بوجھ ہے۔ کہ وہ اسے سنتے ہی نہیں۔ اور ان کی آنکھوں میں نابینائی ہے کیونکہ یہ دیکھتے نہیں۔ گویا ان کو دور دراز فاصلہ سے بلایا جاتا ہے کہ جہاں سے کچھ سنائی ہی نہیں دیتا۔

ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم۔ ذالک بانھم استحبوا الحیوٰۃ الدنیا علی الاخرۃ وان اللہ لا یھدی القوم الفاسقین۔ اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وابصارھم واولئک ھم الغافلون۔ لیکن جو لوگ اپنی مرضی و اختیار سے کفر کے لئے سینہ کھول دیتے ہیں۔ تو ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے اور اس عذاب و غضب کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی مرضی سے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ بھی زبردستی ایسے کفر اختیار کرنیوالوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہی لوگ ہیں کہ خدا نے بے نیاز ان کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر ہدایت کا دروازہ بند کئے دیتا ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو غفلت کی وجہ سے اپنے اسباب حصول ہدایت یعنی دل۔ کان۔ آنکھ کو معطل اور بے کار کر بیٹھے ہیں۔

کذالک یطبع اللہ علی قلوب الکفرین۔ جس طرح پہلے لوگ اپنے

رسولوں کی تکذیب کرکے ایمان سے محروم ہوتے رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جو بے نیاز ہے ان کافروں کے دلوں پر بھی ہدایت کا دروازہ بند کئے رہتا ہے۔

کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون کوئی نہیں انکی بدکاری نے ہی ان کے دل پر زنگار لگا دیا ہے۔ سورہ یٰس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ تنزیل العزیز الرحیم لتنذر قوما ما انذر اباؤھم فھم غافلون۔ یہ قرآن شریف منکروں پر زبردست اور مومنوں پر رحم کرنیوالے خدا کی طرف سے اترا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادوں کو تا حال عذاب الہی سے نہیں ڈرایا گیا۔ اور وہ اس وجہ سے غافل ہیں۔

لقد حق القول علی اکثرھم فھم لا یومنون۔ ان میں سے اکثروں پر ہر طرح حجت الہی پوری ہو چکی ہے۔ اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔

ان جعلنا فی اعناقھم اغلالاً فھی الی الاذقان فھم مقمحون وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشینٰھم فھم لا یبصرون گویا ہم نے (یعنی سنت اللہ کے موافق) ان کی گردنوں میں بھاری بھاری طوق ڈالدیئے اور وہ ٹھوڑیوں تک پھنسے ہوئے ہیں تو ان کے سر اپسے اٹل کر رہ گئے ہیں کہ ان کو رستہ دکھائی ہی نہیں دیتا اور ہم نے ایک دیوار ان کے آگے بنا دی اور ایک ان

لہ لقد حق القول علی اکثرھم اس کے معنے ہم نے ان پر اتمام حجت اور الزام الہی پورا ہونیکے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ اسی سورہ یٰس میں آگے فرماتا ہے ان ھو الا ذکر و قرآن مبین لینذر من کان حیا ویحق القول علی الکٰفرین۔ نہیں ہے یہ قرآن مگر ذکر اور پڑھنے کے قابل فصیح و بلیغ کلام تاکہ اس شخص کو جس کا دل زندہ اور نصیحت قبول کرنے والا ہے ڈراتے اور منکروں پر خدا کا الزام اور حجت پوری کرے +

پیچھے اور اوپر سے ان کو ڈھانک دیا تو یہ دیکھ ہی نہیں سکتے۔
وسواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا یومنون ۔
اور ان کے لئے یکساں ہے تو انہیں ڈراوے یا نہ ڈراوے۔ وہ ایمان لانے والے ہی نہیں۔
دو حق کے اس سمجھنے کی اب تمثیلیں یہ دو مثالیں بیان فرمائی۔ جیسے گردن میں طوق پہنا ہو اور سر اوپر کو اٹھا ہوا ہو تو نیچے دیکھ نہیں سکتا یا خاک۔ جیسے معشوق آگے دیوار پیچھے دیوار اوپر سے ڈھک دو تو کچھ صورت نہیں دکھتی۔ تو کیا سمجھے۔ پڑھیگا غرض کفر یعنی ناحق کی ضد اور غیرہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کو ایمان کا رستہ دکھائی نہیں دیتا۔ نہ آنحضرت کا ڈرانا ان کو کچھ کام دے سکتا ہے۔
آیۃ۔ انما تنذر من اتبع الذکر وخشی الرحمن بالغیب فبشره بمغفرة واجر کریم۔ آنحضرت صلعم کا ڈرانا اس شخص کو فائدہ دے سکتا ہے جو سمجھانے پر چلے اور بن دیکھے خدا رحمان سے ڈرے تو ایسے شخص کو تم مغفرت اور عزت کے اجر کی خوشخبری سنادو۔ انا نحن نحی الموتی ونکتب ما قدموا واثارهم وکل شیء احصینه فی امام مبین۔ ہم ہی روز قیامت مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اور ان کے آثار خیر و بد سب ہم لکھ رہے ہیں۔ اور ہر شے کو ہم نے لوح محفوظ میں با تفصیل لکھ رکھا ہے یعنی سب باتیں ہمارے علم میں ہیں۔

دین میں جبر نہیں

قل یایها الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها وما انا علیکم بوکیل۔ کہدے اے لوگو تمہارے پاس رب کی طرف سے حق آچکا۔ پھر جس نے راہ راست اختیار کیا تو اپنے ہی فائدے کے لئے اختیار کیا ہے اور جو بھٹکا تو وہ بھٹک کر اپنا ہی کچھ کھوتا ہے۔ اور میں تم

پر دارو غہ تو ہوں کہ جبراً راہ راست پر لے آؤں۔

ومن یھد اللہ فھو المھتد و من یضلل فلن تجد لھم اولیاء من دونہ و نحشرھم یوم القیامۃ علی وجوھھم عمیا و بکما و صما ماواھم جھنم کلما خبت زدنھم سعیرا۔ ذالک جزاءھم بانھم کفروا بایتنا وقالوا ءاذا کنا عظاما و رفاتا ءانا لمبعوثون خلقا جدیدا

بنی اسرائیل اور جس کو خدا ہدایت دے وہی راہ راست پر ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے یعنی گمراہی میں رہنے دے؛ تو پھر اے نبی ؐ ایسے گمراہوں کے لئے تم خدا کے سوا اور کوئی مددگار نہیں پاؤگے۔ اور قیامت کے دن ہم ان لوگوں کو ان کے موہوں کے بل اٹھائیں گے اندھے اور گونگے اور بہرے ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہے جب فرو ہونے لگے ہم اور آگ بڑھا دینگے۔ یہ ان کی سزا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات کا اپنے ارادہ و مرضی سے انکار کیا اور آنکھوں کانوں اور زبان سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا، اور کہا کرتے تھے کہ جب ہم مرکر ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو اٹھا کر کھڑے کئے جائیں گے۔

فان لم یستجیبوا لک فاعلم انما یتبعون اھواءھم ومن اضل ممن اتبع ھوہ بغیر ھدی من اللہ ان اللہ لا یھدی القوم الظلمین۔ پس اگر وہ تیری بات نہ مانیں تو جان لے کہ وہ حق کی نہیں۔ بلکہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے کہ خدا کی طرف سے تو اس کے پاس ہدایت آرہی ہے اور وہ اس کو چھوڑ اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خود سر اور ظالم لوگوں کو جبراً راہ راست پر نہیں لایا کرتا۔

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت فمنھم من ھدی اللہ ومنھم من حقت علیہ الضلالۃ فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین

ان تحرص علی ھدٰھم فان اللہ لا یھدی من یضل وما لھم من ناصرین۔ اور ہم نے ہر ایک امت میں ایک رسول بھیجا پیغام دے کر اللہ کی پوجا کرو اور شیطان کی پوجا سے بچے۔ پھر ان میں سے بعض کو تو اللہ نے ہدایت دے دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوئی۔ ان میں سے بعض کے سر پر گمراہی سوار ہوئی جو ہدایت سے محروم رہے تو تم لوگ زمین میں چل پھر کر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ اگر تم اس قسم کے لوگوں کو ہدایت کرنے کی حرص رکھتے ہو تو اللہ ایسے [illegible] کو جو [illegible] ہدایت نہیں کیا کرتا۔ جن لوگوں [illegible] ہدایت سے محروم رکھا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوا۔

ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھوٰہ وکان امرہ فرطا اور اس شخص کی پیروی نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے یعنی غافل رہنے دیا ہے جو اس سے اپنی یاد نہیں لیتے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اور اسکی دنیاداری حد سے بڑھ گئی ہے ومن یھد اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا۔ جس کو اللہ راہ دکھائے وہی راہ یاب ہے اور جس کو وہ اس کے اپنے اعمال پر گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے تو تو اسکا کوئی کارساز اور رہنما نہیں پائیگا۔

ومن یضلل اللہ فلا ھادی لہ ویذرھم فی طغیانھم یعمھون۔ جس کو اللہ تعالے گمراہی میں چھوڑ دے اس کا کوئی رہنما نہیں اور خدا کا گمراہ کرنا یہی ہے کہ وہ ان کو ان کی سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے بھٹکتے پھرتے ہیں۔

الیس اللہ بکاف عبدہ ویخوفونک بالذین من دونہ ومن یضلل اللہ فمالہ من ھاد ومن یھد اللہ فمالہ من مضل الیس اللہ بعزیز ذی انتقام کیا خدا اپنے بندے (محمدؐ) کی حفاظت کو کافی نہیں اور اے نبی یہ تجھے دوسرے معبودوں سے ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں چھوڑ دے تو اس کو کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں اور جس کو اللہ تعالے ہدایت دے

اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ کیا خدا زبردست بدلہ لینے والا نہیں۔ قل ان اللہ یضل من یشاء ویھدی الیہ من اناب والذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ۔ اے نبی تو کہدے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے یعنی مناسب سمجھتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔ اور جو اپنے نفس سے اس کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اس کو اپنی طرف پہنچنے کا رستہ دکھا دیتا ہے۔ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ان کے دل کو یاد خدا سے تسلی ہوتی ہے اور سن رکھو کہ یاد خدا سے دلوں کو تسلی ہوتی ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ فیضل اللہ من یشاء ویھدی من یشاء وھو العزیز الحکیم اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ مگر اس کی قوم کی زبان میں بات چیت کرتا ہوا۔ تاکہ انکو اچھی طرح سمجھا سکے۔ اس کے بعد اللہ تعالے جس کو مناسب دیکھتا ہے ہدایت سے محروم رکھتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے بغیر حکمت کے کوئی کام نہیں کرتا۔ طالبان ہدایت کو ہدایت سے محروم نہیں رکھتا۔ اور ہدایت سے دور ہونے والوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور ان کو ہدایت پر جبر نہیں کرتا۔ سورہ جاثیہ میں ہے۔ افرءیت من اتخذ الھہ ھوٰہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا تذکرون ۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنے اختیار سے اپنی خواہشات نفسانی کو معبود بنا رکھا ہے۔ اور اس کو علم وعقل کے ہوتے سوتے اللہ نے چھوڑ دیا اور اس کی کرتوتوں کی پاداش میں اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے۔ اس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے تو جب خدا نے اسے چھوڑ دیا تو اس کے سوا اسے کون ہدایت کر سکتا ہے۔ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔ وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر اور ان کا یہ بھی قول ہے کہ ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے

ہم اس تیر لیجا چکے ہیں۔ اور وقت پڑ جاتے ہیں۔ اور زمانہ نیچری ہم کو ایک
وقت کے بعد مار دیا کرتا ہے۔
ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن یضل من یشاء و
یھدی من یشاء ولتسئلن عما کنتم تعملون۔ اگر اللہ مجبور کرنا
چاہتا۔ تو تم سب کو ایک ہی امت (دین) بنا دیتا۔ لیکن اللہ جس کو چاہے
ہدایت سے محروم رکھتا ہے اور جس کو مناسب سمجھتا ہے ہدایت دیتا
ہے۔ اور تم ضرور ضرور اپنے اعمال سے پوچھے جاؤ گے۔ افمن زین
لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا فان اللہ یضل من یشاء ویھدی
من یشاء فلا تذھب نفسک علیھم حسرات واللہ بما
یصنعون۔ بھلا وہ شخص جس کو اپنا عمل بھلا ہی بھلا دکھائی دیتا ہے
اور وہ اس کو اچھا ہی اچھا سمجھتا ہے (ہدایت دیئے جانیکے لایق ٹھہر
سکتا ہے) بات تو یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑتا ہے
اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ تو ان لوگوں پر افسوس کر کر کے
اپنی جان نہ کھو دے۔ جیسی جیسی کرتوتیں یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اللہ
تعالےٰ انکو خوب جانتا ہے۔
بل زین للذین کفروا مکرھم وصدوا عن السبیل ومن
یضلل اللہ فمالہ من ھاد۔ منکروں کو اپنی چالاکیاں بھلی معلوم
ہوتی ہیں۔ اور یوں راہ راست سے رکے ہوئے ہیں۔ اور جس کو
اللہ چھوڑ دے اس کا کوئی ہادی نہیں۔
سورہ نساء میں ہے۔ فما لکم فی المنافقین فئتین واللہ
ارکسھم بما کسبوا اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ
ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا۔ ودوا لو تکفرون
کما کفروا فتکونون سواء الخ پس اے مسلمانو! تمہارا کیا حال ہے کہ
منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے
ان کی کرتوتوں کی سزا میں اُن کی (عقلوں) کو اوندھا کر دیا ہے۔ کیا
تم اس شخص کو ہدایت دے سکتے ہو۔ جس کو اللہ نے گمراہ کیا (یعنی
گمراہی میں چھوڑ دیا) اور جس کو اللہ ضلالت میں چھوڑ دے (اور

ہدایت پر مجبور نہ کرے) اس کے لئے ممکن نہیں کہ تم کوئی راہ نکال سکو۔
سورہ روم میں ہے۔ بل اتبع الذین ظلموا اھواءھم بغیر علم، فمن
یھدی من اضل اللہ۔ وما لھم من ناصرین۔ بلکہ جن لوگوں نے
(شرک کرکے) ظلم کیا۔ انہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی
کی (اور ہدایت الٰہی سے محروم ہو گئے) سو جس کو اللہ تعالیٰ
ہدایت سے محروم رکھے اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے۔ اور
خدا کے مقابلہ میں ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔

خلاصہ آیات مذکورہ یہ ہے کہ [illegible]
عنید۔ جبار۔ کاتم حق یعنی وہ [illegible]
دینی اور بے پرواہی سے خود [illegible] اختیار [illegible] قبول
حق سے روگردانی [illegible] اور [illegible] حق کی
طرف آنے کو ان کا [illegible] ان سے
جبر و قہراً ایمان قبول نہیں کرواتا [illegible]
نہ اسے کسی کے مومن و مطیع ہونے کی [illegible] جو [illegible] کی طرف
جھکتا ہے۔ اس کو توفیق خیر دیتا ہے۔ اور جو اس کی طرف سے
پیٹھ [illegible] اختیار کرتا ہے۔ وہ بھی اس کو جبر و قہراً ایمان کی طرف
نہیں لاتا۔ بلکہ ویذرھم فی طغیانھم یعمھون ایسے لوگوں کو
ان کی سرکشی میں ہی چھوڑ دیتا ہے۔ بھٹکتے رہتے ہیں۔

[illegible] کتمان حق [illegible] اور اسراف
[illegible] اپنے ارادہ سے
اختیار کر لیتا ہے اور [illegible] کے اصرار و استمرار کو
[illegible] خلاف [illegible] اکنہ [illegible] وغیرہ سے تعبیر فرماتا
ہے اور ان کے نتیجہ کو ختم۔ طبع۔ اغفال۔ اضلال۔ اغشیہ سے تعبیر فرماتا
ہے کیونکہ [illegible] اسباب ہدایت کو ترک کر دینا اور خدا تعالیٰ کا جبراً
[illegible] انہیں [illegible] کی طرف [illegible] ختم۔ طبع۔ اضلال وغیرہ ہے جس
طرح کفار اور معاندین دین ہدایت کی خواستگاری کے لئے تدبر و
تفکر و تفقہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اپنے دلوں کو اس طرف سے بند

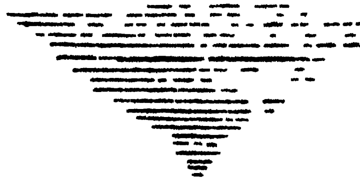
کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ہدایت ربانی بھی ان سے پرے ہٹتی رہتی ہے۔
یہی حال اُن کی آنکھوں اور کانوں کا ہے۔ غرضیکہ جو اسباب حصولِ
ہدایت اللہ تعالےٰ نے دے رکھی ہیں۔ اگر ان کو برمحل برتا جائے
تو ہدایت بھی اُنکی طرف دوڑتی ہوئی آئے گی۔ اور اگر ان کو محض
اور بیکار کرکے ہدایت کی خواہش نہ کی جائے تو یہ سارے اسباب
محض بےکار ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ جبراً و قہراً کسی فردِ بشر کو ہدایت کی
طرف نہیں لانا چاہتا۔ جب لوگ ہدایت قبول کرنا نہیں چاہتے۔
تو اللہ بھی ہدایت نہیں دیتا۔ لوگ بے غرض اور بے پرواہ ہو جاتے
ہیں۔ تو خدائے بے نیاز بھی بے غرض اور لاپرواہ ہوکر اُن سے اُنکی
خواہش کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ ختم و طبع وغیرہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں
کہ اللہ تعالےٰ نے آپ ہی آپ اپنی طرف سے ابتداءً لوگوں کے دلوں
پر مُہریں وغیرہ لگا رکھی ہیں۔ اور ان پر جبر کر رکھا ہے تاکہ ایمان نہ
لا سکیں۔ حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے وہ ہادی ذات
جس نے دنیا کی روزمانی بہتری کے لئے انبیا بھیجے کتابیں بھیجیں بیسیوں
انتظام کئے۔ کیا وہ ایسا کر سکتا ہے کہ آپ سے آپ لوگوں کو ہدایت
پر نہ آنیکے لئے جبر کرے بلکہ قرآن شریف کے تمام مواضعات میں
یہی مراد ہے کہ جب کفار نے خدا سے تعلق قطع کردیا تو اللہ تعالےٰ
بھی اُن کو ان کی حالت کفر و فسق و ظلم و بغاوت و زیغ و رین وغیرہ
وغیرہ میں بدستور بحال و برقرار چھوڑ دیتا ہے۔ جس طرف کو وہ خود بخود
اپنی دلی خواہش اور حقیقی محبت کے ساتھ جا رہے ہیں۔ جبراً و قہراً اللہ
تعالےٰ بھی اُن کو اس طرف سے بند نہیں کرتا اور اس وقت تک وہ
ان کو ایسی حالت پر رہنے دیتا ہے۔ جب تک وہ حالت خود چھوڑیں
نہیں۔ پس یہ ختم اور طبع وغیرہ صرف معلق اور عارضی ہوتا ہے۔ اگر
لوگ ہدایت کی طرف نہیں آتے تو اللہ تعالےٰ بھی اُن کو ہدایت
نہیں دیتا۔ اگر وہ اپنے کفر و عناد کو چھوڑ دیں۔ تو اللہ تعالےٰ
بھی انکو ہدایت دے دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو کسی سے عناد اور
عداوت نہیں ہے۔

انسان کی موت تک اللہ تعالیٰ کے انسان کے ساتھ ایسے ہی تعلقات رہتے ہیں۔ انسان کفر کو چھوڑ دے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی ھدایت کا دروازہ اُن پر کھول دیتا ہے۔ انسان کبر وفسق کو چھوڑنا نہ چاہے تو خدا تعالےٰ بھی ہدایت کی راہ پر لانے کے لئے اس پر جبر نہیں کرتا۔ بلکہ اوسکو اسی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فان تابا واصلحا فاعرضوا عنہما ان اللہ کان توابا رحیما۔ اگر توبہ کریں اور اپنی حالت درست کریں۔ تو پھر ان کو کچھ نہ کہو۔ اس لئے کہ اللہ کی بھی یہی صفات ہیں۔ کہ جو لوگ کفر اور گناہ سے رجوع کرکے اسکی طرف آتے ہیں وہ بھی اپنے غضب کو چھوڑ کر رحمت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اُن پر اپنا فضل اور رحم کرتا ہے۔ ومن یعمل سوء او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما۔ اور جو کوئی بُرا کام کر بیٹھے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے وہ گناہ بخشوا وے تو اللہ تعالےٰ کو بخشنے والا مہربان پاوے۔ وہ ردہ کرنے والی ہستی نہیں۔ فوراً اپنی مہربانی سے معاف کر دے گا۔ ہاں خدا کی طرف قدم اُٹھائیں ہی نہیں۔ تو اللہ کو بھی کچھ پرواہ نہیں۔ قل ما یعبا بکم ربی لولا دعاؤکم۔

مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ ختم۔ طبع۔ غشاوہ۔ وقر۔ عمی وغیرہ یہ سب باتیں بندے کے خود اپنے ہی اختیار کئے ہوئے کفر وعناد کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔ اور ان سب کا وجود بھی عارضی اور معلق ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے کفر وعناد کو چھوڑ کر اللہ کی طرف انابت اور اخلاص کے ساتھ آنا چاہے۔ تو اللہ تعالےٰ اُس کے دل اور کان اور دل اور زبان سب کے سب ہدایات کے لئے کھول دیتا ہے اور اُسے ایمان اور اعمال حسنہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کے سارے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔

اور اگر انسان اس طرح آنے کی پرواہ نہیں کرتا اور ہدایت ربانی کو حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ تو پھر اللہ تعالےٰ بھی اسکی کچھ پرواہ نہیں

کرتا۔ نہ ہی وہ ہدایت و ایمان کے راستہ پہ لاتا ہے۔ بلکہ اس کو اسی حالت میں
بدستور یونہی چھوڑ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسی حالت میں مرجاتا ہے اور جہنم
کا ایندھن بن جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے توبہ کا دروازہ موت
تک کھلا ہے۔ اگر کوئی شخص ساری عمر آفتاب ہدایت کی روشنی اپنے
کاشانۂ دل میں آنے نہ دے تو بھی ابھی اس کی پرواہ نہیں کرتا
اور اگر ایمان اپنانے کا تہیہ کسی وقت بھی اللہ تعالےٰ کی ہدایت
کو شخص قبول کرنے کو تیار ہو جائے اور دل کا دروازہ کھول دے۔ تو
اللہ تعالےٰ بھی ہدایت کی روشنی اس کے دل تک پہنچا دیتا ہے
اور انہیں کو نہ صرف ہدایت سے سرفراز کر کے نورانی گھر یعنی جنت میں
جگہ دیتا ہے۔



شیطان

کیا شیطان کا خارج میں وجود ہے؟

بے شک شیطان کا وجود خارج میں [illegible] ہی وجودات
کی قسم [illegible] ہے
[illegible] سمجھا جا [illegible]
[illegible] کا وجود ہی [illegible]
بہت سی چیزیں نظر نہیں آتیں [illegible] کسی
[illegible] کے متعلق شک و شبہ [illegible] شیطان بھی
موجود فی الخارج ہو جو نظر نہ آتا ہو۔ تو کوئی باعث تعجب نہیں۔ لیکن
یہیں خدا تعالے نے آسمانی کتابوں میں اس کے وجود سے خبر دی اور
بار بار فرمایا کہ ان لا تعبدوا الشیطان انہ لکم عدو مبین شیطان
کی اطاعت مت کرو۔ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

شیطان کا ثبوت

شیطان کے وجود خارجی کو تقریباً کل دنیا تسلیم کرتی ہے۔ یہودی عیسائی
مسلمان۔ آتش پرست وغیرہ تمام قومیں شیطان کے وجود خارجی کے

قایل ہیں۔ ہندو بھی سب کے سب شیطان کے وجود کے قایل ہیں۔ بجز نیچریوں اور آریوں کے جنہوں نے سرسید اور پنڈت دیانند سرستی کی تقلید سے شیطان سے انکار کیا ہے۔

شیطان کا لفظ قریباً کل دنیا کی زبانوں میں پایا جاتا اُس کے وجود کو ثابت کرتا ہے۔ شیطان کے لغوی معنے باطل اور دور از قدرت وغیرہ ہیں۔ اس لئے رو سے لغت جو شخص بطلان اور خیر و فلاح سے دور ہو اُسے بھی شیطان کہتے ہیں۔ اس واسطے شیطان کا اطلاق قرآن شریف میں بدکاروں اور کافروں پر بھی آیا ہے۔ جیسے کہ سورہ بقر میں مذکور ہے۔ واذا خلوا الی شیاطینھم اور جب اپنے شیطانوں یعنے بدکار سرداروں کے پاس خلوت میں جاتے ہیں۔

شیطان کا نام ابلیس بھی ہے جو بلس سے بنا ہے۔ جس کے معنے ناامید و مکار ہیں چونکہ شیطان نے حضرت آدم سے سب سے پہلے مکر کیا اور داؤ کھیلا اس لئے مکار کہلایا اور خلافت ارض جو چاہتا تھی اُس سے محروم رہا اس لئے ناامید ہوا۔

شیطان کا پہلا نام عزازیل تھا۔ ایل یعنے خدا کا معزز عزت دیا ہوا۔ واقعی فرشتوں میں اُسکی بڑی عزت تھی۔ لیکن بادور ہوا قیاس کرنے اور خدا تعالیٰ کی اطاعت چھوڑ دینے کی وجہ سے شیطان کہلایا اور حضرت آدم سے مکر کھیلنے اور خلیفہ بر حق سے اعراض اور خدا کی رحمت سے ناامید ہونے کی وجہ سے ابلیس کہلایا

ویدوں میں اسی شیطان کو راکشس کہا ہے اور اس سے بچنے کے لئے اگنی دیو سے مدد و حفاظت چاہی۔ رگوید منڈل اول سکت ۳۶ منتر ۱۵ میں آیا ہے اگنی (اے اگنی، رکشہ (شیطان سے) پاہی (محفوظ رکھ)

पाहु अग्ने रहः पाहधूर्तेर रदण
पगरीषिट उतना जिदांसतो वृह्द डारा
पविसत॥ २॥

پارسیوں کی دساتیر میں لکھا ہے۔ ہوز ہمیم (پناہ مانگتا ہوں) ورناس (بہ
نیہ وان)، ہربرماس (بدخو) وزماس (بدمعاش)، ہرشبور (بہکانے والے۔
بدراہ کرنے والے ہرد یو شیطان سے)۔ پارسیوں نے شیطان کے ماننے
میں یہانتک غلو کیا ہے۔ کہ اُسے خدا کے مقابل ایک دوسرا خدا باقی
تہرو شامن سرد آہرمن قرار دیکر دو خداؤں کے قایل ہوگئے۔ یہی
شیطان حضرت عیسیٰؑ کو آزمانے آیا۔ اس کا بائبل میں بھی کئی
جگہ ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شیطانؔ[1] خاص شخص اور اُس کی
نوع کا نام ہے۔ قوت [illegible] مادہ نہیں اور نہ اولاد آدم
سے ہے۔ بلکہ وہ [illegible] مخلوق مادہ نار سے ہے۔ نار چونکہ ہوا سے
لطیف ہے۔ اس واسطے [illegible] سے جو بنا ہے وہ بھی حس بصر انسانی سے
پوشیدہ رہتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے [illegible] خلق الجان من مارج من نار
اللہ تعالےٰ نے جن لوگ کو شعلہ سے پیدا کیا۔
شیطان میں بہ نسبت دوسرے جنات کے مادہ دخانیہ زیادہ ہے اس
واسطے وہ شر کو جلدی قبول کرتے ہیں اس کو تمام اہل مذاہب نے
ناپاک روح سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا
ہے۔ کان من الجن ففسق عن امر ربہ وہ جنات میں سے تھا۔
پس اپنے رب کے حکم سے [illegible] پھر باعتبار [illegible] کے شیطین
کی اقسام ہیں۔ جبروت [illegible] سے زیادہ ترشریر
جنہ اُس کا نام ابلیس ہے [illegible] مذکورہ [illegible]
سے پناہ مانگی ہے۔ آجتک کسی مذہب نے شیطان کی ذات سے
انکار نہیں۔ صرف [illegible] نیچری نے بہ تقلید سرسید [illegible] کیا ہے۔ بعض
اشخاص نے اکابران دین حق سے شیطان کو بچشم خود دیکھا ہے
اور اولیاء اللہ اب بھی دیکھ سکتے ہیں۔ [illegible] جس طرح
پاک روحوں سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جنات وشیاطین

---

[1] خدا تعالےٰ نے جو شیطان کو مہلت دی تو اس سے نوع شیطان کا بقا بھی مراد
تھا کچھ ضرور نہیں کہ ابتدائی شیطان تا حال زندہ ہو۔

ہوجانے کے بعد اُن سے باتیں گفتگو کر سکتے ہیں اور عوام جیسے روح نظر نہ
آنا ممکن ہے۔ ویسے ہی شیطان کا نظر نہ آنا ممکن ہے۔ جو لوگ یہ
نظر نہ آنے کے سبب شیطان کا انکار کرتے ہیں مجھے تعجب دکھائی نہیں دیتا عدم
احساس وجود ... عدم وجود کو لازم نہیں

کیا شیطان اولاد بھی رکھتا ہے؟

قرآن شریف سے ثابت ہے کہ شیطان کی ذریت (اولاد) بھی ہے
جیسا کہ ارشاد ربانی قرآن شریف میں آتا ہے۔ افتتخذونه و ذریته
اولیاء من دونی وھم لکم عدو بئس للظالمین بدلا۔ کیا تم
شیطان کو اور اس کی نسل کو دوست بناتے ہو مجھے چھوڑ کر حالانکہ
وہ تمہارے دشمن ہیں۔ شیطان ظالموں (بدکاروں) کے لیے کیسا برا
بدلہ ہے جن کو انہوں نے خدا کی بجائے اختیار اور پسند کیا۔ اور
پھر فرمایا ہے۔ انه یراکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم
شیطان اور اس کی ذریت تم کو دیکھتی ہے جہاں سے تم نظر نہیں آتے
اور پھر فرمایا ہے۔ وقل رب اعوذ بک من ھمزات الشیاطین
اے نبی کہہ کہ اے میرے رب میں شیطان کی چھیڑ چھاڑ سے تیری
پناہ چاہتا ہوں۔ غرضکہ قرآن شریف سے شیطان کی ذریت
دو قسم کی ثابت ہوتی ہے۔ ایک تو اس کی نسل اور دوسرے وہ
آدمی جو انسانی صورت اور شیطان سیرت ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ
فرماتا ہے۔ من الجنتہ والناس۔ جنی اور انسانی شیطانوں سے
پناہ مانگتا ہوں (خدا اُن سے پناہ میں رکھے)

کیا شیطان کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے کیلئے پیدا کیا تھا؟

نہیں شیطان کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے کیلئے پیدا نہیں کیا تھا۔
اور نہ ہی اس کا انسان پر تسلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اچھی
حالت میں پیدا کیا تھا۔ اور وہ پہلے خدا کے عبادت گزاروں میں سے تھا
لیکن حضرت آدم پر حسد اور تکبر کی وجہ سے چاہ ضلالت میں گر گیا
حضرت آدم کو حسد کی نظر سے دیکھا۔ ان کی اطاعت نہ کی۔ خدا کا
حکم نہ مانا۔ گمراہ ہو گیا۔ اور ہوائے متعفن کی طرح سراسر شر اور
مظہر شر ہو کر ضلوا و اضلوا کا مصداق بن گیا۔

شیطان سے گمراہ کرنے کی مثال ہوا کی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے
نے ہوا کو انسان کی زندگی کی [illegible]
[illegible]
بارکت کا موجب [illegible] بچنے کا بندوبست
کرے کم [illegible] نہ بھی [illegible] اس ہوا سے محفوظ
رہتا ہے۔ [illegible] اور اس ہوا میں زیادہ
چلا پھرے [illegible] اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے۔ اور
آخرکار ہلاک ہو جاتا ہے۔ [illegible] جو شخص تقوے اور طہارت
سے پرہیزگاری اور صفائی [illegible] اختیار نہ کرے۔ اور اس سے
بچاؤ کا بندوبست نہ کرے۔ فوراً شیطان کے پیچھے چڑھ جاتا ہے
لیکن جو شخص کلام الٰہی پر عمل کرے۔ تقوی اور عبادت جو بمنزلہ پرہیز
و صفائی کے ہیں اختیار کرے ہوائے متعفن شیطانی سے محفوظ
رہتا ہے۔

شیطانی ہوائے متعفن سے بچنے کے لئے عمدہ نسخہ کیا ہے؟

اس ہوائے بد سے بچنے کے لئے عمدہ نسخہ کلام ربانی و ہدایت یزدانی ہے

جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔ جب صحن پر وبائی اور متعفن ہوا میں انسان کو بیماریوں اور کپڑوں کی صفائی اور خوراک میں پرہیز درپیش ہے۔ اسی طرح اس متعفن ہوا سے بچنے کے لئے گناہوں سے پرہیز تقوے، اور دل کی صفائی یعنی طہارت کی ضرورت ہے۔ جو شخص تقوے اور طہارت مہیا کریگا اس کو شیطان کا مطلق ڈر نہیں۔ نہ شیطان اس پر قابو پا سکتا ہے۔ نہ اسے بُرا مشورہ دے سکتا ہے۔ جو شخص اپنے نفس اور ہوا سے مشورہ لیتے ہیں انہیں کو شیطان تائید و تقویت کرتا ہے۔ جو لوگ جہاد اور دینی تبلیغ کے ذریعہ نفسانی و قوت شیطانی کا بڑے زور سے مقابلہ کرتے ہیں۔ انہیں شیطان کا کچھ بھی خوف نہیں۔ بلکہ وہ اس میدان کو بڑی کامیابی کے ساتھ فتح کرتے اور عزت وحرمت کا تاج سر پر رکھ لیتے ہیں
انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربھم یتوکلون۔

اضلال شیطانی کی مثال

شیطان کے گمراہ کرنے کی مثال سانپ کی طرح ہے۔ شیطان میں بھی شرارت طبعی ایسی ہو گئی ہے۔ جیسے کہ سانپ میں زہر موجود۔ جس طرح سانپ کے زہر سے انسان کی حیات روحانی پر ہلاکت وارد ہوتی ہے اور اسی وجہ سے الہامی محاورہ میں شیطان کو سانپ اور بڑے سانپ سے بھی استعارہ کیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح سانپ کسی شخص کو ڈنگ نہیں مار سکتا نہ مارتا ہے۔ جب تک کہ کوئی انسان اس کی زد پر نہ آجائے یا آپ اپنا پاؤں اس کے منہ میں نہ ڈال دے اسی طرح شیطان بھی کسی شخص کو گمراہی کے زہر سے تباہ نہیں کر سکتا۔ نہ کرتا۔ جب تک کہ ایک انسان خود اُس کی طرف قدم نہ اٹھائے اور اسکی زد میں نہ آئے۔ سانپ کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے۔ اس کے اندر مادہ زہر بھی اُسی نے رکھا ہے

مگر باایں ہمہ نہ تو سانپ کو ہلاکت کا حکم دیتا ہے نہ سانپ کو ہلاکت کے لئے چھوڑا ہے۔ نہ
کسی انسان کو سانپ کے ہلاک کرنے پر وہ راضی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف اس
کا ارشاد ہے کہ ان موذی جانوروں سے بچکر رہو۔ انکی زد میں نہ آؤ۔ در حالت
ان کے کاٹنے کے اپنی حکمت کاملہ سے کئی قسم کی تریاق نوشدارو اور
زہر کی دوائیں پیدا کیں۔ اسی طرح اللہ تعالے نے شیطان کو پیدا کیا
ہے اور معصیت الٰہی کی وجہ سے بجائے عفن کی طرح اس کا مادہ فاسد
ہو کر سراسر شرارت اور محض شر ہو گیا ہے۔ لیکن خدا تعالے نے شیطان
کو نہ تو انسان کے گمراہ کرنے کا حکم دیا ہے نہ گمراہ کرنے کے لئے چھوڑا
ہے۔ نہ شیطان کے کسی کو گمراہ کرنے پر راضی ہے۔ بلکہ اس نے اپنی
کتابوں میں اپنے ہرکارہ روحانی انبیاء مرسلین کی معرفت صاف کہہ
دیا ہے کہ اس کی طرف قدم نہ اٹھانا۔ اس کے دام میں نہ آنا۔ بلکہ
اس کو اپنا دشمن مبین سمجھنا اس سے بچکر رہنا اور در صورت شیطان
کے کسی کو گمراہ کر دینے کے اللہ تعالے نے اپنی کمال حکمت سے
زہر کی روحانی دوائیں پیدا کر رکھی ہیں جو اس شیطانی زہر کو دور بھگا
دیتے ہیں۔ توبہ کرنا خدا کے دربار میں رونا گڑگڑانا استغفار پڑھنا
کرنا۔ اس شیطانی زہر کا تریاق ہے۔ کلام ربانی کا پڑھنا۔ خدا کو
یاد کرنا۔ اس کا منتر ہے۔ ہاں جس طرح سانپ چاہتا ہے کہ جو شخص
میری زد میں آجاوے اس پر اپنا ڈنک چلاؤں۔ اسی طرح شیطان
بھی ارادہ کرتا ہے کہ میں انسانوں پر اپنا ڈنک چلاؤں ان کو ایمان
سے ہٹاؤں۔ انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء۔
لیکن صرف سانپ کے چاہنے سے کوئی شخص شیطان سے ڈسا نہیں
جاتا۔ وہ تو جیسا اس کا قاعدہ ہے برابر ڈنک چلانا چاہتا ہے۔ پر آگے
انسان کا اختیار ہے کہ وہ سانپ کی طرف قدم نہ اٹھائے۔ اس
سے احتیاط رکھے۔

کیا شر شیطان سے ہے

[illegible] نفس [illegible] شیطان کی پیدا کی ہوئی نہیں - بلکہ اُس کا
ظہور شیطان کے وجود سے ہوا ہے - جیسے کہ اولاد ماں باپ کی
پیدا کی ہوئی نہیں - مگر اُس کا ظہور [illegible] سے ہوا ہے - اور معصیت
اور شیطان میں ایسا ہی علاقہ ہے - جیسے [illegible] اور اولاد میں -
[illegible] کو نسبت اسنادی [illegible] کہتے ہیں - اور ان سب کی نسبت
جو [illegible] کی [illegible] حقیقی [illegible] ہے - کیونکہ ذات باری
[illegible] دنیا کا خالق نہیں ہے - پس جس نے کوئی وجود بنایا
[illegible] نے اُس وجود کے صفات [illegible] بھی بنائے - اگر انسانی یا
شیطانی [illegible] خصوصیت [illegible] انتہا سے خیر و معصیت
[illegible] تو [illegible] اس کا خالق اور موجد
[illegible] اللہ [illegible] شئی [illegible] خالق ہے [illegible]
[illegible] نہیں کیا نہ اُس
[illegible] بحث دیکھا
[illegible] ہم [illegible] -

کیا شیطان کا انسان پر کچھ تسلط ہے؟

[illegible] شیطان [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اختیار [illegible]
باعث [illegible] سب گناہ [illegible] ہے - سب
کر دے جو شخص اپنے ارادہ سے شیطانی [illegible] - خدا کی یاد
سے غافل رہے انہیں کو شیطان اپنا چیلا بناتا اور اپنے رنگ میں
رنگین کر لیتا ہے - جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - ومن یعش عن
ذکر الرحمٰن نقیض له شیطانا فهو له قرین جو شخص خدا
کی یاد سے آنکھ چرائے - ہم اُس پہ ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں

پس وہ ان کا ہمنشین ہوجاتا ہے۔ وقیضنا لهم قرناء فزینوا لهم
ما بین ایدیهم وما خلفهم وحق علیهم القول فی امم قد خلت
من قبلهم من الجن والانس انهم کانوا خاسرین۔

تو ثابت ہوا کہ شیطان انہیں لوگوں کو اپنے رنگ میں رنگین کرتا
ہے۔ جو اس کی سنتے ہیں اور اس کا کہا مانتے ہیں۔ اور جو لوگ خدا تعالیٰ
کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ اس پر عمل کرتے۔ تقویٰ اور طہارت اختیار
کرتے ہیں۔ ان کی نسبت شیطان کا خود قول ہے۔ لاغوینهم
اجمعین الا عبادک منهم المخلصین۔ میں ان سب کے بہکانے میں
سعی کروں گا۔ مگر جو تیرے خالص مخلص بندے ہیں۔ وہ میرے قابو میں
نہیں آسکتے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی ارشاد فرماتا ہے۔ ان عبادی لیس
لک علیهم سلطان الا من اتبعک من الغاوین میرے بندے
پر تیرا کچھ تسلط نہیں ہے۔ بجز ان لوگوں کے جو گمراہوں میں سے
تیرے پیچھے ہو جائیں۔ یعنی شیطانی خصائل اختیار کرکے
اولیاء الشیطان کی طرف کھینچے جائیں اور پھر سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے انه لیس له سلطان علی الذین امنوا وعلی ربهم
یتوکلون۔ انما سلطانه علی الذین یتولونه والذین هم
به مشرکون۔ بات یہ ہے کہ بلاشبہ ان لوگوں پر شیطان کا قابو
نہیں۔ جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس
کا تسلط تو انہیں لوگوں پر ہے جو اس سے محبت رکھتے۔ اور خدا کے
شریک ٹھیراتے ہیں۔

شاہ عبدالقادر دہلوی اپنے ترجمہ قرآن شریف میں سورہ ابراہیم
کے حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ شیطان کا زور نہیں انسان پر۔ مشورت
دیتا ہے بری۔ وہ مان لیتا یہ گنہ ہے۔

قیامت کے دن جب لوگ شیطان پر الزام دینگے تو اس وقت
بھی وہ یہی کہے گا۔ کہ مجھے تم پر کچھ جبر اور تسلط نہیں تھا۔ میں نے
تم کو اپنی طرف بلایا تم چلے آئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ ابراہیم میں
فرماتا ہے۔ وقال الشیطن لما قضی الامر ان الله وعدکم

وعد الحق ووعدتکم فاخلفتکم وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی فلا تلوموني ولوموا انفسکم ما انا بمصرخکم وما انتم بمصرخی انی کفرت بما اشرکتمون من قبل ان الظلمین لهم عذاب الیم۔ اور جب اخیر فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان لوگوں سے کہنے لگا۔ کہ خدا نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا سو اس نے پورا کیا۔ اور میں نے تم سے وعدہ کیا۔ مگر میں نے تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کی۔ اور تم پر میرا کچھ جبر زور تو تھا نہیں۔ مگر بات اتنی ہی تھی کہ میں نے تم کو اپنی طرف بلایا۔ اور تم نے میرا کہنا مان لیا تو اب مجھے الزام نہ دو۔ بلکہ اپنے تئیں الزام دو۔ آج نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہونچ سکتا ہوں اور تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں۔ جو تم مجھکو اس سے پہلے دنیا میں شریک خدا بناتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں نے شیطان کا کہا مان کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔

پس بلاریب شیطان کو ازخود کسی پر تسلط نہیں۔ مگر انسان آپ خدا سے غافل ہو کر شیطان کو اپنی طرف بلاتا۔ اور اس کے پیچھے دانستہ دوڑتا آتا ہے۔ نہ اس کی طرف جائے نہ اُس سے اپنا دامن چھڑوائے شیطان کسی کو نہ گناہ پر مجبور کر سکتا ہے نہ کرتا ہے۔ ہاں غافلوں کو ہوں اور ان لوگوں پہ جن کی ایمانی طاقت کمزور ہے۔ یہ متعفن ہوائے دنیاوی جلد اثر کر جاتی ہیں۔ اور شیطانی ہواؤں کے مغلوب ہو کر شیطان کی طرف کھنچ جاتے ہیں۔ اور ہلاکت اُخروی اُن کے نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فریقا ھدی وفریقا حق علیهم الضلالة ایک گروہ انسان کا ہدایت پا گیا۔ اور ایک گروہ پر ضلالت ثابت ہوئی۔ کیوں۔؟ انهم اتخذوا الشیاطین اولیاء من دون الله ویحسبون انهم مهتدون۔ ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ شیاطین کو اپنا رفیق ٹھیرایا۔ اور خیال کرتے رہے کہ وہ ہدایت پر ہیں (اعراف)

پس جو شخص شیطان کی طرف میل کرے اور اُس کے بس میں آئے

وہ آپ دام بد میں پھنستا اور خود ہلاکت میں پڑتا ہے خدا پر کچھ الزام نہیں۔ ہر شخص کو اپنے بھلے برے کا بالطبع اختیار ہے اور پروردگار عالمین نے ہر شخص کو اختیار دیکر انہیں نیک [illegible] بھلے کام کرنے کا وہ عطا فرمایا ہے۔ پس جو شخص [illegible] اختیار و آزادی کو اعتدال کے ساتھ [illegible] کچھ الزام نہیں۔

سورہ مریم میں اللہ تعالے فرماتا ہے [illegible] ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزھم ازا۔ فلا تعجل علیھم۔ انما نعد لھم عدا [illegible] نہیں دیکھا کہ ہم نے [illegible] شیطانوں کو چھوڑ رکھا ہے [illegible] ان کو اکساتے رہتے ہیں۔ تو [illegible] کا فوراً [illegible] دل [illegible] جلدی [illegible] ان کے [illegible] ہیں۔ جہاں بہت عذاب [illegible]

اس جگہ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ ہم نے منکروں پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو ان کو اکساتے رہتے ہیں [illegible] ان کے [illegible] اور چوہدری ہوں جو لوگوں کو گمراہی و ضلالت کی طرف اکساتے رہتے ہیں۔ خواہ شیطان کی ذریت [illegible] کو [illegible] غفلت میں مبتلا دیکھ کر ان پر غلبہ پاتی ہے ان دونوں حالتوں میں ان لوگوں کا کفر ہی ارسال شیاطین کا موجب ہوا ہے جدید طور پر نہیں۔ اللہ تعالے نے اس قانون قدرت کا واضع و فاعل ہونے کی وجہ سے اپنی طرف اس ارسال کو منسوب کیا۔

جن کافروں پر شیاطین چھوڑے جاتے ہیں۔ ان کا ذکر اس آیت سے پیشتر پانچ چھ آیات میں موجود ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ افرأیت الذی کفر بایاتنا وقال لاوتین مالا وولدا (ترجمہ) کیا تو نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور ہنسی کی وہ کہنے لگا قیامت ہوگی بھی تو وہاں بھی مجھکو ضرور مال ملیگا۔ اور اولاد بھی۔ کیا اس کو غیب کی خبر مل گئی ہے۔ یا اس نے خدائے رحمان سے عہد لے لیا ہے۔ ہرگز جو یہ کہتا ہے ہم سب

کر دیتے ہیں۔ اور اس کے حق میں عذاب بڑھاتے چلے جاتے ہیں
اور یہ جو [illegible] لیتے ہو آخرکار۔ پھر بھی اس کے وارث
ہوں گے۔ [illegible] تم تنہا ہمارے حضور [illegible] دوسرے کو ایسے
خدا کے [illegible] قیامت میں
ان [illegible] سے [illegible]
[illegible]
[illegible]
فرماتا ہے [illegible] جو
ان [illegible] باتوں کے سمجھنے [illegible] ان کو سرکشی
میں [illegible] عنقریب [illegible] ذلت [illegible] عذاب میں
داخل ہوں گے۔

شیطان کو بہکانے کی اجازت دینے کا کیا مطلب ہے

ہاں جب شیطان نے خدا تعالیٰ کے سامنے یہ کلمات کہے۔ کہ میں تیرے
بندوں کے پھسلانے بہکانے اور راہ حق سے ہٹانے میں قصور نہ کرونگا
مجھے قیامت تک مہلت دے تو اللہ تعالیٰ نے بطور حکم یا اجازت کے
بلا بذریعہ وحی حضرت آدم و شیطان کے نادم اور قائل کرنے کے لیے
ارشاد فرمایا۔ کہ تجھ سے جہاں تک ممکن ہے اُن کی رہزنی میں کوشش
کر۔ میرے خاص خاص بندوں پر تیرا ذرا بھی قابو نہیں چل سکے گا
ہاں جو میری یاد سے غافل اور میری راہ سے الگ پڑے ہیں۔ اور
جو بغیر اس کے کہ تو ان کے بہکانے میں سعی کرے دوزخ کا
ایندھن بننے والے ہیں۔ ایسے لوگوں پر تیرا قابو چل جانا کوئی بڑی
بات نہیں۔ سو اس کا بدلا بھی تجھ کو اور تیرے تابعین کو مل رہیگا
فان جهنم جزاؤکم جزاء موفورا۔ تم سب کی پوری جزا
جہنم ہے۔ اے شیطان تو اپنے پیارے سوار سب اُن کے لئے کھینچ لا

میرے خالص مخلص بندوں پر تیرا مطلق غلبہ نہیں ہے۔ اور اے نبی
تیرا رب کارساز کافی ہے۔ یعنی تو اس کی طرف جھکے گا۔ تو ہرگز شیطان
تجھ پر قابو نہیں پائے گا۔

پس اس قسم کی آیتیں بہت ہیں۔ جو عالمین شیطان کے آگے مخلصین
کے صدق و ثبات و استقلال کی تعریف اور اس کے مکر و فریب سے خالص
مومنوں کے لغزش نہ کھانے کی توصیف بیان کرتے ہیں۔ گو کہ وہ ان
کے بہکانے میں کوشش کرے۔ اور تمام تیر ترکش کے چلا دے۔ ان عبادی
لیس لک علیهم سلطان یعنی میرے خاص بندے ہرگز جادہ مستقیم
سے لغزش نہیں کھا سکتے۔ جس سے شیطان کی وہی ذلت و خذلان
ظاہر ہوتی ہے۔ کچھ شیطان کو حکم و اجازت نہیں ہے کہ تو جا کر لوگوں
کو بہکا [illegible] ان آیات میں تنبیہ [illegible] ہے۔ کہ
وہ شیطان کے [illegible] شیطان کے [illegible]
سے مکر و فریب [illegible] اور
بچتے ہیں [illegible]
شیطان کے [illegible] ہرگز [illegible] نہیں [illegible]

اس شیطانی معاملہ کی نظیر ایسی ہے کہ جیسے آج کوئی آریہ یا عیسائی وغیرہ
کہے کہ میں سب مسلمانوں کو آریہ یا عیسائی بنا لوں گا۔ تسبیح کی جگہ زنار
پہنا دوں گا۔ اور جس طرح ممکن ہوگا ان کے بہکانے اور نکالنے راہ اسلام
سے پھیرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑوں گا۔ ثم لاٰتینهم
من بین ایدیهم وعن شمائلهم وعن ایمانهم ولا
تجد اکثرهم شاکرین (اور خدا تعالیٰ کسی ملہم یا مجدد کی معرفت) اسے یہ
جواب دے کہ تو جہاں تک تیری طاقت ہے ان کو بہکانے پھسلانے۔ اور
کوئی تیر تیرے ترکش میں باقی نہ رہ جائے۔ لیکن میرے جو خاص بندے
اور پکے مسلمان ہیں۔ وہ تیرے داؤں میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ اور وہ آریہ
کہے کہ اے رب تو مجھے دس بیس برس کی مہلت دے تو میں یہ سب
کر دکھاؤں اور کسی مسلمان کو بغیر آریہ ہوئے نہ چھوڑوں اور اللہ تعالیٰ
یہ اتفاق کرے کہ تو مہلت دے گیوں میں سے ہے وقت معلوم تک جو تیری

دفعی ہے کرلے میرے خالص بندوں پر تو ہرگز قابو نہیں پا سکتا - الا
من اتبعك من الغاوين - مگر ہاں جو لالچ وغیرہ میں آکر تیرے پیچھے
ہولئے تو مجھ سے ہرگز نہیں بڑھ سکتا - یاد رکھ اگر تونے ایسا ہی بہکایا تو میں
تجھکو اور تیرے تابعین سب کو داخل جہنم کرونگا - وان علیك لعنتی
الی یوم الدین قیامت تک تجھے لعنت ہے اور ساری دنیا تجھ کو ملعون
ملعون پکاریگی -

خدا تعالے نے شیطان کو کیوں پیدا کیا
جو انسان کو گمراہ کرتا پھرتا ہے

یہ سوال بعینہٖ اس طرح کا ہے جس طرح کوئی کہے کہ خدا تعالے نے درندے
جانوروں کو کیوں پیدا کیا - جو بسا اوقات انسان کو پھاڑ ڈالتے
ہیں - یا زہر کو کیوں پیدا کیا جس سے بسا اوقات انسان ہلاک
ہو جاتا ہے - یا ہوا کو کیوں متعفن کر دیا جو وبا - ہیضہ اور
طاعون کا موجب ہو کر مہلک ہو جاتی ہے - خدا تعالے نے دنیا میں
اچھی چیزیں بھی پیدا کی ہیں بری بھی - سیاہ بھی - سفید بھی - میٹھی بھی
کڑوی بھی - خوشبو بھی - بدبو بھی - زہر بھی - نوشدارو بھی - تم زہر
مت کھاؤ - درندہ کے بس میں نہ پڑو - ہوائے متعفن میں نہ پھرو -
بدبو اور کڑوی چیزیں مت کھاؤ - تمہیں کس نے بری چیزیں استعمال
کرنے کی ہدایت کی ہے - خدا تعالے نے تو صاف فرما دیا ہے ان
لا تعبدوا الشیطٰن انه لکم عدو مبین اس کے بس میں
مت آؤ - اس کی اطاعت مت کرو - وہ تمہارا صریح دشمن ہے
وہ غول راہ عاقبت ہے اور اسکی اطاعت زہر ہلاہل ہے - شہوات
نفسانی کی پیروی مت کرو - بد پرہیزیوں سے بچو - شیطانی
ہوائے متعفن سے محفوظ رہو - غرضکہ ہر طرح تمہارا اختیار ہے
بد پرہیزیاں کرو گے - اپنے حکیم حقیقی خدا تعالے کی نافرمانیاں کروگے

تو امراض شیطانی کے بس میں پڑ جاؤگے۔ اور اس کا زہر تمہارے ہر جزو بدن میں رچکر سراسر شیطان اور شیطانی روپ بن جاؤ گے اور عاقبت کو برباد کروگے۔ اُس کے بس میں نہ آؤگے۔ حکیم حقیقی کا حکم مانوگے۔ اُس کی ہدایات یعنی کلام ربانی پر عمل کروگے۔ پرہیز (تقویٰ) اور صفائی (طہارت) اختیار کروگے تو اس ہوائے بد سے محفوظ رہوگے۔ تو جس طرح کہ زہر اور زہریلی ہوا اور درندوں کا تمہارے اوپر تسلط نہیں۔ مگر تم اس کے بس میں پڑ جاؤ تو تم کو وہ ہلاک کر دیتے ہیں ایسا ہی شیطان کا تمہارے اوپر تسلط نہیں ہے۔ مگر انسان کو غافل اور کاہل دیکھکر آ پچھاڑتا ہے۔ اور انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ پس تم ہوشیار اور چوکنے رہو۔ اس کے بس میں نہ آؤ۔ آسمانی چیزیں (ہدایات ربانی) اپنے پاس رکھو۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا شیطان ایک ابتلاء الٰہی ہے۔ جس کی مخالفت اعلیٰ درجہ کی کامیابی کا تاج پہناتی ہے۔

آریہ کا اعتراض

کیا شیطان خدا سے زور آور ہے جو ارادہ الٰہی دنیا میں پورا نہیں ہونے دیتا۔ اور ایک دنیا کو گمراہ کر رکھا ہے

شیطان ہرگز خدا سے زور آور نہیں ہے وہ ایک منٹ میں شیطان اور کل

جنود ابلیس کو ہلاک کر سکتا ہے۔ لیکن اس کی رحمانیت نے جو ہر ایک کافر و
فاجر۔ مومن و عارف کی پرورش کر رہی ہے۔ اور اپنی رحمت عامہ سے وہ بدوں
اور نیکوں پر اپنا سورج چمکاتا اور فضل کا مینہ برساتا ہے۔ شیطان کو تمام
مخلوق کی طرح قیامت تک مہلت دے رکھی ہے۔ شیطان کی حماقت تھی
جو اس نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی رب فانظرنی الی یوم یبعثون
اے میرے رب مجھے اٹھنے کے دن تک مہلت دے۔ خدا تعالیٰ نے سب
مخلوق کو مہلت دے رکھی تھی جب اس کو بھی تھی تو مانگنا یہ شیطان کا حمق تھا
غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے تمام جن و انس اور شیاطین کو قیامت تک مہلت
دے رکھی ہے۔ ہر ایک کو نیک و بد کرنے کا اختیار ہے۔ وہ کسی کے افعال
میں دخل نہیں دیتا۔ دخل دینا چاہے تو ایک دم میں تمام دنیا کو مسلمان کر ڈالے
اس کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ اور شیطان کیا چیز ہے۔ جو
ارادہ الٰہی کا مزاحم ہو سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پہ جبر نہیں کرتا نہ
کسی کی گردن پکڑ کر ہدایت کی طرف لے آتا ہے۔ جو شیطانی خصائل
اختیار کرتا اور شیطان کی طرف قدم اٹھاتا ہے اس کا اپنا قصور ہے۔ شیطان
بھی اپنے خداداد اختیار کو بیجا استعمال کرنے سے مردود و مطرود شرار مظہر شر
بنا۔ جبر اس پر بھی کسی قسم کا نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے استطاعت نیک و بد کی تمیز عقل۔ فطرت سلیمہ عطا فرمائی
ہزاراں ہزار انبیاء و مرسل اپنی کتابیں اور اپنی رضامندی کے اسباب
دنیا پر نازل فرمائے۔ اس پہ بھی جو شخص گمراہی اختیار کرے۔ اس
اپنا قصور ہے اور خدا تعالیٰ تو کسی کے نیک یا بد ہونے کی پروا رکھتا اگر
تمام دنیا نیک ہو جائے تو اس کی بادشاہت میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور
اگر سارا دنیا فاجر۔ فاسق۔ بدکار اور شیطان ہو جائے۔ اس کے ملک میں
کچھ گھٹ نہیں جاتا۔ البتہ ان موانع اور روکوں میں جو شخص ابتلایات
کے میدان کو پھلانگ کر آگے نکل جائے وہ مرد میدان ہے۔

پھر جو اعتراض شیطان کے وجود پر ہو سکتا ہے وہی دنیا کی پیدائش پر
ہے۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کمزور اور بے بس اور عاجز ہے کہ اس کی مرضی
اور منشا کے بغیر دنیا میں بے انتہا مذاہب باطلہ پھیل گئے ایک دنیا

گمراہ ہو گئی۔ اس کی بے خبری میں یا جبراً اس کی منشا کے برخلاف اس کے راج میں لیچھ اور اچھس پیدا ہو گئے۔ اور وہ کسی کو نہیں مار سکتا۔ اگر لیچھوں اور اچھسوں کی اسے خبر ہوتی یا اس کی قدرت سے باہر نہ ہوتے یا وہی جبراً اس کے دیس میں نہ آتے تو پہلے ہی سے سب کو اپنے تابع رکھتا۔ نہ خود ہی اُن کو اتنا بھاگ لگاتا۔ کہ آریہ ورت کے بادشاہ بناتا۔ اور خود ہی اُن کے ہاتھ سے گائے استوائی وید دہرم کی توہین کرائی اور جبکہ وہ اپنے اپنے مذہب کی عمدہ عمدہ تعلیم اس کے دہرم پوتروں کو دے چکے۔ اور ان گنت آریوں کی عزت لے چکے۔ اس وقت کنبکرن کی نیند سے وید کے پرمیشور پیدا ہوئے۔

آریوں کی مرضی کے برخلاف ۵۰ کروڑ بدھ۔ ۲۰ کروڑ مسلمان۔ کروڑہا عیسائی۔ ویدوں کے مکذب آریوں کو گمراہ کرنیوالے دنیا میں موجود ہیں کیا یہ خدا کی بے خبری سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اور کیا خدا ایسا ہی کمزور ہے۔

بریں حالت کرا حیرت نزاید ٭ کہ ایشر ایں چنیں غفلت نماید

شیطان کے وجود میں کوئی فلسفانہ راز بھی ہے؟

ہاں شیطان کے وجود میں ایک فلسفانہ راز بھی موجود ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر انسان کی سرشت خیر محض ہوتی اور اس کی طبیعت کلیتہً خیر ہی کی طرف مائل ہوتی اور اسے بدی کا میلان تک نہ ہو سکتا۔ تو پھر اُن کے وجود میں کوئی فضیلت اور شرف کی بات نہ ہوتی۔ ملائکتہ اللہ کا میلان طبیعت بدی کی طرف ہے ہی نہیں۔ اور ان کا نیچر ہی خیر کی طرف ہے۔ پس اُن کے لئے نیک ہونا کوئی فضیلت اور

شرف کی بات نہیں۔ کیونکہ شر کی طرف ان کا جھکاؤ ہو ہی نہیں سکتا۔
پس کمال کیا ہوا۔ کمال یہ ہوتا ہے کہ ایک وجود جس کی طبیعت میں
برائی اور بھلائی دونوں کی طرف میلان ہے۔ شر کا زور کے ساتھ مقابلہ
کرکے میدان جیت جائے۔ اور خیر کی طرف متوجہ ہو جائے۔ پس کمال
ہمیشہ جذبات نفسانی کا مقابلہ کرتا ہے۔ ایک ہیجڑا یا خوجہ اگر زنا
کی طرف مائل نہیں۔ تو یہ اُس کا کوئی کمال نہیں۔ وہ زنا کی طرف رغبت
ہی نہیں رکھتا۔ ایسا ہی جس شخص کی آنکھیں نہیں۔ وہ بدنظری سے بچنے
کا ثواب حاصل نہیں کر سکتا۔ جس کے کان نہیں وہ بُری باتوں کے
سننے سے بچنے کا اجر نہیں لے سکتا۔ تو بات یہ ہے کہ انسان کا کمال
جذبات نفسانی کے مقابلہ سے ہے۔ اور یہی امر اس کے لئے کمال اور شرف
اور فضیلت کا موجب ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات
کہلاتا ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے جس طرح انسان کے اندر دو قوتیں پیدا کر دی ہیں
ایک شہوانی جو انسان کو گناہ کی اور بُری خواہشات کی طرف
کھینچتی ہے اور دوسری عقلی جو قبح اشیاء ظاہر کرکے بُرے کام سے
روکتی ہے۔ اسی طرح اس قاعدہ سے خارج میں بھی ہر ایک انسان پر
ایک لمۂ شیطان مقرر کر دیا ہے۔ اور ایک فرشتہ جو شخص قوائے
شہوانی کو ترجیح دیتا ہے اور ہوائے نفسانی کا بندہ بنتا ہے۔ اُس کی
لمۂ شیطان تائید کرتا اور اپنے رنگ سے رنگین کر لیتا ہے۔ اور جو شخص
قوائے عقلیہ کو غالب رکھتا اور ہدایت ربانی کا پابند بنتا ہے۔ اس کی
فرشتہ آسمانی مدد کرتا اور اپنے رنگ میں رنگین کر لیتا ہے۔ اور اس
طرح دونوں قسم کے لوگ اپنے اپنے افعال کے موجب اپنے اپنے مقام
کی طرف کھچے جاتے ہیں۔ ہوائے نفسانی کے بندے اولیاء الشیطان
بن جاتے ہیں اور اسفل السافلین میں جگہ پاتے ہیں اور ہدایت ربانی
پر عمل کرنے والے اولیاء الرحمان کی طرف کھچے جاتے ہیں۔ اور
آسمان پر پرواز کر جاتے ہیں۔ ہر ایک فرقہ اپنے اپنے مرکز اور مقام
کی طرف کھنچا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فریقا

هدی و فریقا حق علیهم الضلالة انهم اتخذوا الشیطن اولیاء من دون اللہ الخ

جس طرح انسان کی اندرونی قوائے شہوانی پر عقل غالب آکر میدان مارتی اور بازی جیت جاتی ہے۔ اسی طرح ہادی الی الخیر وخیر محض کی تاثیر جاذب شر پر غالب آکر اور عشق الٰہی میں تمام خار دار جھاڑیوں سے گذر کر مرد میدان کی طرح انسان ساحل قرب پر جا پہونچتا ہے۔ اور ابدی وصال محبوب سے متلذذ ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا ہے حفت النار بالشہوات وحفت الجنتہ بالمکارہ۔ ہاں زہر کو بھی اللہ تعالٰے نے بالارادہ بنایا ہے۔ لیکن کسی کے کھانے پر راضی نہیں۔ اور اگر کوئی بے احتیاطی سے یا جان بوجھکر کھا کر مر جائے۔ تو نہیں کہہ سکتے کہ خدا نے اسے زہر کھلا کر مار ڈالا۔ یا اس کے ہلاک کرنے پر راضی تہا بلکہ اگر جان بوجھ کر کھا لیا ہے۔ تو یہ امر خودکشی بذات خود ایک جرم میں داخل ہے۔ پس اگر شیطان کو خدا نے بالارادہ بنایا ہے۔ اور وہ ہوائے متعفن کی طرح بگڑ کر مظہر شر اور منبع شر ہو گیا۔ تو خدا تعالٰے کی ہرگز ہدائت نہیں ہے۔ کہ لوگ اس کے قابو میں آئیں یا اس کی طرف قدم اُٹھا کر جائیں۔ بلکہ وہ ایک روک سے زیادہ نہیں ہے۔ کہ اُس سے گذر کر اور اس کی کچھ پرواہ نہ کر کے عاشقان الٰہی قرب ربانی کا میدان جیت لیں۔ اور ایک ابتلا سے بڑھ کر نہیں۔ تاکہ خدا کے خالص مخلص اور سرکش بندے پرکھے جائیں۔

ہم کو اللہ تعالٰے نے اطلاع دی ہے کہ شیطان حیلہ باز تمہارا دشمن ہے۔ تمہیں خدا کی یاد سے غافل اور کاہل دیکھ کر اپنا اثر ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ جس سے ہم ہر وقت چوکتے رہ سکتے ہیں۔ اور خدا کی یاد سے غفلت اور کاہلی کو دل میں راہ ہی نہیں دیتے۔

اسلام

گناہ کی نسبت بائیبل اور حکماء کے خیالات

اسلام نے انسان کو فطرتی گنہگار اور شریر بالطبع نہیں ٹھیرایا۔ نہ اسلام کی تعلیم ہے۔ کہ کوئی شخص جادہ شریعت پر ٹھیک ٹھیک نہیں چل سکتا۔ بلکہ قرآن شریف کے موافق تمام انبیا ء شریعت کی اتباع کا اعلےٰ نمونہ ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے بیشمار بندے مخلصین معصومین اور اخیار رہے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔

الذین یجتنبون الکبائر والفواحش الا اللمم۔ وہ لوگ جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے رہتے ہیں۔ بجز معمولی سہو وخطا کے (جو انسان کی فطرت میں مرکوز ہے) اسلام کے روسے سب معصومین مخلصین اور صادق مومنین میں داخل اور حقیقی نجات کے وارث ہیں۔

اسلام کے روسے ہر شخص کبائر اور فواحش سے بچ سکتا ہے۔ اور معمولی لغزشوں سے توبہ کرکے آئندہ کو اپنی حالت درست کرسکتا ہے۔ اور ابدی حیات کا وارث ہوسکتا ہے۔ بخلاف آریوں کے جن میں بوجہ ایک گناہ یا سہو وخطا کے بھی معاف نہ ہو سکنے کے کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ اور عیسائیوں کے جن کی کتاب مقدس میں انسان کو فطرتی گنہگار۔ اور طبعی شریر ٹھیرایا گیا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کی کتاب مقدس میں ہے کہ کوئی انسان زمین پر ایسا صادق نہیں کہ نیکی کرے خطا نہ کرے (واعظ ۷ باب ۲۰) اور ایوب ۱۴ باب ۴ میں۔ یہانتک مبالغہ کیا گیا ہے کہ کون ہے جو ناپاک سے پاک نکالے اور زبور ۵۱ باب ۵

میں ہے کہ دیکھ میں نے برائی کی صورت پکڑی اور گناہ کے ساتھ میری ماں نے مجھے پیٹ میں لیا۔

یرمیاہ ۱۷ باب ۹۔ یسعیاہ ۶۴ باب ۷ میں ہے۔ کہ دل سب چیزوں سے زیادہ حیلہ باز ہے۔ اور وہ نہائیت فاسد ہے۔ اُس کو کون دریافت کرسکتا ہے۔ ہم تو سب کے سب ایسے ہیں۔ جیسے ناپاک چیز۔ اور ہماری ساری راستبازیاں گندی دھجی کی سی ہیں۔ اور ہم سب پتے کی طرح کملاتے ہیں اور ہماری بدکاریاں آندھی کی مانند ہمیں اڑا لیں گی۔

رومیوں کے ۳ باب ۲۳ میں ہے کہ سبھوں نے گناہ کیا۔ اور خدا کے جلال سے محروم ہیں۔ حکمار کے اقوال بھی اس کے قریب قریب ہیں۔

چنانچہ ارسطو کا قول ہے۔ بنی آدم ایک ناتواں شکل اور ڈھلکنی گنبند اور حسد اور دروغ کے عہد کے سوا کچھ نہیں ہے۔

بطلیموس کا قول ہے ہر ایک شئے اپنی اصلیت کی طرف رجوع ہونے سے باز نہیں رہتی۔ پس انسان جو گناہ کرتا ہے۔ اُس کا ذاتی منشا ہے۔

لوکیدیدس کا قول ہے۔ سارے آدمی گناہ کرتے ہیں۔ کیا ظاہر میں۔ کیا باطن میں اور بُری ہواؤ ہوس عقل کو نابینا کرتی ہے۔ اور اس طرح گناہ پورا ہوتا ہے۔

جالینوس کا قول ہے کہ آدمی بالذات شریر اور گناہ کا طالب ہے اور اگر تہذیب اخلاق نہ ہو تو یقین ہے کہ بد سے بدتر ہو جائے۔

پلوتارک کا قول ہے۔ کہ بُری ہواؤ ہوس پیدائش ہی کے وقت سے انسان میں پیدا ہوئی ہے۔ نہ یہ کہ پیدائش کے بعد اس میں ملی ہو۔ اور اگر آدمی کو نصیحت اور تنبیہہ نہ کرتے تو گمان ہوتا ہے کہ وہ جنگلی جانور سے بھی زیادہ وحشت ناک ہوتا۔

اقلیدس کا قول ہے کہ بدی انسان کا اپنا نتیجہ ہے۔

قرالیس کا قول ہے کہ جیسے ہر انار میں ایک گلا ہوا دانہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی ہر آدمی میں بُری آلودگی البتہ ہوتی ہے یہاں تک کہ کوئی بے گناہ

نہیں ہے۔

بقراط کا قول۔ ہے کہ اگر تعلیم و تعلم اور درس و تدریس حکمار کا ایک لچر اور بیہودہ کام ہے۔ تو ضرور انسان سے مبرا ہے والا بد ہے۔

کالاٹیس کا قول ہے کہ اگر انسان کا دل ایک ناطق اور موکد شاہد ہے کہ وہ بدی اور شرارت کی طرف بدل رجوع ہے۔ یہ امر دال ہے اس کی خطاکاری پر۔

فرزانہ لاوزی کا قول ہے کہ انسان کو زیبا ہے۔ کہ اچھے بُرے دل کی شرارت سے ہمیشہ منفعل اور خجل اور سرنگون رہے۔

گناہ کب سے شروع ہوا

اس بات کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ کہ گناہ کب سے شروع ہوا۔ جب سے اللہ تعالےٰ نے کسی ہستی کو افعال و اعمال کرنے کا اختیار دیا۔ اور وہ اپنے اختیار سے خدا کی مرضی کے مطابق یا اس کی رضا کے برخلاف اپنے قواے اور اعضار کو استعمال کرنے لگا۔ تب ہی سے گناہ شروع ہوا؛

گناہ کب سے شروع ہوا۔ لوگوں نے اس کی نسبت مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اور ہر ایک فریق نے اس مضمون کے بیان میں طول طویل رام کہانی بیان کی۔ مگر ہم اس مضمون کرنے میں وقت ضایع کرنا نہیں چاہتے۔ کہ گناہ کب سے شروع ہوا۔ جیساکہ اکثر اقوام نے اُس کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ بلکہ ہم ان نتایج کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ جو عملاً انسانی افعال پر مترتب ہو رہے ہیں۔ اور ہم نہیں سمجھتے۔ کہ اس سوال کی کیا ضرورت ہے کہ گناہ کب سے اور کہاں سے شروع ہوا؟ ایک شخص کی آستین میں سانپ گھس گیا ہے۔ تو کیا اب اسے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ سانپ سفید ہے یا کالا ہے اور وہ کس طرح سے اُس کی آستین میں آگھسا۔ یا یہ کہ اُس کے مارنے کی جلدی فکر کرے؟ ایک تھوڑی سی عقل کا آدمی بھی

اس بات کو با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص کی جان آخر الذکر کوشش سے ہی
بچ سکتی ہے۔ نہیں تو اول الذکر کوشش کے رو سے وہ اپنی منطقی دلائل
کا شکار ہو چکا۔ اور اُس کی جان اپنے فلاسفرانہ خیالات کی نذر ہو چکی۔
مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں نے بجو، جو گناہ پر سوچتے ہیں۔ اول الذکر
کوشش پر ہی عمل کیا ہے۔ اور وہ بھی اس خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے
ہیں۔ کہ گناہ کہاں سے آیا؟ اس فلسفی کاوش کی وجہ سے اس مسئلہ
کی صورت ایسی خطرناک بن گئی ہے۔ کہ معصوم الفطرت انسان کو
دقیانوسی الاصل مذاہب کے اختراع و ایجاد کی ضرورت پڑ گئی
اور تناسخ و کفارہ جیسے لاینحل معمے اختیار کرنے پر آخرکار وہ کوشش
منتہی ہو گئی۔ مگر ہم اس پیاز کے چھلکے کی طرح تہ در تہ مضمون پر کچھ
بھی غور کرنا نہیں چاہتے اور اسے لا اصل سمجھ کر اسی جگہ ختم کرتے ہیں
کہ گناہ ہے کہاں سے آیا۔ اور کسی وقت سے شروع ہوا۔ ہاں اتنا
ضرور بیان کریں گے۔ کہ

"گناہ کیا چیز ہے"؟

قاعدہ ہے کہ ایک امر کی پوری تحقیق اور تدقیق کے بعد جو نتیجہ
نکلتا ہے۔ اُسے مختصر الفاظ میں دنیا کے پیش کیا جاتا ہے۔ یا یوں
کہو کہ دریا کو کوزے میں بند کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات
ان نتائج کی ضرب الامثال بن جاتی ہیں۔ اور دنیا اُن پر پورا
اعتقاد رکھتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مشن سے یہ امر خارج
تھا۔ کہ وہ ایک مسئلہ کے متعلق طول طویل لکھ دیتے۔ یا فلسفانہ
مضمون لکھتے۔ اور نہ انہوں نے ایسا کیا ہے۔ اور انکی بعثت کی یہ
بھی غرض نہ تھی کہ احکام کے علل و اسرار پر بحث کرتے۔ اور
ہر ایک امر و نہی کی نسبت دلآویز تقریریں کرتے۔ ان کا روئے
سخن مہذب غیر مہذب۔ عالم۔ جاہل۔ شہری۔ دیہاتی سے ایک
ہی وقت میں ایک ہی سے الفاظ میں بلکہ ایک ہی لہجہ میں تھا!

ہے۔ اس لئے وہ الہام ربانی اور القاء رحمانی سے آخری نتائج کو قطعی اور حکمی طریق پر بیان فرما دیتے ہیں۔

نہ صرف انبیاء تک ہی یہ طریق محدود ہے۔ بلکہ حکماء بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔ غرض جیسے حکمائے اشیاء کے خواص کے تجربہ کے بعد نتیجہ کے طور پر کسی شئے کو گرم اور کسی کو سرد قرار دیدیا۔ ایسے ہی انبیاء نے بھی اعلام الہی سے کسی شئے کو حلال اور کسی کو حرام کسی کو جائز کسی کو ناجائز کسی کو گناہ اور کسی کو ثواب کہا۔

پھر گناہ کیا شئے ہے؟

عام سمجھ کے لوگوں کو تو شاید اتنا ہی کہنا کافی ہوگا۔ کہ خدا کی نافرمانی کا نام گناہ ہے۔ جب ایک انسان خدا کے حکم کے موافق اپنے قویٰ اور اعضاء کو کام میں لگاتا ہے۔ یہ نیکی اور ثواب ہے اور جب اس کی مرضی کے برخلاف استعمال کرتا ہے اور افراط تفریط کی طرف مائل ہوتا ہے۔ وہ گناہ اور شر ہے۔ خدا کے حکم کی مثال صراط مستقیم (سڑک سیدھی) کی سی ہے۔ کہ جو لوگ اس سڑک پر چلے جائیں جو اللہ تعالے نے تجویز کی وہ نیکی اور ثواب کا کام کمانے والے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس سڑک سے ادھر ادھر چل کر چلیں وہ بدی اور شر کی طرف مائل ہیں۔

لیکن فلسفانہ مزاج والے لوگوں کی اس جواب سے تسلی نہیں ہوتی۔ ان کو جب تک فطرت کے آثار و نتائج ان کے سامنے پیش نظر کر کے فلسفانہ ڈھنگ میں نہ سمجھایا جائے مطمئن نہ ہونگے۔ اس لئے ان کے مذاق کے موافق اعمال انسانی اور اس کے نتائج و آثار بیان کر کے فلسفانہ ڈھنگ میں گفتگو کی جاتی ہے۔

گناہ کی فلاسفی

کل اقوام عالم میں گنہگار ہونے کا خیال مشترک طور پر پایا جاتا ہے

ہر ایک زبان میں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو نخوت و رعونت کا نازیبا لباس پہن کر انسان کی اصلی خاکساری و اقعی تذلل کے اظہار کا وسیلہ بنتے نہیں۔ یہ خود پسند اکڑنے والی ہستی کیوں ایسے گرے گرے الفاظ بولتی ہے؟ اس کے قلب کے اندر کس نے خلجان ڈال رکھا ہے۔ کہ تجھ میں ضعف اور نقص ہے۔ ایک وقت انسان پورے زور آور واجب استحقاق سے تعلی کی لیکر "میں اور ہم" بولتا ہے۔ مگر عنقریب ناانداشتہ انقلاب واقع ہو جاتا ہے۔ جس کی تاثیر اس سے یہ "خاکسار" یا یہ "بندہ ضعیف" یا یہ "ذرہ بمقدار" کہواتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کی بناوٹ کچھ ایسی موضوع ہوئی ہے کہ بلاقید اور بلاقابو ہر قسم کے دل میں گذرنے والے جذبات متمنیات اور رنگ کے ممکن الصدور افعال کے اظہار اور ارتکاب کا اسے استحقاق حاصل نہیں۔ بعض جذبات و اعمال تو واجب الافتخار تخت طاؤس پہ اسے متمکن کرتے ہیں اور بعضے کانٹوں کا تاج پہنا کر الٹا صلیب سے لٹکاتے ہیں۔ کبھی ایک عمل کے کرنے سے اسے عزت شہرت کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور ایک دوسرے فعل سے ذلت اور بدنامی محرومی منہ دکھلاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان مطلق العنان اور سراسر خود" بناوٹ کا نہیں ہے اس کے اعمال و افعال ایک قید اور حد کے اندر محدود کئے گئے ہیں۔ یا ایک کامل مکمل نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لفظوں میں یوں کہو کہ یہ حمی کے آس پاس ریوڑ چرا رہا ہے اسے احتیاط لازم ہے کہ کہیں کوئی بھیڑ حمی در کھیں نہ جا گھسے نتیجہ یہ کہ اس کو اقتدار مطلق حاصل نہیں اور اس کے کلی اختیارات محدود ہیں، کیوں؟ قانون سیاست تمدن و معاشرت یعنے قانون قدرت ایک قاہر ظالم حاکم ہے جو آزادی کا دشمن ہے اور اپنے بندوں کو دلی جذبات کے آزادانہ استعمال سے خواہ نخواہ روکتا ہے۔ ایسا نہیں! قانون قدرت اس کے لئے ہے اور یہ اس کے برکات سے منتفع ہونے کے لئے ہی پیدا ہوا ہے۔ تو پھر اس کی حرکات کی جانچ پڑتال کیوں نہ کی جائے کہیں اسی میں نقص تو نہ ہو جو نظام عالم کے بے عیب چہرے پر داغ اختلال لگانے کا موجب ہو۔

مختلف اقوام ۔ مختلف ممالک کے سوچنے والے مختلف زبانوں میں
اس ایک بات پر بلا تذبذب متفق ہیں کہ اعمال انسانی دو قسم کے ہیں
ایک تو رسومات کے متعلق اعمال حسنہ یا سائل۔ سوماتی اشیاء ہو نافیہ
ہیں جو ہر زمانہ میں بدلتے چلے آئے ہیں۔ مگر اخلاقی مسائل قدیم سے مشترک
اور مسلّم اور بلا تبدیل ہم کو پہونچے ہیں۔ مگر ان اخلاقی مسائل کو عظیم الشان
عمارت کے ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ان حدود کو پھاند جانے کے لئے کبھی ہاتھ پاؤں مارے جاتے
ہیں۔ ضرور۔ تو پھر ان پر کیا نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ جھوٹ۔
دغا۔ فریب۔ قتل۔ ڈکیتی وغیرہ صفات وادی کے اس رو کی مانند
بہتے ہیں۔ جس کا عرج مدت سے ایک بھاری چٹان سے بند کر
رکھا تھا۔ بند کے ٹوٹنے پر معاً نشیبی آبادیوں کو وہ رو بہا لے گئی۔ قدرت
نے صفات فاضلہ اور اخلاق حمیدہ میں یک تو خوبی ایسی رکھ دی ہے
جس نے انہیں قبول عام کا زیور پہنا دیا ہے۔ اس پر ان کی اضداد
یعنی صفات ردیہ کے چاروں طرف ہولناک ظلمت گھیرے کر رکھے ہیں
اور سلیم فطرت کی آنکھ میں ان کی بڑی سے بڑی تصویر کھینچ دی ہے اس
لئے نکر ان حبیب دیوں کو ذرا آزادی ملی تو آدم کا کارخانہ
زیر و زبر کر دیں گے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انسان ان افعال اور
اعمال کا کیسے مصدر اور مورد بنتا ہے۔ اور کیونکر وہ جوابدہ قرار دیا
جا سکتا ہے۔

انسان کی بناوٹ پر غور کرو تو اس کے بعض اعضا دو دو جمیں باوگ
مثلاً آنکھ۔ کان زبان۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ جہاں تک شریعتیں دنیا میں
پائی جاتی ہیں یا جس قدر اخلاقی اصول ہیں۔ ان سب کا تعلق انہیں
کے ساتھ ہے۔ آنکھ میں یہ بھی قوت ہے۔ کہ خدا کی قدرت کا مشاہدہ
کرے۔ کان میں یہ بھی قوت ہے کہ خدا کی حمد اور ستائش سنے۔ اور
یہ بھی کہ کسی کی چغلی کرے یا کسی کو برا کہے۔ اور برے خیالات
کا اظہار کرے۔

علی ہذا القیاس ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی دوہری قوتیں رکھتے ہیں۔

غرض انسان کی ذو وجہیں اعضا میں دو متضاد قوتیں رکھی گئی ہیں انسان بدوں کسی وقت کے ان سے کام لے سکتا ہے۔ پس یہ اعضا ہیں۔ جن کے ساتھ اخلاقی شریعت بلکہ قوانین معاش و معاد کا تعلق ہمیں نظر آتا ہے۔

اب گناہ کیا شے ہے

۔چونکہ اخلاقی شریعتوں کا تعلق انسان کے دو وجہیں اعضا کے ساتھ ہے۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ ان کی بناوٹ پر غور کی جائے۔ معلوم نہیں حکما اُن کی بناوٹ کس قسم کی بتائیں گے۔ اور رگوں وغیرہ کا کیا کیا حساب لگائیں گے۔ مگر ہم اس بارہ میں اس اصول پر عمل کرتے ہیں۔ کہ کام اپنے نتیجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اور ہمیں نتائج سے بحث ہے پس ہمیں یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ پاؤں نے شراب خانہ کی طرف جانے سے یا چکلہ کی طرف جانے سے باوجود اسی ایک رفتار کو استعمال کرنے کے جس کا وہ عادی ہے۔ کس طرح اپنے احکم الحاکمین کو ناراض کیا۔ اور کیوں اس کی فطرت اسے گنہگار ثابت کر رہی تھی اسکا جواب یہی ہے کہ پاؤں کی اس رفتار کا نتیجہ انسان کے حق میں سخت مضر ثابت ہوا حالانکہ وہی رفتار کسی کالج کی طرف جانے آنے میں صرف کی جاتی۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ پاؤں کا صاحب ایم اے بی اے پاس کرتا اور امتحان مقابلہ میں اول نمبر رہ کر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنتا۔ جیسے پاؤں کی دو مختلف رفتاروں کی دو متضاد نتیجے مشاہدہ میں آئے ہیں۔ ویسے ہی باقی اعضا کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔ وہی مضر نتیجے معاشرت اور تمدن کو بلکہ انسان کے جسم و روح کو تباہ ہلاک کرنیوالے نتیجے جن کے انسداد کے لئے اخلاقی واعظوں کی سرتاج جماعت فرقہ انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ جن کے استیصال کو واجب الادب متقیوں کی قابل قدر کوششیں ابتدا سے مختلف رنگوں اور ہیئتوں میں اپنا کام

کرتی چلی آئی ہیں۔ کوئی نئی اصطلاح اُن کے اظہار کے لئے وضع کرو کسی لفظ میں ان بد اثروں کا نام لو۔ وہی تو گناہ ہے۔

لوگوں نے گناہ سے نجات پانے کے کیا طریقے نکالے

ہر ایک انسان خواہ وہ کیسی ہی حالت میں کیوں نہ ہو تسلیم کرتا ہے کہ وہ گنہگار ہے۔ اور ایسا ہی ہر ایک قوم نے سمجھا۔ مگر اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ مختلف اقوام اور مختلف مذہب کے لوگوں نے گناہ سے نجات پانے کے کون سے وسائل سوچے اور اختیار کئے۔

فطرت کو اس شعور نے کہ میں ناقص ہوں۔ گنہگار ہوں۔ بیقرار تو کر ہی رکھا تھا۔ اس پر ہر قوم نے نجات کی کیسی کیسی ناقص راہیں تجویز کی ہیں۔ قدیم اہل یونان نے حصول نجات کے لئے کیسے مصائب اُٹھانے گوارا کئے۔ انسانوں کی قربانیاں چڑھائی گئیں۔ مادی اشیاء کی پرستش زندگی کا جزو اعظم قرار دی گئی۔ غرض جس چیز سے کوئی سی ضرورت انسان کی زندگی سے متعلق ثابت ہوگئی۔ وہی مرجع بیم و اُمید قرار پا گئی۔

عقلمند آریہ ورت نے یونان اور دیگر اقوام دنیا سے چند قدم آگے ہی بڑھائے۔ کہیں گنگا میں ڈوب مرنا۔ شرط نجات ٹھہرا۔ جگناتھ جی میں بت کے رتھ کے پہیوں تلے پس جانا سادہ اعتقاد ہندوؤں کے نزدیک ذریعہ حصول بہشت یقین کیا جاتا۔ اور کہیں خونخوار اژدہا کی زد میں چڑھ جانا ابدی نجات پانے کا وسیلہ سمجھا جاتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ میری غرض اس اظہار سے یہ ہے کہ انسان نے اضطراب اور گھبراہٹ میں گناہ سے نجات پانے کے لئے بے اختیار کیونکر ہاتھ پاؤں مارے۔ اور

گناہ کی سزا دکھ درد تکلیف قرار دی۔

اب اس سے زیادہ عقل کی مدعی قوم کو دیکھو انہوں نے کون سی اطمینان کی راہ سوچی ایک بڑے ہوشیار واقفکار نے جو اصل میں یہودی تھا۔ دور اندیشی سے استیصال مذہب حقہ مسیح کی یہ تدبیر نکالی۔ کہ اول تو اہل یونان کی مسلمہ مائی تھالوجی کے مذاق پر ایک تین ماں باپ کے بیٹے کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ اور اس بات کا اہل یونان کے دلنشیں ہو جانا عجیب نہ تھا۔ کیونکہ وہ ہر نامی گرامی آدمی کو جیسے سکندر ارسطو وغیرہ بخوشی خاطر اس معزز لقب سے یاد کرتے تھے۔ پھر شرایع سابقہ کی تکذیب کی جو سوجھی تو مسئلہ کفارہ کی تلقین و تعلیم شروع کر دی اور کیسے کیسے پر پیچ پہلو دار خطوط کا سلسلہ جاری کر دیا۔ بالانصاف سوچنے والے جنہوں نے گریک مائی تھالوجی کو پڑھا ہے۔ وہ ذرا بھی حیران نہیں ہو سکتے۔ کہ کیوں بڑی رغبت سے لوگوں نے اس عقیدہ کو گوارا کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تو انہیں کے خیالات کا نعم البدل تھا۔ اس سادہ دل مومن کو حضرت حسین علیہ السلام کے دردناک واقعہ کو اُمت کے گناہوں کا کفارہ یقین کرتا ہے۔ حضرت مسیحؑ کے کفارہ پر جو حضرت حسین علیہ السلام سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اعتقاد کرنا کیا مشکل ہے فرایض یعنے اعمال کا التزام جو اکثر کاہل طبیعتوں کو ناگوار گذرتا ہے۔ بے سود اور غیر ضروری ٹھیرا دیا۔ پس اب قبول کرنے میں بک ہی کا ہے کی تھی۔ یہ سب فرضی ڈھکوسلے ہیں۔ اور دل میں ایک جماتے ہوئے اور اعتقاد کئے ہوئے خیال کی تائیدیں کہ گناہ کی سزا تھی۔ موت۔ سو۔ خدا نے اپنے اوپر وارد کر لی۔

اس انوکھے مسئلہ کے بانی نے یہ نہ سوچا کہ کفارہ خدا کو ایک ضعیف المزاج کمزور ثابت کرتا ہے۔ جو عدم قوت فیصلہ کے

؎ یہ شخص پولوس تھا جو پہلے یہودی تھا اس نے فریب سے اپنے تئیں عیسائی بنایا اور مذہب حقہ مسیح کو نسخ و مسخ کر دیا۔

باعث مضطرب ہو کر خودکشی پہ آمادہ ہو گیا - اور باوجود علم و وسیع احاطہ
عقل نامہ اور اقتدار مطلق کے اور کوئی راہ قرار نہ دے سکا - دنیا
میں ہزاروں آدمی زمانہ کی کجادائی و مرض سے تنگ آکر جان عزیز کو
تلف کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں - اس میں خوبی کیا ہوئی جوانمردی
کیا ثابت ہوئی -

وہ خونخوار بے رحم شیطان، تو ویسا ہی اس کی بھیڑوں اور معصوم
میمنوں کے پیچھے لگ رہا ہے - وہی انسانی بناوٹ ہے - وہی قوائے
ہیں - وہی اُن کے آثار رہے - جو قبل اور بعد کفارہ کے بلا تبدل
یکساں چلے آئے ہیں - عمل ہو یہ دنیا کو اس مسئلہ کی اوپ دے دکھایا
کیا کیا اور نجات کا یہ کیسا قابل تمسخر طریقہ نکالا گیا - میں کبھی عیسائیاں یورپ
کو خودکشی پر الزام پسند نہیں کرتا - مسکین معذور ہیں - خود خداوند
خدا نے تو یہ سپریچل نمونہ دیا ہے یا ایمان مقتدا ؛ اسی کے نقش
قدم پر چلتے ہیں - بہر حال عقلمند آدمی کو یہ سوچنا چاہئے - کہ اس میں خوبی
کونسی ہے - کہ خدا عدل و رحم رب زعم نصاریٰ ضدین کے جمع کرنے سے
تنگ آکر خودکشی کر گیا - اور مخلوق کو کیا عملی نمونہ دیا -

فطرت کے رو سے نجات پانے کا طریقہ

اور نجات کی سچی فلاسفی

قلت تفکر انسان کو بیقرار کرتی ہے - کہ یہ ضدین ہیں - ان میں توفیق

لہ ہم عیسائیوں سے پوچھتے ہیں کہ مسئلہ کفارہ پر ایمان لانے سے گناہ کی طاقت
سلب ہو جاتی ہے یا سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں - پہلی شق بالکل غلط - عیسائی
اور قوموں سے بڑھ کر گناہ کرتے ہیں - دوسری حالت میں عیسائی واعظ صاحب کو
وعظ کرتے کیوں نہیں دیکھے جاتے اور جرائم پر اُنہیں سزا کیوں دیا کرتے ہیں -

محال ہے۔ حالانکہ قدرتی واقعات پر غور کرنے اور پھر نتائج نکالنے کا آدمی روزمرہ کے واقعات زندگی میں مشاہدہ کرتا ہے۔ کہ سارا نظام عالم عدل اور میزان مستقیم پر چلتا ہے۔ تمام قوتیں تمام طاقتیں اپنی فطرت کے موافق خالق حقیقی کی مشیت کے مطابق اپنا اپنا کام کر رہی ہیں در پردہ ایک انجن اور خدا معلوم کتنی بڑی طاقت کا انجن گرم کار ہے۔ کہ یہ بے شمار مختلف کارخانے شب و روز درست انتظام سے جاری ہیں۔

عادل رحیم خدا نے اس کارخانہ کو اسی ترتیب کے ساتھ بنایا ہے کہ اگر ایک دفعہ انسان نے کسی سبب کے سمجھنے میں غلطی کی اور نقصان اٹھایا تو وہی اپنی غلطی پر آگاہ ہو کر نفع کثیر حاصل کرنے والا ہو گیا پس اسی طرح پر اور ٹھیک اسی طرح پر ہاں اسی عدل اور رحم پر یہ کارخانہ جاری ہے۔

زیادہ مثالوں کی چنداں ضرورت نہیں۔ غلطی کے بعد اصلاح کی توفیق ٹھوکر کے بعد سنبھل جانے کی استعداد کس نے دی؟ اسی عادل رحیم نے تو دی۔ یہی رجوع اور سچا رجوع جو غلطی کے بعد اصلاح کی جانب انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اور مافات پر ندامت اور آئندہ اس لغزش سے بچنے پر استقلال جو انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بس اسی کا نام توبہ ہے اور اسی پر فضل کی قبولیت ہے کہ اس سے انسان اپنے عجز و قصور کا دلی معترف ہو کر سبب حقیقی علۃ العلل کی یگانہ کی طرف کمال خشوع وخضوع سے رجوع لاتا ہے۔ یہی تو نجات کی سچی فلاسفی ہے۔ جسکی عملی نظیر روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہے۔ باقی ... خیالی اور وہمی اور اوہام کی باتیں ہیں۔ اس سچی فلاسفی کا نام الہی وصال الہی قرب ہے جو عالم نیاز کی بڑی بھاری تسلی کا موجب ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور انسان میں بعد ... نہیں ہے۔ اذا سئالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان اور نحن اقرب الیہ من حبل الورید

اہل نظر اہل بصیرت انصاف سے سوچیں۔ کہ اس الہی سچی فلاسفی کا ثبوت روزمرہ کے واقعات زندگی میں کیا نہیں ملتا۔

عسر کے بعد سامان یسر کس نے بنائے۔ مرض کے لئے ادویہ کس نے پیدا کیں؟۔ قسم کی شکست ریخت پر اسباب جبر و مرمت کس نے مہیا کئے۔ اللہ تعالےٰ ہی نے تو قانون قدرت کو اس اسلوب پر وضع کیا ہے کہ انسان کی استغاثہ کی معاً سماعت ہوسکتی ہے۔

سبحان اللہ کیسی سچی تعلیم ہے۔ کیسی فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ قانون قدرت اسی کا شاہد اور اُسی کا مؤید ہے۔ قرآن کریم کے خدا اور انسان کے رشتہ کو کس خوبی سے بنایا ہے۔ اور بڑی بھاری بشارت دی ہے۔ کہ خونخوار مغلوب الغضب روٹھ کر نہ ماننے والی ہستی نہیں ہے۔ وہ سُننے والا ہے۔ وہ قریب ہے۔ وہ ہر وقت مرادوں کے بر لانے پر آمادہ ہے۔ زبردل رہا ہے۔ دوسرے مذہب کی تعلیم میں اتنی بات کی توفیق نہ تھی۔ کہ صفات الٰہی کا مسئلہ سخت تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔ کسی کتاب نے کسی حصے پر روشنی ڈالنے کا ذمہ نہ اُٹھایا۔

اسلام نے نجات کا طریقہ فطرت اللہ کے موافق بتایا ہے

اسلام کی خصوصاً بڑی کارگذاری قرآن کریم کے دنیا میں نازل ہونے کی ضرورت اور احمدؐ۔ محمدؐ۔ محمودؐ صلعم کی بعثت کی اصلی غرض یہی تھی۔ کہ اس حل ناشدہ مسئلہ کو دنیا پر کھولدیا جائے۔ سو بحمد اللہ ایسا ہی ہوا۔ خدا کو خدا کی صفات کو ایسا بیان کیا۔ ایسا ثابت کیا۔ جیسا کہ انسانی فطرت کی حالت تقاضا کرتی تھی۔ یہ نہیں کہ انسان سے کوئی قصور ہوا

اور وہ ایسا روٹھ جائے کہ کبھی مانے نہیں۔ انسان کے اندر غیبی
تلاش کا مغیبات کی جستجو کا۔ یا بہ عبارت دیگر اُس کے قرب حاصل
کرنے کا تقاضا ہو۔ اور وہ اُس سے کوسوں بھاگتا پھرے۔ انسان
کے قلب میں نجات کی۔ راحت کی پیاس ہو۔ اور وہ انقلابات سے
بچانے پر اُس کے قادر نہ ہو یا بچانے کا روادار نہ ہو۔ وعلےٰ ہذا
غرض انسان جس طرح پہ مخلوق ہوا۔ جس قسم کی صفات اور
جذبات کا یہ مجموعہ ہے۔ پھر اس حالت کذائی پر جیسے اس کا
سچا نیچر آرزو کر سکتا ہے۔ کہ مجھے بالادست ہستی ایسی درکار ہے
اور میرا آقا میرا مالک ایسا ہونا چاہئے۔ اور آخرکار ایسا ہونا چاہئے
انسان کی اس آرزو کو صرف قرآن ہی نے پورا کیا ہے۔ برخلاف
اس کے یہ پختہ اعتقاد کیا گیا ہے۔ کہ خدا اور انسان میں اس قدر
بُعد فاصل ہے۔ کہ وہ خدا کی کسی خاص اختیاری رضامندی
(کفارہ) سے دور ہو سکتا ہے۔ ورنہ انسان اعمال کے ذریعہ تو
اُسے اُٹھا نہیں سکتا۔ یا العجب۔ عجب پہیلی ہے۔ پہیلی کو تو پھر
مناسبت شے مقصودے ہوتی ہے۔ اس معقول عقیدہ کو قدرت
کے کسی پہلو سے کوئی بھی موافقت نہیں۔

ایک اور سادہ دل قوم۔ مضر نتیجوں سے بے خبر قوم کہتی ہے
کہ انسان سب کچھ الست ہی سے اپنے ساتھ لایا ہے۔ اور تقدیر
نے ازل ہی سے قسمت کی پڑیا بنا کر ایک ہی ڈوز (خوراک)
میں سب کچھ اسے کھلا دیا۔ یہ خیالی اور تاریک بات ہے۔ کوئی
شہودی عملی نظیر اس کی نہیں۔ شریر المزاج انسان کو اپنی خباثت کو
خدائے قدوس کے ذمہ لگانے کا خوب ہتھکنڈا مل گیا ہے۔ مبارک
جامع کتاب کہتی ہے۔

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا

ترجمہ: انسان کو (عورت مرد کے) مختلط پانی سے پیدا کیا۔ پھر مورد انعام و افضال
بنانے کے لئے اسے سمیع و بصیر بنایا۔

مطلب یہ کہ ابتدا میں بے علم لایعقل حیوان تہا۔ جب عالم شہود میں آیا تو قوت سمع و بصر کے ذریعہ سے یعنے اسباب خارجیہ سے انواع و اقسام کے فنون اُس کو عطا ہوے ہمیں تو مشاہدہ اسی بات کا موید نظر آتا ہے۔ یہ اعتقاد کہ حال کے آثار اور نتایج گذشتہ جنم کے مقدمات کے مولود ہیں۔ خلاق و رزاق کی نسبت افترا پردازی ہے۔ یہی دہرا نامعقول عقیدہ تناسخ ہے جو بدقسمت انسان کے لئے ابدی موت کی سزا کا اثر رکہتا ہے۔ میں اس مسئلہ کی جو انسانی سوسائٹی کی تاریک دالانوں کا عملی نتیجہ ہے۔ تردید کرنے کی کوشش نہ کرونگا۔ علماء اسلام نے بھی اس مسئلہ کی نسبت پوری داد تحقیق دی ہے۔ شائقین ان کتابوں کو بھی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ مگر میں اتنا پوچھنے سے رہ نہیں سکتا۔ کہ اس سے معتقدین کے دل کو کیا راحت کیا سکون حاصل ہوا۔ اور ان کو گناہ سے بچنے کی کونسی تعلیم مل گئی؟ ان کی اخلاقی حالت پر اس اعتقاد نے کیا اثر ڈالا۔ مباحثہ اور [illegible] اور عملی [illegible] ہم صفائی اور دلیری سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ عقاید [illegible] تناسخ دہریت کے شعبے ہیں۔ اور اگرچہ [illegible] ان مسائل کے [illegible] نے بظاہر [illegible] سے سادہ دلوں کو سبب صفات [illegible] کی طرف جو درپردہ پوری دہریت سے [illegible] کیا ہے۔

اب موقعہ ہے کہ ہم [illegible] کو بتائیں کہ اسلام نے اس بارہ میں کیا کیا۔ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ غیر قوموں نے صفات الہی کے سمجھنے میں سخت ٹھوکر کہائی ہے۔ اعمال و عقاید کیا ہوتے ہیں؟ [illegible] معبود کی قرار دادہ صفات کی بنا پر اس کے خوش کرنے کے واسطے ہوتے ہیں۔ خوب۔ اگر ان منسوب صفتوں کا کوئی موصوف موجودہ مجسم مشاہدہ میں آسکے والایقین کرلیویں تو وہ کس ہیئت [illegible] کا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک خونخوار سفاک [illegible] غضب جسم ہوگا۔ وہ قوم جس نے عقیدہ تناسخ کی بنا ڈالی [illegible] تو بت پرستوں کی سی قرار دادہ صفتوں کا

موصوف خدا کو ! نا۔ کہ نجات ابدی دینی وہ کبھی پسند نہیں کرتا اور جنم مرن کے زنجیر سے مظلوم انسان کو مخلصی دینے پر وہ کبھی خوش نہیں ہوتا۔ نصاریٰ نے تو بس حد ہی کر دی کہ اہل تجسیم و تشبیہ کے بھی کان کتر دیئے۔ حدوث امکان کی جس قدر صفات ہیں۔ بھوک۔ پیاس۔ دکھ درد۔ جنم مرن کو بھی خدا کی طرف نسبت کرتے ہوئے کچھ شرم نہ کی۔

نبی کامل رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ٹھیک ٹھیک رحمٰن کی طرف لوگوں کو دعوت کی اور یوں بشیر ہونے کا باستحقاق تاج فخر آپ کو ملا۔

قرآن کریم کی ابتدائی سورت (فاتحہ) میں صفات باریتعالیٰ کا یوں انتخاب دیا گیا۔ الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ط ہر قسم کی حمد و ثنا کا حق اللہ (یعنی وہ معبود حقیقی صفات کاملہ کی جامع ذات جس جس کا ذاتی نام اللہ ہے) کو حاصل ہے۔ جس نے کل مخلوقات کی ربوبیت و پرورش کا ذمہ لیا ہوا ہے۔ جس نے بلا درخواست کے۔ بغیر مزدوری اور عمل کے محض فضل عظیم سے انسان کو خلعت وجود بخشا۔ اور اس کے لئے اس کے مقتضائے فطرت کے موافق تمام اسباب کو مہیا کیا الرحیم وہ جو اعمال نیک پر اپنے مخلص و وفادار بندوں کو ان کی عبودیت و اخلاص کی وجہ سے مدارج عالیہ پر سرافراز فرمائیگا۔ اور ان کی ان کمیوں کو جو ضعف بشریت کے باعث ان میں رہ جاویں گے اپنے احسان عام سے پورا کرد ےگا۔ ملک یوم الدین۔ وہ جو بد کرداروں کو ان کی بدی پر۔ اور نیکوکاروں کو ان کی نیکی پر جزا دیگا۔

یہی حقیقی اور واقعی بشارت (انجیل) ہے جس کی وعظ اسلام نے کی ہے۔ اور یہ عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ اور ٹھیک ثابت ہوا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کی زبان سے قرآن میں نقل فرمایا۔ واذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ

الیکم مصدقاً لما بین یدی من التوریۃ و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ عیسےٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں اللہ کا رسول ہوں۔ تمہاری طرف اپنے سامنے کی کتاب توریت کو تصدیق کرنے والا اور اپنے سے پیچھے آنے والے ایک رسول کی بشارت دینے والا جس کا نام احمد ہوگا۔

اسلام نے انسان کو کاسب اعمال ٹھیرایا۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے من عمل صالحاً فلنفسہ و من اساء فعلیہا و ما ربک بظلام للعبید جس نے عمل نیک کیا اپنی جان کے لئے اور جس نے بُرا کیا اپنے ہی واسطے اور تیرا رب تو بندوں پر ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔ اور پھر فرمایا من عمل صالحاً من ذکر او انثی و ھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ و لنجزینہم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون جو عمل نیک کریگا مرد ہو یا عورت ہم اس کو اعلےٰ درجہ کی مقدس زندگی عطا فرمایں گے۔ اور اُن کے اعلےٰ درجہ کے کاموں کی اُن کو جزا دینگے۔

یہی انسان کا واقعی نیچر ہے۔ اور روزمرہ کے مشاہدہ میں آرہا ہے۔ صحیح اسباب پر تمسک دی ہوئی طاقتوں کو ٹھیک اپنے مصرف میں صرف کرنے والے کیسے کامیاب ہو۔ اور برخوردار ہورہے ہیں۔ اور اس کے خلاف کاہل۔ بد دل۔ کافر نعمت کیسی تباہی اور ذلت کے گڑھے میں گر رہے ہیں۔

پادری صاحبان بڑے ناز سے کہا کرتے ہیں۔ کہ قرآن شریف مسئلہ کفارہ سے خاموش ہے۔ خاموش نہیں۔ اس کو اخلاق انسانی کا قاتل۔ فطرت کا رہزن سمجھکر اس کی بیخکنی کرتا ہے۔

وَاَن لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ ۔ اور کوئی بوجھ اُٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائیگا
وَاَن لیس للانسان الا ما سعیٰ ۔ اور کہ انسان کے حصہ میں وہی ہے
وَاَن سعیہ سوف یریٰ ۔ جو اُس نے کمایا ۔ اور کہ اسکی پر کمائی پر نظر ڈالی جائیگی۔

وان تدع مثقلتہ الی حملھا لایحمل منہ شیٔ ولو کان ذا قربیٰ۔ اور اگر بوجھ کے تلے دبا ہوا اپنے بوجھ کے ہلکا کرنے کے لیے کسی کو پکار دے گا۔ خواہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے کچھ تخفیف نہ کریگا۔

اب کوئی اس کلام کو خدا کے کام (قانون قدرت) سے مقابلہ کرکے دیکھے گا۔ اُسے اُس کی تصدیق نظر آئیگی یا اس خیالی اور وہمی مسئلہ کفارہ کی جو عیسائیوں نے گھڑ رکھی ہے۔

توبہ اور اُسکی فلاسفی حقیقی نجات اور اسکی بشارت

قرآن کریم نے آدم علیہ السلام کے قصہ میں آدم علیہ السلام کی کمزوری کو جو حکیم مطلق نے خاص حکمت سے اس میں رکھی ہے بیان کرکے پھر اصلی حقیقی کفارہ (یعنی نجات) مسئلہ توبہ کا ذکر کیا ہے فتلقی ادم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم۔

پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ باتیں سیکھیں پھر اُس کی توبہ اس نے منظور کی۔ یقیناً اللہ تعالےٰ توبہ منظور کرنے والا رحیم ہے۔

آدم سے غلطی ہوئی۔ پھر خداوند نے اُسے کیا کلمات سکھائے۔ جس سے وہ معافی کا مستحق ٹھہر گیا۔ ان کلمات کو ان باتوں کو آدم علیہ السلام کی اولاد میں انسان کی فطرت میں ڈھونڈھ دیکھو۔ کیا یہی جو ہر وقت ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں خود ذکر کرتے ہیں بعض میں گو اسباب کے غلط اور بے جا استعمال کیا جو ٹھوکر لگی۔ نقصان واقع ہوا مگر پھر آگاہ ہو کر سچی رجوع کرکے صحیح اسباب کو جو استعمال کیا۔ آخر جبر کسر ہوگیا۔ تلافی مافات ہوگئی۔ اسیطرح

یہ نظام کائنات چلا جاتا ہے۔ اور یونہی چلا جائیگا۔ جب تک اللہ
چاہے توبہ کیا ہے؟ غلطی پر متنبہ ہوکر اس صواب کی جانب رجوع
کرنا اور پھر اصلاح کے لئے درست اسباب کو اختیار کرنا جسکی نظائر
قانون قدرت میں دن رات مشاہدہ میں آتی ہیں۔

قرآن کریم نے اس خصوص میں فطرت انسانی کی اور اعمال و [illegible]
کی اصلی اور سچی تصویر کھینچدی ہے۔ انسان سے قصور ہو جانا اور لغزشوں
کا وقوع ہونا اس لئے ہے کہ یہ اپنی عجز عبودیت اور عظمت الوہیت
کو بھول نہ جائے خطا کے بعد سچی رجوع حقیقی خشوع و خضوع دلی ندامت
اس میں پیدا ہوتی ہے تو اس سے حق تعالیٰ کی عظمت کا انکشاف
جدید اس کو حاصل ہوتا ہے۔ پس یہی منشا ہے۔ ربانی اور اس کی
انابت اور رجوع کو قبول کرنا فضل ربانی ہے۔

جس مذہب میں توبہ کی ضرورت اور استغفار کا مسئلہ نہیں ہے
وہ مذہب ہرگز بانی فطرت کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ فطرت میں
ہر روز اس کی نظائر مشاہدہ میں آرہی ہیں۔ جہاں ہم کسی امر میں غلطی
کرتے ہیں۔ کسی قانون قدرت کو توڑنا چاہتے ہیں۔ اس کے نتیجہ بد پر
متنبہ ہوکر فوراً صواب کی جانب رجوع کرتے اور قانون قدرت کے
متبع ہوجاتے ہیں۔ بس یہی مثال روحانی زندگی میں ہے۔ روحانی
زندگی میں بھی جہاں ہم سے غلطی ہوئی۔ فوراً سچی توبہ انابت اور
اصلاح حالت سے نیکی اور ثواب کی جانب رجوع کرتے اور آئندہ
کوشش اور مجاہدہ سے عمدہ حالت میں ہو سکتے ہیں۔ جس طرح پر کہ نظام
عالم میں کسی [illegible] غلطی کرنے کے بعد صواب کی جانب رجوع
ہو[illegible] نتیجۃً غلطی دور اور [illegible] ہو جاتی ہے۔ اسی طرح
[illegible] عالم میں جہاں ہم سے کوئی گناہ یا خطا ہوئی صواب کی
[illegible] رجوع کر[illegible] تلافی اور سب رفت گذشت نسیاً
منسیاً ہو جاتی [illegible] قابل سزا نہیں رہتی۔ نہ جیساکہ آریہ کا
اعتقاد ہے۔ [illegible] عمدہ حالت کے پچھلی غلطی معاف نہیں
ہوسکتی۔

اصل یہ ہے کہ خدائے عزیز و حکیم نے ایک مصلحت اور حکمت سے انسان کی فطرت ہی ایسی پیدا کی ہے کہ اس سے مترلت اور لغزش۔ سہو و خطا و ظہور میں آتے ہی رہتے ہیں۔ اگر اس منزلت اور قصور کی خدا تعالےٰ کی طرف معافی نہ ہوسکے۔ تو کسی انسان کا ابدالآباد تک نجات پانا ممکن ہی نہیں۔ اور پھر نجات صرف ایک لفظ ہو جاتا ہے جس کے معنے اور مفہوم خارج میں کچھ ہو نہیں سکے۔

بات یہ ہے کہ یہ کمزوری فطرت انسانی میں اللہ تعالیٰ نے اس لئے رکھی ہے کہ تا انسان سے جب منزلت اور خطا سرزد ہو۔ تو سمجھ کہ میں قصوروار خاطی اور ناقص ہوں۔ کامل ہے۔ عیب اور بے خطا صرف اللہ کی ذات ہے۔ ہم نے خدا تعالیٰ کو کامل اور مقدس کاہے سے جانا۔ اپنی ناقابلیت۔ نقائص اور ناپاک حالت بے خدا کو عیب۔ خطا اور قصور سے بری کیسے پہچانا۔ اپنے عیبوں۔ خطاؤں اور تقصیرات سے لغزش اور خطائے بعد جب انسان اپنی خطا کا اقرار اور یقین کرتا ہے۔ تو رب العالمین کی عظمت تقدس اور کاملیت کا خاص خیال دل کے اندر جاگزین ہو جاتا ہے اور جب سچی توبہ اور خدا کی طرف انابت اور رجوع کرتا ہے تو اپنی خاکساری انکساری اور تذلل کا اوسے خاص ادغان ہوتا ہے۔ گویا اودھر پرلے درجہ کی عظمت اور ادھر غائیت درجہ کی ذلت کا خیال ہوتا ہے۔ عظمت الہی بندہ کو اس ذلت اور ندامت کی حالت میں دیکھ نہیں سکتی۔ سچی توبہ اور سچا دین اور رجوع کرنے کے بعد فوراً اللہ تعالےٰ بندہ کا ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اور سامنے سے درگزر کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور یہی سچا کفارہ اور یہی نجات ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واذا جاءک الذین یومنون بآیاتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوءً بجہالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم۔ اور اے نبی جب تیری پاس وہ لوگ آئیں جو ہمارے کلام پہ یقین رکھتے ہیں۔ تو اُن سے کہو کہ تم پہ اللہ کی سلا

تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحم لازم کر لیا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ جو کوئی تم میں سے بُرا کام کر بیٹھے۔ پھر اس کے بعد اس سے توبہ کرکے اور اپنی حالت کو آئندہ کو سنوارے۔ تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ اکبر! سچی توبہ اور سچی انابت کے بعد رب العالمین کو بندہ کے تفرع اور زاری سے شرم آجاتی ہے۔ اور وہ آخرکار اپنی عنایت فضل اور رحمت سے انسان کے گناہ بخش کر اپنے ظل رحمت میں جگہ دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث کے اندر الہامی زبان میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں اللہ تعالےٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔ یا ملائکتی لقد استحییت من عبدی ولیس لہ غیری فقد غفرت لہ

اے فرشتو! مجھے بندہ کی کمال تفرع اور زاری سے شرم آتی ہے۔ اس کا میرے سوا کوئی نہیں سو میں نے اس کو بخشدیا۔

سچ ہے گناہ کے بعد سچی توبہ تفرع وزاری اس نیکی سے ہزار گنا اچھی ہے۔ جس کے بعد انسان [illegible] فخر کرے مولوی جامی فرماتے ہیں ؎

حیرت کردنت ما بہ جریدہ فنا گشتہ
بہزار طاعتے کہ بہ شجبہ [illegible] درپا گشت

انسان کی کوتاہیاں اور [illegible] اس رب العالمین کی [illegible] کا یقین دلاتی ہیں۔ انسان کی تقصیرات زاری اور تفرع کے بعد خدا کی مغفرت اور رحمت کے سایہ تلے لاتی ہیں۔ یقیناً جانو کہ اللہ تعالےٰ بڑا غفور رحیم اور بندوں پر کمال مہربان ہے وہ روٹھنے والی ہستی نہیں کہ بس ایک دفعہ جب انسان سے قصور ہوگیا۔ تو ظالم [illegible] کی طرح انتقام کے پیچھے لگ جائے اور ہزار ہا تفرع۔ زاری۔ سچی توبہ سے معاف نہ کرسکے۔ اس کا تعلق عباد کے ساتھ اتنا ہی نہیں۔ جتنا کہ ایک منصف حاکم کا رعیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس میں انسان کے سوا رحم ذاتی کا نام ونشان تک نہ ہو۔ بلکہ اس کا رعیت کے ساتھ ہوتا ہے تعلق بندوں کے ساتھ ایسا ہے۔ جیسے ایک مہربان آقا کا غلاموں کے ساتھ یا پیارے باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ کہ وہ کبھی اپنے غلاموں

اور بیٹوں کی ہلاکت اور ضائع ہونا نہیں چاہتے۔ بلکہ اکثر تقصیرات سے درگذر کیا کرتے ہیں۔ اور صرف بعض قصوروں پر جو ان کی حالت کے اصلاح کے لئے ضروری ہو۔ مناسب سزا دیدیا کرتے ہیں۔ بجز اس حالت کے کہ جب وہ غلام یا اولاد بالکل باغی اور سرکش ہو کر مقابلہ اور مخالفت کے لئے اٹھ کھڑی ہو۔ یا اپنے آقا اور باپ کو آقا اور باپ سمجھے ہی نہیں۔ کہ ایسی حالت میں وہ عاق کرنے اور ابدی جیلخانہ کے لائق ہے۔

آریہ لوگوں میں گناہ سے نجات پانیکا طریقہ اور اُس پر نظر

آریہ لوگ خدا تعالےٰ کو صفت عفو اور مغفرت سے بالکل خالی جانتے ہیں اور ان کے مذہب میں گناہ کی معافی اور نجات کا کوئی طریقہ نہیں۔ بلکہ وہ لوگ سچی توبہ اور انابت کو ایک لغو اور فضول امر جانتے ہیں اور عدل الٰہی کے سراسر برخلاف ان کے نزدیک اگر انسان ایک دفعہ لغزش کھا جائے یا گناہ کر بیٹھے تو پھر سچی توبہ اور خالص رجوع سے کبھی اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔ بلکہ او [illegible] انسان نے گناہ کیا اور ادھر بے بس ہو کر اواگون کے پھندے میں جا پھنسا اور تا وقتیکہ کئی جون اپنے عمل کے پاداش میں بھگت نہ لے اس سے بری نہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی مسلمان یا عیسائی آریہ ہو جائے اور آئندہ کو وید کا سچا معتقد بن جائے۔ تاہم اس کے پچھلے گناہ جو پہلے مذہب میں کئے تھے ہرگز معاف نہیں ہو سکتے جس سے ظاہر ہے کہ آریہ کے مذہب میں داخل ہونا یا نہ داخل ہونا یکساں ہے۔ غرضیکہ وید کے مت میں گناہوں کی معافی اور نجات کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ گناہ [illegible] کے لئے [illegible] ابدی موت کا فتویٰ ہے۔ ہمارے نزدیک تو [illegible] قدرت خود اس امر کی شاہد ہے

اور ہزارہا نظیریں اس کی موجود ہیں۔ کہ ادہر انسان سے ایک لغزش ہوئی تو اس کی تلافی کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ ادہر ایک ٹھوکر کھاتا ہے۔ اودھر سنبھلنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات مزلات اور تقصیرات اسکو سنبھلنے اور کوتاہیوں کو پورا کرنے کی رہبر ہو جاتی ہیں۔ تو کیوں نہیں روحانی حالت کے خراب ہو جانے کے بعد انسان سنور سکتا۔ اور کیوں نہیں روحانی حالت میں نقص آنے کے بعد اس کی تکمیل میں کوشش کر سکتا۔ دنیا میں ہزاروں شریف آدمی دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ بلکہ شرافت کی اعلیٰ کسوٹی زیردستوں اور ماتحتوں کے قصور معاف کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ آریہ لوگ خدا تعالےٰ کو اس اعلیٰ صفت سے بالکل جواب دے رہے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ پرماتما سرشٹی رچنا، دیالو۔ کرپالو۔ کبھی کسی کے گناہ معاف کر ہی نہیں سکتا۔ انسان لاکھ گڑگڑا رے۔ عاجزی کرے۔ آئندہ کے لئے اپنی حالت کی اصلاح کرے وہ کبھی بخشنے والا ہی نہیں۔ حالانکہ سہو و خطا کا مادہ جو انسان کی فطرت میں مرکوز ہے۔ جس سے کوئی انسان خالی نہیں (الانسان مرکب من الخطاء والنسیان) خدا تعالیٰ کی مغفرت اور عفو کے بغیر کوئی چیز اس کی تلافی ہی نہیں کر سکتی۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قصور بھی معاف نہ ہو۔ تو نجات کا مفہوم ہی عنقا ہو جاتا ہے۔ اور کسی انسان کا نجات پانا ممکن ہی نہیں رہتا۔ کیونکہ دنیا میں ایسا کوئی بھی شخص نہیں۔ جس سے کوئی گناہ یا خطا نہ ہوئی ہو۔ پس درصورت عدم مغفرت الٰہی کے کوئی شخص نجات پا ہی نہیں سکتا۔

پس یہ آریہ کی سخت غلطی ہے جو وہ مسئلہ توبہ سے منکر اور خدا تعالےٰ کی مغفرت کے قائل نہیں۔ حالانکہ گناہ کے لئے سچا کفارہ ہی توبہ ہے جو خدا تعالےٰ کے قانون قدرت میں نظر آتا ہے۔ اس دنیا میں بعض اسباب کے غلط اور بے جا استعمال سے جو ٹھوکر لگتی ہے۔ وہ ٹھوکر آئندہ کو اپنی حالت کے اصلاح اور درستی کا موجب ہو جاتی ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کا یہ قانون قدرت روحانی

دنیا سے بالکل متعلق نہ ہو اور وہ کسی شخص کی سچی توبہ اور انابت اور آئیندہ کو اصلاح حالت پر ایک گناہ بھی معاف نہ کر سکے اور جب تک انسان کو گناہ کے بدلے میں کیڑے مکوڑے سور باندر نہ بنالے اسکا پیچھا نہ چھوڑے۔

پنڈت دیانند صاحب اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش اردو ترجمہ پنڈت رادھا کشن صفحہ ۴۹۱ میں لکھتے ہیں۔ کہ توبہ سے گناہ معاف نہیں ہوسکتے بلکہ توبہ کی ہدایت سب کو گنہگار بنانے والی ہے۔ کیونکہ جب گناہ معاف ہونے کا حوصلہ انسان کو ملتا ہے۔ تب گناہ کرنے سے نہیں جھجکتا۔ اس لئے ایسا کہنے والا خدا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی قرآن کلام اللہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا منصف ہے کبھی ظلم نہیں کرتا۔ گناہ معاف کرنے سے تو بے انصاف ہوتا ہے جیسا گناہ ہو۔ ایسی سزا دینی منصف کا کام ہے۔

یہ مسئلہ آریہ لوگوں کا ہے جو سراسر عقل و نقل کے برخلاف ہے اور قانون فطرت کے متضاد ہے۔ پنڈت دیانند جی خود بھی بھومکا میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔ جس میں صریحاً توبہ کی ضرورت و ہدایت موجود ہے۔

پنڈت جی لکھتے ہیں اس ایشور کے ہدائت کئے ہوئے دھرم کو ماننا ہر انسان پر یکساں فرض ہے اور چونکہ اس کی مدد کے بغیر سچے دہرم کا علم اور پابندی اور تکمیل و کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے انسان کو ایشور سے اس طرح مدد مانگنی چاہئے۔

اے اگنی (پرمیشور) عہد و صداقت کے مالک و محافظ میں سچے دہرم پر چلوں گا۔ میں اس کی پابندی کرونگا۔ اے پرمیشور مجھے سچے نیک چلن اور دہرم پر عمل کرنے کی طاقت ہو۔ آپ مجھکو ہمت دیجئے۔ کہ میرا یہ سچے دہرم کا عہد آپ کی عنائت سے پورا ہو (عہد یہ ہے کہ) میں آج سے سچے دہرم کی پابندی اور جھوٹ جھوٹے چال چلن اور ادہرم سے دوری اختیار کرتا ہوں۔ (یجر وید ادھیائے منتر ۵۰)

اب سوال یہ ہے کہ اس عہد کے مطابق جس کو اسلامی محاورہ میں
توبہ کہتے ہیں۔ اس عہد (توبہ) کرنے والے کو کیا دندہ۔ خدا کے سامنے
تو ایسی عاجزی سے اظہار اخلاص کیا۔ اور وہاں سے جواب ملا۔ کہ
تیرے پچھلے گناہ تو بدستور ہیں۔ جن کی پاداش میں تو پاخانہ کے
کرم۔ چھپکلی۔ سور اور باندر بنے گا۔ کیونکہ بغیر اس کے ہمارا عدل
اور رحم ہے۔ البتہ آئندہ کو اگر تو نے کچھ نیک کام کئے۔ تو ان کا
تجھے نیک عوض ملیگا۔ پھر بتلاؤ ایسے خدا سے تو معمولی بنئے دکاندار
بھی کسی درجہ اچھے ہوئے۔ جن کے نوکر اگر اخلاص سے توبہ کریں اور
آئندہ کو فرمانبرداری اور نیک چلنی کا عہد کریں تو وہ ایک دو دفعہ
تو ان کو بخش ہی دیتے ہیں۔ مگر پرمیشور ایسا کرپالو ہے کہ باوجودیکہ
اُسے بندے کے دل کا حال بھی بخوبی معلوم ہے۔ وہ محض اخلاص
سے میرے آگے گڑگڑاتا ہے۔ تاہم اس کے حال پر رحم کرکے اس
کے قصور معاف نہیں کرتا۔ سچ پوچھو تو پرمیشور بھی سچا ہے۔ وہ اگر
اسی طرح توبہ پر گناہ معاف کرتا جائے۔ تو اُس کے ملک اور حکومت
میں خلل آتا ہے۔ کیونکہ ابھی بدکاروں کو تو اس نے حیوانی قالبوں
میں ڈال کر دنیا کو آباد کر رکھا ہے۔ اگر وہ بھی ہاتھ سے نکل گئیں
اور سب مکتی خانہ میں چلی گئیں تو وہ لائے گا کہاں سے۔ تعجب تو
یہ کہ پنڈت جی کے منہ سے بھی کبھی کبھی بھولے سے سچی بات نکل جاتی
ہے۔ گو کسی پیرایہ میں نکلے۔ آپ خود ستیارتھ پرکاش کے ساتویں
باب میں لکھتے ہیں۔ کہ عدل اور رحم خداوندی آپس میں متضاد نہیں
پس ہم پنڈت جی ہی کی تقریر کی تشریح کرنے کو انہیں اور ان
کے چیلوں کو بتاتے ہیں کہ عدل کے معنے ہیں۔ وضع الشیء فی محلہ
(ہر ایک چیز کو اس کے ٹھکانے رکھنا) اور رحم کے معنے ہیں۔ ارادہ خیر
یا کسی کی حالت زار پر ترس کھانا۔ یہ صفت ارادہ خیر کی پنڈت جی
بھی خدا کی نسبت مانتے ہیں (ستیارتھ صفحہ ۲۲۰)

پس پنڈت جی بتلائیں کہ ایک شخص دلی اخلاص سے خدا کے
آگے بغیر کسی عذاب کے دیکھنے کے گڑگڑاتا ہے۔ توبہ کرتا ہے۔ تو اس کا

عدل (جس کے معنے ہیں ہر ایک چیز کو اس کی جگہ پر رکھنا) اس توبہ کے لئے بھی کوئی محل تجویز کرے گا یا نہیں۔ اس کی گریہ وزاری بے دیکھے آہ و بکا۔ سچی ندامت۔ حقیقی ندامت کا بھی کوئی محل ہے یا نہیں بندوں کے فضل کے لئے کوئی نہ کوئی محل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس فضل (توبہ) کا کوئی محل نہ ہو۔ پس قبول توبہ عین عدل اور رحم دونو ہے یا نہیں۔ بلکہ توبہ کا نہ قبول کرنا اور گناہوں کا نہ معاف ہونا سراسر ظلم اور خلاف عدل ہے۔ کیونکہ وضع الشئی فی محلہ کے خلاف ہے۔ اصل میں پنڈت جی کو حقوق العباد بندوں کے حقوق، اور حقوق اللہ (خدا کے حقوق) میں اشتباہ ہو گیا۔ ان کی تقریر سے جو صفحہ ۱۴۲ میں مندرج ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دونو میں تمیز نہیں۔ سو ہم اپنے آریہ بھائیوں کو بتلاتے ہیں کہ ان میں بہت فرق ہے۔ اور ہم بھی حقوق العباد میں قبول توبہ کے قائل نہیں۔ جب تک وہ شخص جس کا نقصان کیا گیا ہے معاف نہ کرے۔ کیونکہ اس سے انتظام عالم بگڑتا ہے اور قسم ثانی میں قبول توبہ کو مانتے ہیں۔ بشرطیکہ صدق دل اور خالص نیت سے محض خدا کے [illegible] اپنے تمام [illegible] کر توبہ کرے۔ نیز یہ بھی شرط ہے کہ توبہ کرنے کے وقت دل کے پورے یقین سے آئندہ گناہ نہ کرنیکا اقرار کرے۔ ورنہ کوئی توبہ نہیں۔

اللہ تعالے قرآن شریف میں فرماتا ہے (انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب فاولئک یتوب اللہ علیہم وکان اللہ علیما حکیما و لیست التوبۃ للذین یعملون السیات حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الان و لا الذین یموتون وھم کفار اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما) اللہ توبہ صرف انہی لوگوں کی قبول کرتا ہے جو نادانی سے کوئی حرکت کر بیٹھے۔ پھر جلدی سے توبہ کر لی تو اللہ تعالے بھی ایسوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اور اللہ سب کا حال جانتا ہے (توبہ کو بھی جانتا ہے کہ سچے دل سے ہے یا نہیں) اور حکمت والا ہے۔ اس کی

حکمت اور عدل قبول توبہ ہی کا مقتضی ہے) اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو عمر بھر بُرے کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو تو کہنے لگے۔ کہ اب میری توبہ اور اسی طرح ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر ہی کی حالت میں مرگئے ان لوگوں کے لئے ہم نے عذاب دردناک تیار کر رکھا ہے (نساء ع ۸۰) آیت۔ والذین اذا فعلوا فاحشۃ اوظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون۔ معافی ان لوگوں کے لئے ہے جن کو گناہ کرکے خدا یاد آجاتا ہے اور اپنے گناہوں پر بخشش مانگتے ہیں اور جانتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی گناہ بخش نہیں سکتا۔ اور اپنے کئے پر دانستہ اڑے نہیں رہتے۔

پنڈت دیانند صاحب نے اس میں بھی غور سے کام نہیں لیا۔ کہ دنیا میں جتنی صفات کمال ہیں۔ ان سب کا سرچشمہ صفات خداوندی ہیں۔ مثلاً سخاوت اور فیاضی ایک صفت کمال ہے۔ تو در اصل اسی سرچشمہ کا ایک سوتا ہے۔ ایسا ہی عدل رحم۔ محبت وغیرہ صفات کمال سب اوسی سرچشمہ کے نشان ہے۔ جس کو اللہ پرمیشور گاڈ اور خدا کہا جاتا ہے۔ پس جب ہم دنیا میں بہت سے مقدمات میں مدعیان اور مستغیثاں کو معاف کرتے بھی دیکھتے ہیں اور اُن کی کمال تعریف کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات کہتے ہیں کہ

ے درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست

تو خدا کی نسبت کونسی دلیل اس صفت کمال کے ماننے سے ہمیں مانع ہے۔

ہاں پنڈت جی کا یہ کہنا کہ توبہ سے گناہوں پر جرات ہوتی ہے۔ عجب حیرت افزا ہے۔ پنڈت جی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیاوی کاروبار میں جنہیں بندوں کو اپنے قصور کی معافی کا علم بھی ہو جاتا ہے۔ معافی سے جرأت اور دلیری نہیں ہوتی۔ تو خدا کی معافی سے جس کا علم بھی اس دنیا میں قطعی طور پر نہیں

ہو سکتا۔ کیونکہ موجب ازدیاد جرأت ہوگا۔ ہاں ایسے آدمیوں کی توبہ
اسلام میں بھی قبول نہیں۔ جو گناہ کرتے ہوئے یہ دلیری رکھیں۔
کہ توبہ سے گناہ معاف کرا لیں گے۔ ہاں خطا کے بعد سچی توبہ انابت
اور اصلاح حالت پر گناہ ضرور معاف ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف
میں بشارت دیتا ہے۔ غور سے سنو۔

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من
رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا و هو الذی
یقبل التوبة عن عبادہ و یعفوا عن السیئات۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الحسنات یذهبن
السیئات نیکیاں برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔ اچھی خدمات معمولی قصوروں
کو خیال میں نہیں لانے دیتیں۔ ماتحت اور خادم معمولی قصوروں کے
بعد جب اچھی خدمات سے آقا کو راضی کر لیتے ہیں۔ تو آقا گذشتہ
قصوروں کا کچھ خیال نہیں رکھتا۔ بلکہ بالکل بھول جاتا ہے۔ اس
اصول کی طرف خیال کیا جائے تو ایک گناہ کے بعد توبہ کرنا۔ اللہ کے
حضور گڑگڑانا۔ نادم ہونا۔ پچھتانا۔ بار بار اس کو یاد کرنا۔ آئندہ کو
گناہ چھوڑ دینا۔ اپنی حالت کو سدھار لینا۔ کیا کوئی نیکی نہیں ہے۔ جو
اس گناہ کی تلافی اور معافی کا موجب ہو سکے۔ ستیارتھ پرکاش باب
چہارم صفحہ ۱۲۸ میں لکھا ہے۔ کہ "ہون کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ رسوئی
خانہ کی ہوا صاف ہو جائے اور جو بے خبری سے بے دیکھے جانوروں
کا خون ہوتا ہے۔ اس کا کفارہ ہو جائے" کیا یہاں ایک نیکی کے
بدلے گناہ معاف نہیں ہوتا۔ پس جب آریوں کے نزدیک بھی
کیڑے مکوڑے وغیرہ کا خون کیا ہوا (جو یہ بھی آریوں ہی کی روحیں
اور انہی کے بھائی بند ہیں) معاف ہو جاتا ہے۔ تو اگر سچی توبہ
سے ایک سچے انسان کے قصور اور گناہ معاف ہو جائیں۔ تو تعجب
کیوں ہے؟

عیسوی نجات اور اُس کا فطرت انسانی کے برخلاف ہونا

عیسائی لوگ بھی اس توبہ کی فلاسفی سے بے خبر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بلا مبادلہ خداوند تعالےٰ کسی پر رحم نہیں کر سکتا۔ یہ کسی کے گناہ معاف کر سکتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں وہ ہمیشہ سے بلا مبادلہ رحم کرتا چلا آیا۔ اور بلا مبادلہ رحم کرنا ہی اُس کی عادت ہے اور توبہ میں تو مبادلہ بھی ہو جاتا ہے۔ انسان جو کہ ایک اس طرح کی اکڑنے والی اور سرکش ہستی ہے۔ جب وہ جبین نیاز خداوند تعالےٰ کے دروازے پر رکھ دیتی ہے۔ اور اپنے گناہ کا سچا اقرار کرکے اور سچی ندامت دل پر وارد کرکے روتا اور چلاتا اور روح و جسم کو گھٹاتا ہے۔ کیا یہ کچھ چیز نہیں اور کیا یہ ایک قسم کی سزائے روحانی نہیں ہے؟ اگر یہ سزا کافی نہیں ہو سکتی ہے تو کیا یہ سزا کافی ہو جاتی ہے۔ کہ بقول نصاریٰ گناہ انسان کر رہے ہیں۔ اور سزا خدا کے بیٹے نے اپنے اوپر پیش از وقت وارد کر لی۔ حالانکہ قیامت کے دن گناہوں کے قصور وار گنہگار اسی اندازے سزا ہونی چاہیے تھی۔ انسان مزے سے گناہ کرتے اور عیش و عشرت مناتے ہیں۔ اور خدا کے بیٹے کے حال پر مصیبت آ بنی۔ یہ تو سزا کا احمقانہ طریقہ ہے۔ جس کی وہی مثال ہے کہ ”نالی ہضم کرے اور دو ہتا پیٹی بھرے“!

بیشک عیسائی لوگ منہ سے تو پکار پکار کر کہتے ہیں۔ کہ عیسوی مذہب کے اندر آنے سے انسان کو ایک نئی روحانی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور روح القدس کی تاثیر سے گناہوں کی طرف میلان تک نہیں رہتا۔ لیکن عملی نظیر اس کی دنیا میں

کہیں دیکھی نہیں گئی۔ جس طرح اور قومیں گناہ کرتی ہیں۔ عیسائی لوگ
بھی برابر اسی طرح اور اسی قسم کے گناہ کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض بعض گناہ
عیسائیوں میں بافراط بڑھے ہوئے ہیں۔ شراب خوار قوم دنیا میں عیسائیوں
سے بڑھ کر اور کوئی نہیں۔ سوائے اس کے چوری۔ ڈکیتی۔ قمار بازی۔
خودکشی۔ قتل۔ جھوٹ۔ طلاق وغیرہ کون سے گناہ ہیں۔ جن کے
عیسائی مرتکب نہیں ہوتے۔ اور کون سے افعال خلاف شریعت
ہیں۔ جو ان سے سرزد نہیں ہوتے۔ بلکہ شریعت الہی کا نام تو یہ
لوگ (عہد عتیق) و تقویم پارینہ (رکھ کر اس سے آزاد ہو چکے ہیں۔ انکا
قلم (شریعت الہی کا حکم) اس لئے کہ کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا۔
(دیکھو نامہ پولوس بایس) ان کا یہ کہنا کہ ہم لوگ اعمال کی برکت اور
روح القدس کے فیضان سے گناہ سے بالکل معصوم اور نجات پا جاتے
ہیں۔ اور عیسائی ہو کر گناہوں کی طرف ہمارا میلان تک نہیں رہتا
صرف زبانی ڈھکوسلا اور صریح مغالطہ ہے۔

عیسائیوں نے گناہ سے بچنے اور نجات کا کچھ طریقہ تراش رکھا
ہے۔ سراسر عقل و نقل کے برخلاف ہے۔ نہ کسی فلاسفر اور حکیم
کی عقل اور نہ فطرت الہیہ اس کا ساتھ دیتی ہے۔ نہ کوئی
آسمانی کتاب اس کے ساتھ موافقت کرتی ہے۔ اور نہ ورک
آف گاڈ (خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب) میں اس کی مثال ملتی ہے
اور نہ ورڈ آف گاڈ (خدا تعالیٰ کی قولی کتاب) میں اس کی تسلیم
پائی جاتی ہے۔

دنیا میں یہود۔ بدھ۔ اسلام۔ مجوسی۔ ویدی مذاہب وغیرہ
میں سے کوئی شخص بھی عیسائیوں کے عجیب و غریب طریقہ نجات کے
ساتھ اتفاق نہیں کرتا۔ نہ کوئی کتاب [illegible] اس بات کی ہدایت
کرتی ہے کہ گذشتہ انبیاء [illegible] کسی نبی کے زمانہ میں کسی شخص
کے گناہ دوسرے شخص پر لاد دیئے گئے ہوں۔ یا [illegible] سے پاک
ہوں۔ بلکہ اس کے برخلاف توریت موسیٰ میں [illegible] سے
انبیاء بنی اسرائیل عمل کرتے رہے۔ یوں لکھا ہے۔ کہ [illegible]

اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائیگا (استثنا ۲۴ باب ۱۶) وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مرے گی۔ بیٹا باپ کی بدکاری کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور نہ باپ بیٹے کی بدکاری کا بوجھ اٹھاوے گا صادق کی صداقت اسی پر ہوگی۔ اور شریر کی شرارت اسی پر پڑے گی (حزقیل ۱۸ باب ۲۰) اور ایسا ہی انجیل میں پولوس مقدس بھی فرماتے ہیں۔ پس ہر ایک ہم میں سے خدا کو اپنا اپنا حساب دیگا۔ پس چاہیے کہ ہم آگے کو ایک دوسرے پر عیب نہ لگاویں۔ بلکہ یہ غور کریں۔ کہ وہ چیز جو ٹھوکر یا گرنے کا باعث ہے۔ اپنے بھائی کے سامنے نہ رکھیں۔

اور پھر فرماتے ہیں۔ کہ یقیناً خداوند تعالے گنہگاروں کی عدالت کرے گا۔ اور انتقام لیگا (عبرانی ۱۰ باب ۳۰)

اور یہ واقعی بڑی غور طلب بات ہے۔ ہزاروں سال تک جس طرح اور انبیاء اور ان کی امتوں کو خدا تعالے نجات دیتا چلا آیا ہے۔ اسی طرح امت مسیحیہ کے لئے یہی قانون نجات مقرر کرتا؟ کیا حضرت مسیح کے وقت سے دنیا کی فطرت بدل گئی۔ کہ ان کے لئے یہ قابل تمسخر طریقہ نجات مقرر کیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت مسیح سے پہلے جو امتیں تھیں ان لوگوں نے نجات پائی یا نہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے نجات پائی ہے۔ تو وہی طریقہ نجات امت مسیحیہ کے لئے بس کافی تھا۔ اور اگر نہیں پائی۔ تو ان لوگوں کے لئے سبیل نجات کیا تھی؟ کیا خدا نے ان کو گھاس پھوس کی طرح پیدا کیا تھا جو دوزخ کا ایندھن بنیں۔ اگر پہلی امتیں نجات پانے کے لائق

---

(۱) یہاں سے ظاہر ہے کہ عیسائی بھائی بھی اگر کسی پر عیب [illegible] یا [illegible] کریں وہ خدا کو اپنا حساب دینگے اور سزا پائینگے پس جب عیسائی کفارہ مسیح پر ایمان لا کر بھی گنہگار ہوں تو سزاوار جہنم ٹھہریں گے۔ تو کفارہ مسیح کے بھروسے کا کیا نتیجہ ہوا۔ اس کی کیا ضرورت رہی۔ مسیح بیچارے کی جان مفت میں گئی۔ گناہ وغیرہ بھی عیسائیوں کے سر پر چڑھے رہے۔ فتفکروا یا اولی الالباب ؛

نہیں ہوئیں۔ تو کیوں نہ مسیح دنیا کے پیدا ہوتے ہی تشریف لاتے تاکہ اگر فطرت کے موافق یہی طریقہ نجات تہا۔ تو جب سے فطرت انسانی کی ابتدا ہوئی۔ تب سے یہ انوکہا طریقہ نجات بہی قایم ہوتا اور لوگ نجات پا جاتے ۔

اس کے سوا انجیل مقدس بہی حضرت مسیح ؑ کی صلیبی موت کو باعث نجات قرار نہیں دیتی۔ اور نہ نجات کے لئے موثر خیال کرتی ہے۔ بلکہ پولوس مقدس انجیل میں صاف فرماتے ہیں۔ کہ اگر بعد اس کے کہ ہم نے سچائی کی پہچان حاصل کر لی ہے۔ معلوم ہو گیا ہے کہ فلانا امر گناہ اور ناکردنی ہے) جان بوجہ کر گناہ کریں تو پہر گناہ کے لئے کوئی قربانی نہیں۔ مگر عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور آتش غضب جو مخالفوں کو کہا جائیگا کا باقی ہے ۔

جس نے موسیٰ کی شریعت کو حقیر جانا تو وہ رحمت سے خارج ہو کر دو تین آدمیوں کی گواہی سے مارا جاتا ہے ۔ پس خیال کرو کہ وہ شخص کس سزا کے لایق ٹھہریگا۔ جس نے خدا کے بیٹے کو پامال کیا۔ اور عہد کے لہو کو جس سے وہ پاک ہوا تہا۔ ناپاک جانا۔ اور فضل کے روح کو ذلیل کیا (عبرانی ۱۰ باب ۲۶۔ ۱۷۔ ۱۸) ایسا ہی عبرانی ۶ باب ۴ میں ہے۔

سو اگر پولوس مقدس کا یہ قول ٹھیک ہے کہ مسیح کی قربانی پر ایمان لانے کے بعد بہی اگر گناہ کی طرف ذرہ بہر میلان کیا جائے۔ تو اُمت موسوی سے بہی زیادہ سزا ہوگی۔ تو عیسائیوں کا دنیا میں کوئی ٹہکانا نہیں۔ اور ان کے لئے بڑا خطرناک مقام ہے۔ اس لئے کہ کوئی عیسائی ایسا نہیں۔ جو لہو کے عہد سے پاک ہونے کے بعد پہر گناہ نہ کرتا ہو۔ پس یقیناً خدا انولے ویسے گنہگاروں کی عدالت کریگا۔ اور انتقام لیگا (عبرانی ۱۰ باب ۲) انجیل کے رو سے ایک گناہ کی سزا ابدی موت اور دائمی دوزخ ہے۔ پس کوئی مسیحی ہرگز ہرگز نہ بے گناہ ہے۔ اور نہ نجات پا سکتا ہے۔ یہود۔ آریہ اور ہر فرقہ سے اُن کا حال بدتر ہوا۔

مسیح کی جان مفت میں گئی۔ اور عیسائی آگے سے بھی گئے گذرے۔

اس کے سوا حضرت مسیح نے انجیل میں بھی ہمیشہ کی زندگی کا موجب اتقاء و توحید و رسالت کو قرار دیا ہے۔ اور نجات کا موجب احکام ربانی اور توریت کی تعمیل کو ٹھہرایا ہے۔ (دیکھو انجیل یوحنا وغیرہ)

عیسائیوں کی نجات کا طریقہ عقل اور قانون فطرت کے برخلاف ہے

عقل کے برخلاف اس لئے کہ کسی دانشمند کی فطرت اس بات کی گواہی نہیں دے سکتی۔ کہ ایک کے گناہ دوسرے پر لادے جائیں۔ گنہگار مزے کریں۔ اور بے گناہ اس کی جگہ پکڑا جائے۔ خدا کی کتاب اس بارہ میں ایسا ارشاد فرماتی ہے۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کوئی اٹھانے والا دوسرے کے گناہ اٹھا نہیں سکتا۔ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ اور انسان کو وہی کچھ مل سکتا ہے۔ جو اس نے آپ کمایا۔ جس سے اظہر من الشمس ہے کہ گنہگار کے گناہ دوسرے بے گناہ پر لاد دینے نہ رحم ہے نہ انصاف ہے۔ نہ نیچر میں اس کی مثال ملتی ہے۔ کوئی منصف حاکم ایسا کر سکتا ہے کہ زید تو عمرو کو قتل کرتا ہے۔ اور وہ زید کی جگہ خالد کو پھانسی دیتا ہے۔ نہ یہ کوئی ہمدردی کا طریق ہے کہ عمرو تو قولنج کے درد سے مر رہا ہو۔ اور بکر اس کا رفیق بجائے اس کے کہ قوانین طب کے موافق اس کے لئے کوئی دوا لائے یا کسی طبیب کو بلا لائے جو اس کا علاج کرے۔ ہمدردی کے جوش میں

جھٹ اپنا سر پھوڑ کر مرجائے۔ کیا بکر کو کوئی شخص اس حالت میں عقلمند کہے گا۔ نہ اس کے سر پھوڑنے نے عمرو کی بیماری کو کچھ فائدہ دیا۔ ہاں بکر نے احمقانہ جوش میں لغو حرکت کر کے اپنا سر پھوڑ لیا۔ اور اپنی پیاری جان ناحق ضائع کی۔ بغیر اس کے کہ عمرو کو کچھ فائدہ پہونچے۔ یا اس کو درد سے کچھ افاقہ ہو۔

یہی حالت عیسائیوں کے خدا کی ہے۔ لوگوں کو گناہ کے زہر سے مرتا دیکھکر اُن کے لئے کوئی تریاق تو پیدا نہ کیا ایلہانہ ہمدردی کے جوش میں آپ پھانسی پر چڑھ کر مرگیا تعجب کی بات ہے کہ دانایان فرنگ جو اعلےٰ درجہ کے فلاسفر ہیں۔ اس نامعقول عقیدہ کو کس طرح مان رہے ہیں۔ مجھے اس واہیات عقیدہ پر کبھی ایسا تعجب نہیں ہوا۔ جتنا اس بات پر تعجب ہوتا ہے۔ کہ ایسے اعلےٰ درجہ کے فلاسفر اور حکمائے یورپ جو بال کی کھال نکالتے ہیں۔ اور فطرت کے رموز اور اعمال انسانی کی ماہیت اور اُن کی جوابدہی وغیرہ کو بخوبی سمجھتے ہیں یہ بات کیونکر مان رہے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو مجھے اس حیرت سے نکالے؟۔

اسلامی اصول نجات کی تصدیق عقل و نقل دونوں کرتی ہیں

اس کے برخلاف قرآن شریف کے اصول نجات کی تصدیق عقل بھی کرتی ہے۔ اور نقل بھی نقلی تصدیق تو اس طرح ہوتی ہے۔ کہ دنیا کی تمام کتابیں۔ توریت۔ ژند۔ وید وغیرہ سب اسی بات کے قائل ہیں۔ کہ ہر ایک شخص اپنے افعال

و اعمال کا جواب وہ آپ ہے۔ ایک کے گناہ دوسرے پر ہرگز
لادے نہیں جا سکتے۔ اور تمام آسمانی کتابیں نجات کا انحصار
بیچ ایمان اعمال حسنہ۔ تقوی طہارت اور زہد پر رکھتی ہیں۔
ساری توریت انہی مضامین سے بھر رہی ہے۔ اگر تم نیک اعمال
کروگے۔ شریعت پر عمل کروگے۔ تو دنیا و دین میں برخوردار اور
کامیاب ہو جاؤگے۔ بلکہ اکثر جگہ انجیل بھی اسی امر کی تصدیق کرتی
ہے۔ حضرت مسیح ع فرماتے ہیں۔ کہ اگر تو ہمیشہ کی زندگی چاہتا ہے
تو حکموں پر عمل کر۔ اور اس کے حکم بھاری نہیں ہیں۔ نامہ اول
یوحنا ۵ باب ۳۔

ایسا ہی یعقوب حواری اپنے خط کے دوسرے باب ۱۴ میں
لکھتا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں ایمان دار ہوں۔ اور عمل نہ کرتا
ہو تو کیا فائدہ۔ کیا ایسا ایمان اُسے بچا سکتا ہے۔ اگر کوئی بھائی
یا بہن ننگا ہووے۔ اور روزینہ روٹی میسر نہ ہو۔ اور تم میں سے
کوئی انہیں کہے۔ کہ سلامت جاؤ۔ گرم اور سیر ہو پر انہیں وے
چیزیں نہ دے۔ جو بدن کو ضرور ہیں تو کیا فایدہ؟ اسی طرح ایمان
بھی۔ اگر عمل کے ساتھ نہ ہو تو اکیلا ہوکے مردہ ہے تو ایمان لاتا ہے
کہ خدا ایک ہے۔ اچھا کرتا ہے۔ شیاطین بھی مانتے اور تھرتھراتے
ہیں۔ پر اے واہی آدمی کب تجھے معلوم ہوگا۔ کہ ایمان بے عمل
مردہ ہے۔ پیشوائے انبیاء حضرت ابراہیم ع بھی اعمال سے راستباز
گنے گئے۔ اور صرف ایمان سے نہیں۔ اور توبہ سے گناہوں کا
معاف ہونا امثال ۲۸ باب ۱۳ سے ظاہر ہے۔ کہ وہ جو گناہوں
کو چھپاتا ہے۔ کامیاب نہ ہووے گا۔ پر وہ جو گناہوں کا
اقرار کرتا ہے۔ اور اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی پر رحمت ہوگی
توبہ اور استغفار ہی سے حضرت داؤد کا اور یاوا کا گناہ معاف
ہوا۔ (۲ زبور ۵) ایسا ہی توبہ سے خدا تعالے کا گناہ معاف
کرنا۔ اور مغفرت الہی کا ذکر ۱۰۳ زبور ۸۶ زبور ۱۵۔ احبار
۲۶ باب ۴۰۔ استثنا ۳۰ باب ۱۔ ۲ میں ہے۔ اور کئی جگہ بائیبل میں

صاف لکھا ہے۔ کہ بس خدا کے آگے گناہ کے اقرار کرنے کی دیر ہے اور معاف کرنے میں دیر نہیں۔ اوروں کے گناہ بخشنے پہ گناہ کا بخشا گیا متی باب ۱۴۔ ۱۵ وغیرہ سے ثابت ہے۔

یہ تو اسلامی اصول کی صداقت کی نقلی دلیل ہوئی۔ اب عقلی بھی سنئے۔ ایمان یعنی خدا تعالےٰ کا سچا یقین اور اسکی ہستی کا پورا اعتقاد بلاشبہ انسان کا نجات دلانے والا ہے۔ خدا جو ہمارا حقیقی محسن اور سچا مربی ہے۔ جب ہم اس کی نعمتوں کا شکر۔ عنایتوں کا احسان مانینگے۔ تو کیوں نہ وہ ہم سے پیار کرے گا۔ اور کیوں نہ ہم کو اپنا مخلص دوست بنائے گا۔ یحبہم و یحبونہ۔ خدا کے سچے مومن اور عاشق اس سے پیار کرتے ہیں اور خدا ان سے پیار کرتا ہے۔

جب ہم کو اس پیارے کا سچا یقین ہوگا۔ تو کیوں نہ ہم محبت سے اُس کے فرمانوں اور ارشادات کو مانیں گے۔ جتنی خدا تعالےٰ سے ہمیں سچی محبت اور سچا ایمان ہو گا۔ اُسی قدر سچے دل سے اُس کے حکموں کو مانیں گے۔ اور منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دینگے۔ حتےٰ کہ جب ہمارا یقین اعلےٰ سے اعلےٰ ترقی پا جائے گا۔ تو ہم سے کوئی گناہ بھی ہونا نہ پائیگا اور ہماری زندگی پاک اور بہشتی ہو جائے گی۔ اسی طرح نیکی کا مداومت کرنے کے بعد طبیعت ثانیہ ہو جانا اور بدی کا دور ہو جانا۔ تقویٰ اور طہارت موجب نجات ہے۔

اعمال حسنہ سچے ایمان کا پھل ہے۔ جب ایمان کا درخت اچھا ہوگا۔ تو وہ کبھی بُرا پھل نہیں لائیگا۔ کیونکہ اچھا درخت بُرا پھل نہیں لا سکتا ہے

توبہ و مغفرت انسان میں جو خدا تعالےٰ نے سہو اور خطا کا مادہ رکھا ہے۔ اس کی تلافی بجز توبہ اور خدا تعالےٰ کی مغفرت کے اور کوئی چیز کر ہی نہیں سکتی۔ بلکہ خدا تعالےٰ نے سہو اور خطا کا مادہ رکھا ہی اسی لئے ہے۔ کہ تا انسان اپنے تئیں قصور مند اور خطاوار جانکر ہمیشہ دست نیاز اللہ تعالیٰ کی طرف پھیلاتا رہے۔ اور خدا تعالےٰ کے لطف و کرم عفو و مغفرت کا مزہ چکھتا رہے پس انسان کی اور تو کیا فقط جھکنے کی دیر ہے اور اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے کی دیر نہیں ہے

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ❊ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ❊ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اس بات کی فلاسفی کہ توبہ اور استغفار سے گناہ کیونکر معاف ہو سکتے ہیں۔ اور خدائے عادل صرف ایک شخص کے رونے چلانے سے گناہ کیسے معاف ہو سکتا ہے۔ یہ ہے کہ اس میں انسان اپنے گناہ کا اقرار اور ندامت کا اظہار کرنے اور رونے چلانے پچتانے سے اپنے گناہوں کی سزا اپنے اوپر آپ وارد کر لیتا۔ اور ایک طرح پر سزائے بد اعمالی آپ برداشت کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی سزا کافی سمجھکر اگر اس کی توبہ اور انابت سچی ہوتی ہے۔ اور آیندہ کو ترک گناہ کا عزم مصمم کرتا ہے تو اس کے گناہوں پر قلم عفو پھیر دیتا ہے۔ اور یوں اس رونے چلانیوالے کے آنسو اس کے اپنے سیاہ نامہ اعمال کو دھوتے اور دامن آلودہ پر آنسوؤں کے پانی کے چھینٹے ڈالے جاتے ہیں۔ انسان جو ایک فخر اور گھمنڈ کرنے والی ہستی اور کسی کے آگے نہ جھکنا گوارا کرنے والی ہستی ہے جب اپنا سارا گھمنڈ چھوڑ دیتی ہے۔ اور جبین نیاز خدا تعالیٰ کے آستانہ پر رگڑتی ہے۔ تو یہ اس کے لئے کچھ کم سزا نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ روحانی عذاب جسمانی سزا سے کہیں بڑھکر ہے۔ پس گناہ کا اقرار اور سچی پشیمانی ہی گناہ کا سچا اور اصلی کفارہ ہے۔

عیسائیوں سے استفسار

ہم عیسائیوں سے استفسار کرتے ہیں۔ کہ آپ براہ مہربانی بیان فرماویں کہ آپ جو ہر روز منادی کرتے ہیں۔ کہ عیسائی مت اختیار کرنے اور مسیح پر ایمان لانے سے انسان گناہ کے پھندے سے نجات پاتا۔ اور حیات ابدی کا وارث ہو جاتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ اگر یہ مطلب ہے کہ عیسوی مت میں آنے سے کوئی شخص گناہ کرنے ہی

نہیں پاتا۔ کیونکہ مسیح ؑ نے بڑے سانپ کا سر کچل دیا ہے۔ تو یہ تو بالبداہت
غلط ہے۔ عیسائی رنگ بپتسما پانے کے بعد ہزاروں گناہ کرتے۔ بلکہ
گناہوں میں اُن کا نمبر دوسرے مذاہب والوں سے بھی بدرجہا
بڑھا ہوا ہے۔

اور اگر یہ مطلب ہے کہ عیسوی مت میں آنے سے جس قدر
گناہ کئے جائیں۔ فوراً معاف ہوتے جاتے ہیں۔ تو یہ بھی بالکل غلط
ہے۔ اس لئے کہ پولوس رسول انجیل میں صاف کہتا ہے۔ کہ بعد اس
کے کہ ہم کو سچائی کی پہچان حاصل ہو گئی ہے۔ اگر پھر گناہ کریں تو
ہمارے لئے کوئی کفارہ نہیں۔ اس کے سوا ہم نے کبھی عیسائیوں کو
اباحت عامہ کا وعظ کرتے نہیں سُنا۔ کہ عیسوی مت میں آؤ۔ اور جو
چاہو کرو۔ پاکوں کیلئے سب کچھ پاک ہے۔ بلکہ عیسوی مت میں بھی
آکر بھی گناہوں سے ممانعت کی جاتی ہے۔ اکثر قصوروں پر
پادریوں اور وعظوں کو موقوف کر دیا جاتا ہے۔ عام عیسائیوں کو
جرائم اور مزلات پر جیلخانوں میں بھیجا جاتا ہے۔ پھانسی دیجاتی
ہے۔ جرمانہ کیا جاتا ہے۔ پس عیسوی مت میں گناہ سے نجات کا طریق
کوئی بھی نہ رہا۔ محض زبانی جمع خرچ ہوا۔ اگر واقعی گناہ معاف ہو
جایا کرتے۔ تو دنیا میں بھی کسی قسم کی سزا اُن کے لئے جائز نہ ہوتی
اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے۔ وقالت الیہود والنصاریٰ نحن
ابناء اللہ واحباءہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم
بشر ممن خلق۔

عیسائیوں کی قسمت

اخبار نور افشاں مطبوعہ ۵۔ دسمبر ۱۸۹۹ء میں ایک صاحب طالب الدین
نے مسلمانوں کی نسبت یہ اتہام لگایا ہے۔ کہ بقول اسلام "جو کچھ
اس دنیا میں ہوتا ہے۔ خواہ نیک یا بد اس کا کرنیوالا خدا ہے

اور بدی کا بانی اور موجد وہی ہے" حالانکہ یہ کلام ربانی کی
ہدایت کے صریحاً برخلاف ہے۔ قرآن شریف میں تو اللہ تعالےٰ
یہ فرماتا ہے کہ لا یرضیٰ لعبادہ الکفر خدا اپنے بندوں کے کفر پر
راضی نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ ان اللہ یامر بالفحشاء خدا بُرے
کاموں کا حکم نہیں دیتا۔ پھر فرمایا۔ فبما کسبت ایدیکم تمہارے
ہی ہاتھوں سے بُرا کمایا ہے۔ ہم نہیں معلوم کہ طالب الدین صاحب
نے یہ عقیدہ اہل اسلام کا کہاں سے معلوم کر لیا۔ کہ بدی کا بانی
اور موجد خدا ہے۔ نعوذ باللہ بدی کا بانی اور موجد ہرگز خدا
نہیں۔ خدا خیر ہی کا بانی ہے۔ خیر ہی کے انتظام کے لئے اُس نے
انبیاء بھیجے۔ کتابیں نازل فرمائیں اور سب انتظام کئے۔ مگر شر
کیلئے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔ نہ شر کا حکم دیا۔ پس طالب الدین
کا یہ اتہام بالکل باطل ہے۔ مسلمان لوگ بوجہ علت العلل ہونے کے
چونکہ انسان کی ذات کو مخلوق الٰہی سمجھتے ہیں۔ اس لئے ضرور انسان
کے افعال و عوارض وغیرہ کو بھی مخلوق الٰہی سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر
خدا کی مخلوق نہ ہوں۔ تو بالاستقلال انسان کے مخلوق ماننے پڑینگے
یا کسی غیر کے مخلوق (جیسے کہ مجوسی لوگ مانتے ہیں)۔ اور یہ دونو شرک
ہیں۔ لیکن یہ ہرگز ان کا عقیدہ نہیں کہ انسان صدور افعال میں
مجبوراً اور غیر مختار ہے۔ وہ بیشک مختار۔ اور آزاد ہے۔ مگر اس کا
اختیار عطیہ الٰہی ہے۔ اسی اختیار سے جو کار خیر و شر وہ کرتا ہے اس
کا جواب وہ ہے اور اسپر سزا و جزا مترتب ہوگی ؞

مسلمانوں میں ایسی تقدیر نہیں مانی گئی۔ جیساکہ طالب الدین
صاحب کا خیال ہے۔ البتہ عیسائیوں میں ایسی تقدیر مانی گئی ہے۔
جسکو ۸۴ زبور میں لکہا ہے۔ اُس نے ایک تقدیر مقرر کی جو ٹل نہیں
سکتی۔ اور اُسی نے فرعون کے دلکو سخت کیا کہ وہ ایمان نہ لا سکا۔
(خروج ۴ باب ۲۱ ۷ باب ۳۔ اور ۲ باب ۲۰) اور وہی دلوں کو
سخت اور کڑا کرتا ہے (استثنا ۲۹-۳۰) اُس نے لوگوں کو وہ دل
جو سمجھیں وہ آنکھیں جو دیکھیں۔ وہ کان جو سنیں نہیں دئے

(استثنا ۲۹ باب ۴) اور خداوند ہی کی طرف سے تھا کہ لوگوں کے دل سخت
ہو گئے (یشوع ۲۴ باب ۲۰) اُس نے اُن کے دلوں کو پھیرا کہ دے اس کے
اس کے لوگوں سے عداوت کرنے لگے۔ اور اس کے بندوں سے دغابازی (زبور
۱۰۵ – ۲۵) اور ہاں شریروں کو بھی اُس کو برے دن کیلئے بنایا ہے (امثال ۱۶
باب ۴) خدا ہی نے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اور اُسی نے لوگوں کے دل سخت بنائے
(یسعیاہ ۶۳ باب ۱۷) وہی سلامتی کو پیدا کرتا اور بلا کو بناتا ہے (یسعیاہ ۴۵
باب ۷) کوئی شخص ایمان نہیں لاسکتا جبتک کہ خدا جبراً نہ کھینچ لاوے
(یوحنا باب ۴۴) (اعمال ۱۳ باب ۴۸۔ اور جتنے ہمیشہ کی زندگی کیلئے تیار کئے
گئے۔ ایمان لائے۔ انتہے۔

خدا کا ارادہ کاموں پر نہیں۔ بلکہ بلانے والے پر موقوف ہے (نامہ رومی ۱۱ کا
باب ۸) وہ جسپر چاہتا ہے رحم کرتا ہے۔ جسپر چاہتا ہے مہر کرتا ہے۔ پس یہ
نہ چاہنے والے پر نہ دوڑنے والے پر۔ بلکہ خدائے رحیم پر موقوف ہے
کیونکہ کتاب میں وہ فرعون سے کہتا ہے۔ کہ میں نے تجھے اس لئے برپا کیا
ہے۔ کہ تجھ پر اپنی قدرت ظاہر کروں۔ اور میرا نام تمام روئے زمین پر مشہور
ہووے۔ پس وہ جسپر چاہتا ہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سخت کرتا
ہے۔ پس تو مجھ سے یہ کہے گا۔ پھر وہ کیوں الزام دیتا ہے۔ کس نے
اس کے ارادے کا مقابلہ کیا۔ اے آدمی تو کون ہے جو خدا سے تکرار
کرتا ہے۔ کیا کاریگری کاریگر کو کہہ سکتی ہے۔ کہ تو نے مجھے ایسا کیوں
بنایا۔ کیا کمہار کا مٹی پر اختیار نہیں۔ کہ وہ ایک ہی لوندے میں سے
ایک برتن عزت کا۔ اور دوسرا بے عزتی کا بنا دے۔ اگر خدا اس ارادہ
سے کہ اپنے غضب کو ظاہر کرے اور قدرت کو دکھاوے۔ قہر کے برتنوں
کی جو تباہ کرنیکے لائق تھے۔ نہایت برداشت کی اور اپنے بے نہایت
جلال کو رحم کے برتنوں پر جو اُس نے حشمت کے لئے آگے تیار کئے تھے
ظاہر کیا تو کیا ہوا (رومی ۹ باب ۱۴) (۲ تمطاؤس ۱ باب ۹) خدا ہمارے کاموں
کے سبب سے نہیں بلکہ اپنے ارادہ ازلی دقسمت اور نصیب سے بلاتا ہے (تطاؤس
۱ باب ۹ خدا کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ (متی ۱۰ باب ۲۹) (اعمال
۷ باب ۴۳) ازل سے ہی بعض لوگ سزا کے لئے لکھے گئے (استثنا:

۱۳ باب ۳) یوحنا ۳ باب ۱- یہودا ۱ باب ۴) خدا ہی نے اسرار شریعت کو عالموں اور داناؤں سے چھپایا۔ اور بچوں پر ظاہر کیا۔ (متی ۱۱ باب ۲۵) ۲۶) لوقا ۸ باب۔ ۱۰) متی ۱۳ باب۔ اور ۲ قرنتی ۴ باب میں لکھا ہے۔ اور ہماری انجیل اگر پوشیدہ ہووے تو اُنہیں پر پوشیدہ ہے جو ہلاک ہوتے ہیں کہ اس جہان کے خدا نے اُنکی عقلوں کو جو بے ایمان ہیں تاریک کردیا ہے۔ تاکہ مسیح کی جلال والی انجیل کی روشنی اُنپر نہ چمکے۔ اور قدرت کی بزرگی ہماری طرف سے نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ انتہے۔
اب ان حوالجات بائیبل کو پڑھ کر طالب الدین آپ ہی انصاف کریں کہ قسمت کی قابل اعتراض تعلیم توراۃ و انجیل میں ہے یا قرآن مجید میں۔ فتفکروا یا اولی الالباب۔

ویدک تقدیر

آریوں کے نزدیک انسان کی موجودہ زندگی کلیتہً گذشتہ زندگی کا پھل ہے (دیکھو آریہ مسافر میگزین بابت ماہ اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۳۴۔ اور پنڈت لیکھرام کی کتاب ثبوت تناسخ صفحہ ۱۰۳ وغیرہ) جس میں صاف لکھا ہے۔ کہ انسان کا رنج و راحت مسرت و مغرت اور سارا تفرقہ گذشتہ جنم کے اعمال ہی وجہ سے ہے۔ چنانچہ آریہ مسافر میگزین اپنے رسالہ ماہ اپریل ۱۹۰۱ء کے ٹائیٹل پیج کے صفحہ اخیر پر فوراً نیوگ کرنے کی فلاسفی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ فوراً نیوگ تو بھلا جیسے تیسے کسی اور عورت سے کر بھی لیا۔ لیکن اولاد کیسے پیدا ہوگی۔ اول تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کہ عورت سے ہم بستری کرتے ہی ضرور اس وقت حمل ٹھہر جاوے۔ ہمارے دھرم کے انوسار تو اچھی بری اولاد پراربدھ کا پھل ہے۔ کوئی ٹھیکہ نہیں اٹھا سکتا کہ اوسے ضرور اولاد ہوگی۔
اگر اسوقت نیوگ کرنے میں حمل ٹھہر جاوے تاہم تو دس مہینہ کا انتظار تو کرنا پڑا۔ پھر بھی فوراً کی شرط ٹوٹ گئی۔

پس آریوں کے اعتقاد کے بموجب کسی انسان کو اپنے گذشتہ اعمال کے پھل سے ایک ذرا بھی رنج و راحت۔ افلاس و غنا زیادہ نہیں مل سکتے خواہ کچھ کوشش کرے۔ ہر ایک کی بُری بھلی قسمت اس کی گردن کا ہار ہے۔

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو ❊ سوزنِ تدبیر گو لاکھوں برس سیتی رہے

آریوں کے اعتقاد کے بموجب کوشش بے سود ہے اور محنت رائگاں جس قدر سکھ گذشتہ جنم کے کرموں کے انوسار حاصل ہوتا ہے۔ کوشش کی جائے یا نہ کی جائے۔ خود بخود پہنچ رہے گا۔ اور جسقدر دکھ گذشتہ بداعمالیوں کے بموجب پہنچتا ہے۔ اُن کے دفعیہ کیلئے دوڑ دھوپ کی جائے یا نہ۔ کبھی پیچھا چھوڑنے والا نہیں۔ جس شخص کے گذشتہ اعمال کا پھل بدبختی اور بدنصیبی افلاس و ادبار ہے کبھی ٹلنے والا نہیں۔ ؎

بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد ❊ گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

آریوں کے نزدیک انسان مجبور محض ہے گذشتہ جنم کے پھل کے مقدار رنج و راحت غم و مسرت۔ غنا و فلاکت۔ اس کی ہلکی یا زیادہ ہو نہیں سکتی۔ انسان کو دکھ پہنچنے کے لئے ضرور ہے کہ کسی بُری عورت سے اس کی شادی ہو۔ دکھ دینے والی اولاد پیدا ہو۔ دکھ سے ہی اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے سکھ کے لئے خوبصورت نیک سیرت عورت سے اس کی شادی ہونی ضرور ہے اور انسان اس میں مطلق مجبور ہے بلا کوشش اس کے اچھی اولاد ہونی پر مجبور ہے۔ کوشش اور محنت کو اس میں دخل تک نہیں ❊

پس اگر آریہ لوگ خیال کریں تو پراربدہ قسمت اور تقدیر کی تعلیم جیسی کچھ اُن کے مذہب میں ہے۔ دنیا کے کسی مذہب یا فرقہ یا قوم میں نہیں ہے۔ اس پر سخت تعجب کی بات ہے کہ الٹا مسلمانوں کو جبری تقدیر کا الزام دیگر انسان کو مجبور مطلق کا خطاب دیتے ہیں۔

چنانچہ آریہ مسافر میگزین اپنے رسالہ ماہ دسمبر سنہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۱ میں ویدک کرم فلاسفی کی فضیلت بیان کرتا ہوا عیسائیوں اور محمدیوں کے عقیدت کے ضمن میں بائیبلی آیات کے مذکور کے بعد مفصلہ ذیل عبارت

لکھتا ہے وہو ہذا بعینہٖ ہی تعلیم قرآن کی ہے۔ جیساکہ مفصلہ ذیل حوالجات سے صاف عیاں ہے۔

(۱) اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔ اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے یعنی جو چاہے کر سکتا ہے (سورہ بقر)

(۲) ولقد ذرانا لجہنم کثیراً من الجن والانس (سورہ اعراف) البتہ تحقیق پیدا کئے ہم نے واسطے دوزخ کے بہت جنوں سے اور آدمیوں سے۔

(۳) ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون ہ ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم (سورہ بقر) تحقیق جو لوگ کافر ہوئے برابر ہے اوپر ان کے کیا ڈرایا تو نے ان کو نہیں ایمان لاوینگے۔ مہر کی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان پر آنکھوں کے پردہ ہے اور واسطے ان کے عذاب ہے بڑا۔

(۴) یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء (سورہ مائدہ) بخشتا ہے جسکو چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

(۵) خلق اللہ ادم علیٰ صورتہٖ[1] یعنے پیدا کیا خدا نے آدم کو اپنی صورت پر (کیمیائے سعادت رکن اول)۔ ایسا ہی مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۲ میں ہے۔ باب الاسلام میں یہی حدیث اور جگہ اس طرح لکھی ہے۔ خلق ادم علیٰ صورتہ الرحمان۔ یعنی مخلوق ہوا آدم اوپر صورت رحمان کے (مشکوٰۃ)۔

(۶) وہ شخص ہے کہ اچھی طرح بنایا ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور شروع کیا پیدا کرنا انسان کا مٹی سے پھر کی اولاد اسکی پانی حقیر سے۔ پھر درست کیا

---

[1] اس معمولی حدیث کو قرآن شریف کی آیات میں لکھدینا آریہ مسافر کی عقل کی خوبی ہے جس نے حدیث کو آیت سمجھا +

[2] یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اصلی ترجمہ یوں ہے اور تم کو کان آنکھ اور دل عطا فرمایا لیکن تم ان نعمتوں کا شکر کم کرتے ہو +

اوسکو اور پھونکا بیچ اوسکے روح اپنی سے اور کیا واسطے تمہارے سننا اور آنکھیں اور دل تھوڑا سا جو شکر کرتے ہو (سجدہ)

(۷) کیا نہیں یاد کرتا انسان کہ ہم نے پیدا کیا اوسکو پہلے اس سے اور نہ تھا کچھ (سورہ مریم)

(۸) سوائے اس کے نہیں کہ حکم اسکا جب چاہے پیدا کرنا کسی چیز کا یہ کہتا ہے واسطے اس کے ہو۔ پس وہ ہو جاتا ہے (سورہ یس)

(۹) کل شئی احصیناہ فی امام مبین اور ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے ہم نے لوح محفوظ میں (سورہ یس)

(۱۰) وکل شئی احصیناہ۔ اور ہر چیز کو گن لیا ہے ہم نے اوس کو لکھ کر (سورۃ النساء)

(۱۱) مٹا دیتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے جو چاہتا ہے اور نزدیک اوسکے ہے اصل کتاب (سورہ رعد)

(۱۲) ومن یضلل فاولئک ھم الخاسرون اور جسے اللہ بھٹکائے سو وہی ہیں زیان میں۔ (اعراف)

(۱۳) اور جسکو خدا گمراہ کرے پھر تو نہ پاوے۔ اس کا رفیق راہ پر لانے والا (کہف)

(۱۴) خدا گمراہ کرے جسکو چاہے (سورہ اعراف)

(۱۵) اور جس کو غلطی میں ڈالے۔ اللہ تو کوئی نہیں سوجھانے والا۔

یہ حوالے ہیں جو آریہ مسافر نے محض بے عقلی کے طور پر جبری تقدیر کی تائید میں لکھے ہیں۔ جن کو جبری تقدیر سے کوئی تعلق نہیں۔

پہلی آیت سے تو اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے یعنے وہ سرب شکتیمان ہے۔ اس کو تقدیر سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خدا تعالے کی قدرت عامہ کا اظہار ہے۔

دوسری آیت کہ ہم نے بہتیرے جن و انس جہنم کیلئے پیدا کئے ہیں ہم اس کی تفسیر پیچھے کر آئے ہیں۔ کہ یہ لام استعارہ بالضد کیلئے آیا ہے یعنے خدا نے ان کو جہنم کے لئے مخلوق نہیں کیا تھا۔ پر وہ خدا داد قوتوں کو معطل چھوڑ کر یا بے جا طور پر استعمال کر کے جہنم کے لائق

ہو گئے۔ جیسا کہ اس آیت کا سیاق و سباق ظاہر کرتا ہے۔

تیسری آیت سے استدلال ظاہر ہوتا ہے کہ جنہوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے کفر اختیار کر لیا ہے۔ اللہ نے بھی راہ ہدایت اُن پہ بند کر دی۔ اور جبراً اسلام کی طرف اُن کو لے جانا نہ چاہا۔ ایسا ہی وید میں ہے۔ کہ صرف پاک اور بے عیب انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ عیب والے اس ثروت سے محروم رہتے ہیں (آریہ مسافر میگزین ماہ دسمبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۹ رگوید منتر ۴)

چوتھی آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بخشش اور عذاب خدا کے ہاتھ میں ہے وہ اپنے قوانین مقررہ کے موافق جسکو بخشش کے قابل دیکھتا ہے۔ بخش دیتا ہے۔ جس کو عذاب کے لائق پاتا ہے۔ اس کو عذاب کرتا ہے۔ چونکہ عادل و رحیم ہے۔ اس کی مشیت عدل و رحم کے موافق ہے۔ نہ ظلم و جور پر مبنی۔

پانچواں فقرہ کوئی آیت قرآن کی نہیں۔ ایک معمولی حدیث ہے جس کا صرف اسقدر مطلب ہے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ نے اپنی صفت کاملہ کا ٹھیک مظہر پیدا کیا ہے۔ جو روح انسانی کے حادث ہونے کی بدیہی دلیل ہے۔ ورنہ آپ سے ہونے والی چیز کیلئے کوئی ضروری نہیں ہوتا۔ کہ وہ دوسری ذات کے صفات کاملہ کا پورا مظہر اور آئینہ حق نما اور سچا حلیہ ہو جس نے اس کو پیدا تک نہیں کیا۔ اور اس سے محض بے علاقہ ہے۔ اور یہ فقرہ کہ خدا نے انسان کو رحمان کی صورت پر پیدا کیا۔ اسقدر ہی مطلب رکھتا ہے۔ کہ جس طرح رحمان بلا امتیاز بد و نیک پہ اپنا سورج چمکاتا اور کافر و مسلم پہ اپنی رحمت کا مینہ برساتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ یعنے انسان کو بھی ایسے ہی صفات اختیار کرنے چاہئیں۔

چھٹی آیت میں انسان کی پیدائش کا مذکور ہے کہ انسان کو اس ذات نے بنایا ہے۔ جس نے ہر شئے کو موزونیت اور حسن صورت عطا فرمایا۔ اور یہ کہ انسان کی پیدائش کا مادہ اولین مٹی ہے۔ اور پھر حقیر سا پانی منی جو اخفیٰ ششیاء کا ست ہے۔

پھر اللہ تعالےٰ نے کالبد انسانی کو موزون بنا کر اپنی قدرت کاملہ سے

اُس میں روح پھونکی۔ آنکھ۔ کان اور دل عطا فرمایا۔ پس انسان کو چاہئے کہ
ایسے غنی و منعم اللہ کی شکر گذاری کرے۔ جس نے حقیر پانی سے ایسی جیتی
جاگتی موزون شکل پیدا کر دی۔ اور ناشکرا نہ بنے۔ نہ اپنے جسم و روح کو اس کی
خالقیت سے باہر نکال کر ناخلف بنے۔

ساتویں آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ انسان جو خدا کا انکار کرتا ہے
اُسے اتنی سمجھ نہیں۔ کہ وہ پہلے ہیئت کذائیہ اور تشخص موجودہ میں متعلق
نہیں تھا۔ خدا نے محض اپنی قدرت کاملہ سے اسے پیدا کر دیا۔ پھر وہ کیوں
اُسکی ناشکر گذاری کرتا ہے۔

آٹھویں آیت کا یہی مطلب ہے۔ کہ خدا تعالے کے مقدرہ کام میں اتنی
جلدی ہو سکتی ہے۔ کہ اُن کے لئے وقت مقررہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پس اس کو
اس پیرایہ میں ادا کرتے ہیں۔ کہ ادھر ایک امر کو کہے کہ ہو اُدھر ہو جاتا ہے۔

نویں دسویں آیت کا یہی مطلب ہے کہ ہر شئے الہی علم میں ہے۔ اور کوئی
بات الہی علم سے باہر نہیں۔ اور علم الہی کو لوح محفوظ سے استعارہ کیا گیا ہے
اسکو جبر سے کوئی تعلق نہیں۔ آریہ بھی اس بات کے مخالف نہیں کہ
علم الہی سے کوئی بات یا کوئی شئے کسی زمانہ میں مخفی نہیں۔

گیارھویں آیت کا مطلب اتنا ہی ہے۔ کہ اللہ تعالے ہر روز امورات
کائنات میں محو و اثبات کر رہا ہے۔ وہ بیدخل اور معطل نہیں ہے۔ اُس کے
محو و اثبات کے نظائر ہر روز پیش نظر آرہے ہیں۔ کوئی آن اور مکان
خالی نہیں۔ کسی قوم کو اُٹھاتا۔ کسی کو نیچا دکھاتا۔ کسی کو عزت دیتا۔
کسی کو ذلت دیتا ہے۔ مگر عندہ ام الکتاب اصل کتاب اس کے پاس ہے
اور وہ قوانین مقررہ اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ جس کے موافق ایسا وقوع میں
آتا ہے۔ انسان اس کی حکمتوں پر محیط ہونے سے عاجز ہے۔

بارھویں سے پندرھویں آیت میں اضلال الہی کا ذکر ہے۔ یعنی اللہ جسکو
ہدایت سے محروم کرے۔ اسکو دوسرا کوئی راہ ہدایت دکھا نہیں سکتا۔
اور اللہ کا ہدایت سے محروم کرنا مقدرہ قوانین کے موافق ہے۔ نہ کہ
اندھا دھند۔ اور اُس کی تفصیل ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اور آریہ مسافر
بھی اپنے اسی رسالہ ماہ دسمبر [illegible]ء کے صفحہ ۸ میں لکھتا ہے۔ کہ بھیوں چپا

انسان نیک کام کریگا۔ تو اُسے نیکی کا پھل ملتے ہوئے ثروت نیکی طرف
بڑھیگی۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ پاکیزگی کی طرف چلتا ہوا آخرکار پرماتما کے
دربار میں پہونچیگا۔ اوہکاری بنے گا۔ لیکن جو انسان عیبوں سے پُر ہے اُسکو
کبھی بھی وہ ثروت نہ مل سکے گی۔ جو کہ اُسے دھرم کے راستہ میں چلنے کے لئے
مدد دے سکے۔ اور عیب والوں کو خدا اس ثروت سے محروم رکھتا ہے
پس یہی اللہ تعالےٰ کا پرعیب انسان کو اس ثروت سے محروم رکھنا
وضلال الہی ہے۔ وبس +

ان آیتوں کے ذکر کرنیکے بعد آریہ مسافر نتیجہ نکالتا ہے۔

مذکورہ بالا حوالجات سے صاف عیاں ہے کہ بائبل و قرآن ہر دو کا عقیدہ
واحد ہے۔ دونوں صرف خدا ہی کو واجب الوجود ازلی ہستی مانتے ہیں
باقی تمام کتم عدم سے وجود میں آیا ہے۔ ذی روح اور غیر ذی روح تمام
مخلوق خدا نے محض ارادہ سے پیدا کردی وہ جو چاہے سو کرے۔ رحمتیں
زحمتیں سب اسی سے ہیں۔ وہ جس کو راہ دکھاتا ہے۔ جس کو چاہتا
ہے گمراہ کرتا ہے۔ مخلوق اپنے خالق کی مرضی پر غالب نہیں آ سکتا۔
جو کچھ ہوگا وہ اس نے پہلے سے مقرر کردیا ہے۔ اور وہی ہوتا ہے۔ جو
کچھ اُس نے پہلے سے مقرر کردیا ہے۔ غرضکہ انسان کچھ نہیں۔ خدا
سب کچھ ہے۔

اما الجواب۔ بائبل اور قرآن اگر اس بات میں متفق ہیں۔ کہ صرف
ایک ہی واجب الوجود ازلی ہستی ہے۔ اور باقی سب خدا کی قدرت
کا ظہور جو پہلے نہ تھا۔ اور خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کر دکھایا۔
جاندار اور بے جان ہر شے اُسی نے پیدا کی۔ تو وہ اس بارہ میں بالکل
سچے ہیں۔ سچی ہستی اللہ ہی کی ہے۔ باقی سارا جہان اُس کی قدرت کا
اثر اور صنعت کا نقش ہے۔ جو اس کے مقرر کئے ہوئے قوانین پر
چلایا جاتا اور مقدرہ آئین پر رواں ہے۔ جو شخص اس کے برخلاف عقیدہ
رکھتا ہے۔ اول درجہ کا مشرک۔ صداقت سے کوسوں دور اور جہنم کا
وارث ہے۔ خدا کو مان کر پھر بھی کوئی شخص کسی غیر کی ہستی واجب
نہیں مان سکتا۔ اگر کوئی ہستی خدا کی احاطہ خالقیت سے باہر ہو۔ تو

پھر وہ خدا کاہے کا ہے۔ اسی طرح ساری ہستیاں اور دنیا کا انتظام بھی خود
بخود مانا جاسکتا ہے۔ جو فطری اصول پر رواں ہے۔ پھر خدا کی کیا ضرورت
ہوئی۔ اور اختیار کے رو سے بے شک اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے۔ جو
چاہے سو کرے۔ اوسکو کوئی روکنے والا۔ اور اسپر کوئی اعتراض کرنے
والا نہیں۔ اور ہدائیت وضلالت اور رحمتیں اور زحمتیں بھی اسی کی
طرف سے ہیں۔ لیکن بے اصول محض سکھا شاہی کے طور پر کچھ بھی نہیں
ہوتا۔ بلکہ ہدائیت کے طالبوں کو وہ ہدائیت دیتا۔ اور پر عیب انسان کو
وہ ہدائیت سے محروم رکھتا ہے۔ قوانین قدرت کو توڑنے والوں کو زحمت
میں مبتلا کرتا۔ اور اصول فطرت کا خیال رکھنے والوں اور قوانین قدرت کی
پیروی کرنے والوں کو سایۂ رحمت میں جگہ دیتا ہے۔ سب کچھ اسی کیطرف
سے مگر اندھا دھند نہیں۔ سنت اللہ کا خیال رکھنے والے برخوردار
اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اور سنن الہی کو توڑنے والے ناکامی اور ذلت
کے گڑھے میں پھینکے جاتے ہیں۔ اور وہ موجودہ جنم کے اعمال ہی کی سب
سزا جزا ہوتی ہے نہ گذشتہ کی (جیسا کہ) آریوں کا خیال ہے۔ اسی جنم میں
انسان ترقی کے اعلے علیین پر پہنچ سکتا اور [illegible] جنم میں ذلت کے
اسفل السافلین میں گر سکتا ہے۔ کل انسان [illegible] طائرہ فی عنقہ
ونخرج لہ یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشورا۔ اقرأ کتابک کفی
بنفسک الیوم علیک حسیبا۔ ہر ایک انسان کی گردن میں اللہ تعالیٰ
نے اس کے اعمال (موجودہ جنم کے تیار کئے ہوئے) لٹکا رکھے ہیں۔ اور
اس کے کرم اس کی گردن کا ہار ہو رہے ہیں۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ
انہی اعمال مخفیہ کو عالم بروز میں اعمال نامہ کی شکل میں داہنے یا بائیں
ہاتھ میں دیدے گا۔ اور فرمائیگا کہ اپنا نامہ اعمال پڑھ لے۔ آج تیری
جان پر یہی حساب لینے والا کافی ہے۔

پس یہ تو بالکل صحیح ہے۔ کہ ہدائیت ضلالت۔ رحمت۔ زحمت اللہ تعالیٰ
ہی کی طرف سے ہے۔ غیر کی طرف سے نہیں۔ نہ خدا کے ملک میں
کوئی شریک ہے۔ نہ کسی غیر کو رحمت زحمت کی طاقت حاصل ہے
لیکن کوئی بات بے ہنگم طور پر اندھا دھند نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک مقدرہ

اصول کے موافق جس میں تبدیل ہو نہیں۔ اور جس کے ارتکاب کے بعد
اس کے نتیجے بھگتنے پڑیں۔ مخلوق اپنے خالق کی مرضی پر غالب نہیں آسکتی
بلکہ خود [illegible] تو [illegible] سے نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔

آریہ اگر اس بات کو نہیں مانتے تو وہ [illegible] رحمت نعمت ہدایت
یا محرومی کس کی طرف سے ہے؟ کیا انسان کا وجود [illegible] ہے
اور پھر کیا جو نتائج اس کے اعمال و افعال پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس کے
اپنے اختیار میں ہیں جب انسان کا وجود اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اور اس کے
فعل کے ارتکاب پر [illegible] نتیجہ مرتب کرتا ہے۔ خواہ رحمت ہو خواہ
زحمت۔ تو سب رحمتیں و زحمتیں اللہ ہی کی طرف سے ہوئیں نہ کہ
انسان زبردستی لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو عطا کر دیتا ہے۔ انسان تو شرمسار و
استغفار کرتا ہے۔ رحمت و زحمت [illegible] ہے۔ کیا یہ انسان کا فعل
مرتب ہے یا اللہ کا۔ موت یا حیات کا اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے [illegible]
لے لیتا ہے۔ مگر آریہ مشرک ہیں دوسرے نہیں تو سمجھنا [illegible] صرف جبر
[illegible] ہے۔

قولہ [illegible] اس کے رگ و ریشہ میں
تقدیر پر یقین کا مادہ بھرا ہے [illegible] شب و روز محمدیوں کا عمل ان اشعار کے
حسب حال ہے۔

بہ آب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے کہ بافتند سیاہ
چاک کو تقدیر کے کرنا نہیں ممکن رفو
سوزن تدبیر گو لاکھوں برس سیتی رہے

مگر کئی فرقے ایسے ہیں جو حد سے اس کے بڑھ کر قائل ہیں جبریہ۔ مضطریہ
کسبیہ وغیرہ۔

جواب۔ مسلمان جن معنی میں تقدیر کے قائل ہیں۔ کسی دانشمند کو ان سے
چارہ نہیں۔ تقدیر خدا تعالیٰ کے آئین و قوانین مقررہ ہیں۔ جن کے موافق
دنیا کا انتظام ہو رہا ہے۔ اور جسمیں رد و بدل کو دخل نہیں۔ نہ خدا تعالیٰ
کا جبر اسلامی تقدیر اس بات کی ہدایت کرتی ہے کہ ہمیشہ ترقی کرو۔ نیک

راہوں پہ چلو۔ کل میسر لما خلق لہ۔ نہیں تو خدا تعالے کے قوانین کبھی نہیں بدلیں گے۔ ہرگز نہیں ٹلیں گے۔ ان کا توڑنے والا ضرور سزا بھگتے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیگا۔ مگر تقدیر الٰہی کبھی نہ ٹلے گی۔ اور وہ شعرآمیوں کے عقیدہ تناسخ کے حسب حال ہیں۔ جس کے رو سے دکھ یا سکھ ذلت یا افلاس بدی یا شرارت ہرگز ٹل ہی نہیں سکتی۔ خواہ لاکھ کوشش کریں۔ ہزار جتن کریں نہ مسلمانوں کے۔ جنہوں نے سارے جہان میں ترقی کی روح پھونکدی۔ اور کوشش کرنا۔ اور سنن الٰہی کا خیال رکھنا جن کا اصل اصول اور کلام الٰہی کا عین ارشاد ہے۔ اور جبریہ مضطریہ فرقہ کا تو آپ نے ذکر کیا۔ مگر قدریہ کا ذکر نہ کیا۔ جو برائی بھلائی کلیتہ بالاستقلال اپنی نفس کی طرف سے سمجھتے ہیں۔ اور جن کا استدلال بھی قرآن شریف سے ہے۔ فرقہ جبریہ اور قدریہ دونوں افراط تفریط کی طرف مائل ہیں۔

ایمان بین الجبر والاختیار ہے۔ یعنے انسان نہ مختار مطلق ہے۔ بلکہ اس کا اختیار عطاء الٰہی ہے۔ اور نہ مجبور مطلق ہے۔ بلکہ اس کو کسب کا اختیار حاصل ہے۔ جس پر سزا جزا مترتب ہوتی ہے۔ وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم۔

قولہ۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ قرآن و حدیث شریف اور حدیثوں میں عام طور پر عقیدہ تقدیر یا قسمت کی تعلیم موجود ہے۔ جیسا کہ حوالجات ذیل سے صاف ثابت ہے اور جو آدمی ہے۔ لگادی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے۔

تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ ہر موجود سے را کتابے است مدگردن او آویختہ و در آنجا نوشتہ شقی ام سعید (تفسیر حسینی جلد اول صفحہ ٣٠٥-

ظاہر ایں حدیث آن است کہ درآمدن بہ بہشت و دوزخ منوط و مربوط بعمل نیک و بد نیست۔ محض بہ تقدیر و قضائے الٰہی است وے تعالے بعضے از خلق خود را برائے بہشت آفریدہ خواہ عمل نیک کند یا نہ و بعضے را برائے دوزخ پیدا کردہ سکار را سے بدکند یا نہ مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ٢٩

جواب۔ یہ آیت بنی اسرائیل میں ہے۔ وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ و نخرج لہ یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشورا۔ اس کا

مطلب صاف ہے۔ یعنے ہم نے اس دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اس کی گردن سے باندھ رکھا ہے۔ اور انہیں پوشیدہ اثرات کو قیامت کے دن ظاہر کر دینگے۔ اور ایک کھلے کھلے اعمال نامہ کی شکل میں دکھا دینگے۔ جسے وہ پڑھ سکے۔ اور اپنی سب کرتوتیں معلوم کر سکے۔

اس آیت میں عمل میں طائر (پرندہ) سے استعارہ کیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک عمل نیک ہو یا بد وقوع کے بعد پرندہ کی طرح پرواز کر جاتا ہے اور مشقت یا لذت اس کی پرواز کر جاتی ہے۔ اور دل پر اس کی کثافت یا لطافت باقی رہ جاتی ہے۔ یہ قرآنی اصول ہے کہ ہر ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش جماتا رہتا ہے۔ جس طور کا انسان کا فعل ہوتا ہے۔ اس کے مناسب حال ایک خدا تعالےٰ کا فعل صادر ہوتا ہے۔ اور وہ فعل اس گناہ کو یا اس کی نیکی کو ضائع نہیں ہونے دیتا بلکہ اس کے نقوش دل پر منہ پر آنکھوں پر ہاتھوں پر پیروں پر لکھے جاتے ہیں۔ اور یہی پوشیدہ طور پر ایک اعمال نامہ ہے۔ جو دوسری زندگی میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائیگا۔ غرضکہ عالم آخرت کوئی نئی چیز نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے تمام نظارے اس دنیوی زندگی کے اظلال و آثار ہونگے۔ یہ مطلب ہے اس آیت کا نہ کہ خدا نے ہر ایک کی مشیت میں جبریہ طور پر بھلا یا برا لکھ دیا ہے (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۳۸۹ و ۳۹۰) ملاحظہ ہو۔ تفسیر حسینی میں جو لکھا ہے کہ ہر موجودے را کتابے است از گردن او آویختہ۔ در اینجا نوشتہ کہ شقی یا سعید اس کتاب سے بھی استعارۃً اس کے اعمال مکتسبہ مراد ہیں۔ جو اسکی شقاوت یا سعادت اخروی کا موجب ہیں نہ کہ جبری تقدیر

رہی دوسری عبارت یعنے ظاہر اس حدیث کا یہ ہے کہ بہشت دوزخ میں داخل ہونا عمل نیک و بد پر نہیں۔ بلکہ محض تقدیر الہی سے ہے۔

یہ حدیث کے لفظ نہیں ہیں۔ بلکہ شارح حدیث کا قیاس ہے جو اس نے اس حدیث کے ضمن میں بیان کیا۔ جسمیں حضرت عائشہ رضی

ایک انصار کے چھوٹے لڑکے کو جبریہ بہشتی بنایا تھا۔ اور آنحضرت ؐ نے اس امر کو علم الٰہی کے حوالہ کیا۔ اور قطعاً بہشتی کہنے سے ناراض ہوئے۔ کہ علم غیب حوالہ خدا ہے۔ وہ جانے کون بہشتی ہے اور کون دوزخی۔ مومن کا کام سکوت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے جو بہشت کے لئے پیدا کئے ہیں۔ یا دوزخ کے لئے اسی کو علم غیب سے معلوم ہے۔ غیر شخص اس بارہ میں قطعی رائے نہیں لگا سکتا۔ اس حدیث اور اسی قسم کی اور حدیثیں صرف خدا تعالےٰ کے علم غیب کی طرف راجع ہوتی ہیں نہ کہ جبر کی طرف جیسا کہ اور حدیث ہے کہ

سُئِلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم عن ذراری المشرکین قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔ متفق علیہ

آنحضرت صلعم مشرکین کی اولاد کی بابت پوچھے گئے تو فرمایا خدا کو خوب معلوم ہے کہ کس قسم کے کام کرتے۔

ورنہ آنحضرت ؐ کا جو تقدیر کی نسبت خیال تھا۔ وہ ایک اگلی حدیث سے ظاہر ہے۔ جہاں لکھا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ؐ سے سوال کیا کہ ہمیں فرمائیے۔ کہ منتر جو ہم پڑھواتے ہیں اور دعائیں جو کرتے ہیں۔ اور بچاؤ کی چیزیں جو ہم استعمال کرتے ہیں۔ کیا تقدیر کو روک سکتی ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ باتیں بھی تقدیر سے ہیں۔ یعنی جس طرح بیماری وغیرہ مقدر ہے اسی طرح ان دواؤں سے ان کا دفعیہ بھی مقدر ہے۔ یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ تقدیر سے آنحضرت ؐ کی مراد محض وہ قوانین مقدرہ ہیں جن کے موافق افعال اور حادثات ان کے وقوع میں آتے ہیں۔ اور وہ سب اللہ تعالےٰ کے اندازہ کئے ہوئے ہیں۔

اور ایک حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ کوئی بچہ نہیں جو پیدا نہ ہوتا ہو۔ فطرت اسلام پر پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی کردیں یا نصرانی یا مجوسی۔ جسطرح چوپایہ کا بچہ کامل چوپایہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی نقصان نہیں

ملا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ یعنی ناک کان سے، لڑکی آفت نہ پہنچے تو ویسا ہی رہے لوگ کان وغیرہ کاٹ دیں۔ نقص بھی بہر ایسے ہی اسلام سب ماں باپ وغیرہ کی صحبت سے گم ہو جاتا ہے جیسا ان مسلمانوں کی سے

نہیں ہوتا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ فطرت اللہ (اسلام) کو لازم ہے پکڑو۔ جس پر اللہ تعالے نے انسان کو پیدا کیا۔ فطرت الہی میں رد و بدل مناسب نہیں۔ یہی پکا دین ہے۔ انتہی متفق علیہ۔

اوپر کی حدیث سے تو اظہر من الشمس ہے کہ ہر ایک انسان فطرت اسلامی پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ صرف صحبت بد خراب کرتی ہے۔ یا متوارث طور پر عقاید قبیحہ اختیار کر کے جہنم کے قابل بن جاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ بموجب تعلیم قرآن برائی بھلائی وغیرہ جو کچھ انسان کرتا ہے۔ متوارث طور پر یا صحبت بد سے اختیار کر لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی جبر نہیں۔ نہ اس نے کسی کو ہلاکت کے لئے پیدا کیا ہے۔ انسان خود ہی شقی و سعید اور مومن و کافر بن جاتا ہے۔ والکفر والایمان فعل العباد قول ابی حنیفہ۔

قولہ۔ مسئلہ تقدیر کی تصدیق میں خواہ کچھ ہی کہا جائے۔ اس امر واقعہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ اس عقیدہ کا قطعی اور بے خطا نتیجہ ہے کہ محض خدا ہی واجب ہے الوجود ازلی ہستی ہے۔ باقی سب کچھ محض اس کی مرضی سے عدم سے موجود میں آیا ہے۔

جواب۔ نتیجہ نکالنے والے کو تو دیکھو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی کو مسئلہ تقدیر جبری سے کیا تعلق صرف وہی ایک سچی ازلی ہستی ہے۔ اسی نے خلقت کے بہت عمدہ قوانین مقرر کئے۔

انسان کو اختیار عالم عطا فرما کر اشرفیت کا تاج اس کے زیب سر کیا۔ اعمال خیر کی ہدایت کر دی۔ افعال شر اور طرق بد سے متنبہ کر دیا۔ عمدہ سے عمدہ قوائے عطا فرمائے۔ احسن سے احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اب اگر انسان نے ان قوائے کی بد استعمال اور افراط و تفریط سے اپنی حالت کو بگاڑ لیا ہے۔ تو اس میں خدا کا کوئی قصور نہیں روح اور مادہ کو واجب الوجود مانیں یا خدا کا مخلوق انسان اپنی حالت بگاڑنے والا یا سنوارنے والا آپ ہی ہے۔ اور اپنے افعال اور [illegible] کا جوابدہ آپ ہے۔ خدا تعالیٰ کو ہستی واحد و واجب ماننے سے جبری تقدیر کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ روح اور مادہ کو قدیم

ماننے اور تناسخ پر یقین کرنے سے جبری مسئلہ تقدیر پیدا ہوتا ہے۔ بس اس سے انسان کو نیکی بدی خیر و شر رنج و راحت میں ذرا دخل نہیں رہتا۔
آریہ لوگ بتلائیں کہ اگر ماسوائے اللہ سب کچھ خدا کا مخلوق نہیں ازلی اور قدیم اور خدا تعالیٰ کے احاطہ خالقیت سے باہر ہے تو کائنات کا مقدر اور خالق خدا کا کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ کسی شے کے خالق اور قوانین کے واضع اور مقدر کیلئے سابقت لازم پڑی ہوئی ہے۔ اگر خالقت قوانین مقدرہ روح مادہ سب آپ سے آپ اور قدیم و ازلی ہیں تو خدا تعالیٰ کو ان سے کیا تعلق اور قوانین کے وضع اور مقدر کرنیکا اسکو کب موقعہ ملا

قولہ۔ کچھ عرصہ سے اسلامی دنیا میں بھی اس سے بغاوت اختیار کرنے کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ لیکن ہندی دل و دماغ پر اسکا سکہ اسقدر مضبوط جما ہوا ہے۔ کہ ہندیوں کا اس کی غلامی سے یکایک نجات پانا قریباً ناممکن ہے۔

جواب۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ اور دوسرے بزرگان دین نے [illegible] جو کچھ تقدیر کے بارہ میں [illegible] مسائل ہے [illegible] وہ کافی [illegible] اور تقدیر کی اصلی فلاسفی بیان ہو چکی۔ پس آپ کا یہ کہنا کچھ [illegible] سے [illegible] غلطی اور مغالطہ ہے۔

قولہ۔ قرآنی عقیدہ کے موافق خدا اپنے بندوں کو خلق کرتے وقت ہی کرم تمام کو اچھا یا برا خوش بخت یا بدبخت ٹھہرا چکا ہے۔ انسان لازمی طور پر دم حیات تک بغیر کسی ذاتی قابلیت کے یا قصور کے خدا کے فضل یا غضب کے نیچے ہے۔ بعض انسان مضبوط جاود۔ عقلمند دیانتدار اور راستباز پیدا کئے جاتے ہیں۔ بعض کو ذہانت [illegible] خوبصورتی صاف باطنی۔ پاک دلی اور عزت عطا ہوتی ہے۔ ان سب پر خدا کا فضل [illegible] جوش مار رہا ہے۔ [illegible] فاسق۔ [illegible] پیدا کئے جاتے ہیں۔ بعضوں کو کاہلی۔ خود غرضی۔ حمق۔ بدصورتی۔ غلامی اور خرابی بخشی جاتی ہے۔ ان سب پر خدا کا غضب ہے۔

جواب۔ تمہارا یہ فقرہ نری بیوقوفی ہے۔ قرآن شریف کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بغیر کسی سبب یا قصور کے [illegible]

قہر کرتا یا کسی پر غضب کرتا ہے - بلکہ ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کے موافق سلوک ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں صاف فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر وما بانفسہم خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ تا وقتیکہ وہ اپنے دلوں کی حالت نہ بدلیں اور پھر فرمایا۔ ھوالذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن واللہ بما تعملون بصیرا۔ وہی اللہ ہے جس نے تم کو ساری فطری حالت میں پیدا کیا - پھر تم اس سے کوئی کافر بن بیٹھا اور کوئی مومن یعنے اپنے اعمال کے سبب سے تم متفرق ہو گئے۔ اللہ نے جبراً نہیں کیا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ جیسی اپنی حالت بناؤگے ایسا تم سے سلوک کریگا۔

پنڈت دیانند جی کتاب ستیارتھ پرکاش مترجمہ ماسٹر آتمارام کے صفحہ ۱۴۵ میں لکھتے ہیں - بدھوں نے پس درشیہ اودیا جہالت میں ترقی کی ہے جس کی نظیر ان کے سوا دوسری ہو نہیں سکتی - یقین تو یہی ہوتا ہے کہ وید اور ایشر سے مخالفت کرنے کا ان کو یہی نتیجہ ملا ہے -

پس اودیا میں ترقی جہالت۔ کم عقلی بھی اعمال بد کی سزا ہوتی ہے نہ خدا کا ظلم اور غفلت -

ہاں یہ ٹھیک ہے کہ بعض انسان مضبوط بہادر - خوبصورت - عقلمند وغیرہ بعض جاہل - کمزور - بزدل - کمینے وغیرہ پیدا کئے جاتے ہیں -

اس کا جواب یہ ہے - کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں ہے - بلکہ قانون ازدواج او آئین مباشرت کی مخالفت یا موافقت اور اس کے بعد عمدہ یا [illegible] تعلیم یا تربیت اور بُری یا بھلی صحبت کا نتیجہ ہے - اس کو تناسخ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں - ان اللہ لیس بظلام للعبید خدا انسان پر ہرگز ظلم کا روادار نہیں - مگر ان اللہ لا یظلم الناس شیئا

منو وید میں بھی لکھا ہے جب تک لوگ دھرم پر چلتے ہیں - تب تک سلطنت بڑھتی رہتی ہے - اور جب بد اعمال ہوتے ہیں - راج نیست و نابود ہو جاتا ہے (منڈل ا سکت ۳۹ منتر ۲)

ولکن الناس انفسھم یظلمون۔ خدا کسی شخص پر ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔ لیکن انسان اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے ہیں۔

ان جوڑ شادیاں۔ ان میل رشتے۔ بچپن کے بیاہ۔ بے وقت مباشرت قانون ازدواج کی مخالفت۔ قانون قدرت میں افراط تفریط۔ اولاد کے بزدل۔ نادان جاہل۔ کم عقل۔ کمزور۔ ناقص الخلقت وغیرہ پیدا ہونیکا موجب ہوجاتا ہے۔ جس کے تمام حکما و اطبا قائل ہیں۔ ان باتوں کو تناسخ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ساری دنیا وید کے مخالف ہوجاوے۔ قانون ازدواج کی مخالفت نہ کرو۔ لوگ دانا۔ ذہین۔ خوبصورت صاف باطن وغیرہ ہونگے۔ سارا جہان وید کا عامل بن جاؤ۔ قانون ازدواج کی مخالفت کروگے۔ اولاد ناقص۔ کمزور۔ بزدل۔ نالائق پیدا ہوگی۔ آب ہوا کا اثر۔ محل ولادت قانون ازدواج کی مخالفت یا موافقت انسان کی شکل۔ صورت۔ عقل۔ و ذہن۔ حسن و جمال کے اختلاف کا موجب ہے نہ وید کی تعمیل۔ عدم تعمیل اور تناسخ۔

آریہ مسافر میگزین رسالہ نومبر ۱۹۰۰ء میں لکھتا ہے کہ جس طرح عمدہ کھیتی کا پیدا کرنا بہت کچھ کسان کی خاص تدابیر و احتیاطات پر منحصر ہوتا ہے اسی طرح نالائق اولاد پیدا کرنا بہت یا لائق اولاد پیدا کرنے کی تدابیر تمام ماں اور باپ کے اختیار میں ہے۔ اور وہ اس وقت ہو سکتا ہے۔ جب والدین ہمیشہ اپنے افعال اس قسم کے رکھیں۔ جس قسم کی اولاد پیدا کرنے کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔ اور ان کی خواہش کا بہت کچھ اثر کرجا دہان سے لیکر اس وقت تک کہ بچہ شکم مادر سے پیدا نہیں ہوا۔ بچہ پر پڑتا ہے صفحہ ۲۴۔ عورت جس قسم کا دھیان کرتی ہے۔ اوسی قسم کی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اسواسطے نیک اولاد پیدا کرنے کے لئے عورت کی حفاظت بابت (صفحہ ۲۶)

اور پھر اسی رسالہ کے صفحہ ۲۶ پر لکھا ہے۔ بال بچہ کا نیک یا بد لائق یا نالائق۔ بیمار یا تندرست وغیرہ پیدا کرنا ماں باپ کے اختیار میں ہے۔ وریہ کہ عورت ظرف کی صورت ہے اور مرد تخم کی صورت ہے۔ ظرف اور تخم کی آمیزش سے سب جسموں کی پیدائش ہے

ڈاکٹروں کے تجربے اور معمولی مشاہدوں نے اس اصول کی بخوبی تصدیق
کر دکھائی ہے۔ کہ انسانوں میں بہت سی بیماریاں موروثی ہوتی ہیں۔ اور
اسی وجہ سے منوجی مہاراج ادھیائے فرماتے ہیں کہ اگرچہ گئو۔ بکری اونٹ
وغیرہ کی ان میں کثرت ہو۔ تو بھی ان خاندانوں میں بیاہ نہ کرنا چاہئے۔ یعنی
جس خاندان میں بواسیر۔ دمہ۔ ہاضمہ کی خرابی۔ مرگی۔ پھلبہری۔ وغیرہ جذام
کی بیماری ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور کہ ڈاکٹروں نے یہاں تک ثابت کیا ہے۔
کہ اگر کسی کے دادا میں خونریزی کی عادت ہے تو اس کے پوتے میں
بذریعہ خون سرایت کر جائیگی۔

اور پھر لکھتا ہے۔ جس بیج سے ایسے بڑے لوگ اور نیک آدمیوں
کے اجسام پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے بیج کو بیسوا وغیرہ کے برے کھیت
میں بونا یا خراب بیج اچھے کھیت میں ڈلوانا گناہ عظیم ہے۔ (صفحہ ۱۲۴۔
ستیارتھ پرکاش)

کیوں صاحب اب بھی آپ کی تشفی ہوئی یا نہیں۔ کہ اختلاف افراد
بشری کا اصلی سبب کیا ہے؟ پس یہی قانون ازدواج و آئین معاشرت
میں افراط تفریط۔ اور بے اعتدالیاں اور بے احتیاطیاں۔ نہ کہ تناسخ۔
اگر تناسخ اس کا موجب ہوتا۔ تو یہ احتیاطات سب فضول تھیں۔ اعمال
کے موافق انسان جنم لیتا۔ خواہ کہیں بیج بودو۔ کہیں شادی کرو۔ تدابیر
حسنہ کام میں لاؤ یا نہ لاؤ۔ پس جب نیک اور خواہش کے مطابق اولاد کا پیدا
کرنا بقول آریہ مسافر میگزین کے ماتا اور پتا کے خاص اختیار میں ہے۔
تو پھر تناسخ کے باطل اور خلاف عقل ہونے میں کوئی بھی شبہ نہیں۔
کیونکہ تناسخ کا اعتقاد بالکل اس خیال کے منافی ہے۔ تناسخ کے رو
سے ہر بچہ کا اپاہج یا تندرست کند ذہن یا ذہین۔ لائق یا نالائق پیدا
ہونا صرف گذشتہ جنم کے اعمال پر منحصر ہے۔ نہ تدابیر ناقص پر۔

لیکن آریہ میگزین کی اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد کے
لائق یا نالائق تندرست یا بیمار ہونے کو گذشتہ جنموں کے اعمال
کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ امر ماں باپ کی احتیاطات و
تدابیر پر منحصر ہے۔ پس ان دونوں بیانوں سے ایک ضرور جھوٹا

اگر نیک یا بد۔ تندرست یا اپاہج اولاد کا پیدا کرنا ماں باپ کے اختیار میں اور انسانی تدابیر پر منحصر ہے۔ تو تناسخ کے بطلان میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر تناسخ کی وجہ سے ہے تو وید کی یہ ساری منطق غلط۔ اور کل تدابیر و احتیاطات لغو و فضول۔

ایسا اختلاف شدید ایک ہی عقیدہ کے متعلق دنیا میں کسی مذہب میں نہیں۔ بجز آریوں کے جن میں ایک ہی اعتقاد کے رو سے زمین آسمان کا فرق اور سخت درجہ کا تناقض اور تضاد ہے۔

یہی آریہ میگزین اپنے نومبر [illegible] کے رسالہ صفحہ ۱۲ میں وراثت کے نیم کو بے بنیاد ثابت کر رہا ہے اور صاف کہتا ہے کہ روئے زمین پر کوئی نسل انسانی اس درجہ وحشی اور گری ہوئی نہیں۔ کہ وہ اس قسم کے ظالمانہ کوڈ کو مانتی ہو۔ کہ جو ایک کے جرم کے بدلے دوسرے کو سزا دینا روا رکھے۔

اور آپ ہی اس رسالہ میں اپنے پہلے خیال کے بالکل برخلاف بال بچہ کا لائق یا نالائق تندرست یا بیمار ہونا ماں باپ کے سر پر تھوپتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ سب کچھ ماں باپ کے اختیار میں ہے۔

پس العجب ثم العجب کہ وہ آپ ہی موروثی امراض وغیرہ کے حدوث کا موجب ماتا پتا کی بے احتیاطیوں اور قانون قدرت کی خلاف ورزی کو ثابت کر رہا ہے۔ اور آپ ہی پھر پوچھتا ہے۔ کہ دنیا میں ایسا وحشی کوئی نہیں جو اس ظالمانہ کوڈ کو مانتا ہو۔ کہ ایک کے جرم کے بدلے دوسرے کو سزا دینا روا رکھے۔ پس آریہ مسافر میگزین کے مذکورہ بالا اقوال کے بموجب سب سے پہلے آریہ ہی بڑھ کر وحشی قوم ثابت ہوتی ہے۔ جو اولاد کا بیمار یا تندرست لائق یا نالائق ہونا ماں باپ کے سر پر تھوپتی ہے۔

ایسے ہی بچے بھی۔ ذہن کا مضبوط یا کمزور۔ ذہین یا کند ذہن۔ لائق یا نالائق وغیرہ ہونا تناسخ پر ہرگز منحصر نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی تو قوانین کی خلاف ورزی یا موافقت کا نتیجہ ہے۔ قدرت اپنی بے سمجھی غفلت

یا ظلم سے ایسا ہرگز نہیں کرتی۔ جیسا کہ آپ نے صفحہ ۱۲ میں بے ہنگام
سُر الاپی ہے۔ نہ ہی وہ بعض گملوں میں خراب بیج ڈالتی ہے۔ کہ جو
بے وقوف۔ دغاباز۔ جھوٹا۔ اور چور پیدا کر دیتی ہے۔ اور بعض بیج ایسے
ہیں کہ کسی میں شاعر کسی میں مثلاً مفسر اور کسی میں بہادر اپج آتا ہے
قدرت کا ہرگز قصور نہیں ہے۔ نہ قدرت بخیل ہے۔ بلکہ وہ ہمیشہ
جواد و کریم اور فیاض ہے۔ بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء۔
تم جیسا بیج بو دو۔ جیسی عمدہ زمین تیار کرو۔ جتنی عمدہ کھاد دو وہ عمدہ
پھل پیدا کرنے میں ہرگز بخل نہ کرے گی۔ جسقدر بہتری اور عمدگی ہے
قدرت کی طرف سے ہے۔ جس قدر خرابی اور برائی وہ ہماری طرف
سے ہے۔ ہم خراب بیج بوئیں۔ اچھی زمین میں نہ کاشت کریں۔ عمدہ
کھاد نہ دیں۔ تو قدرت ہرگز عمدہ پھل پیدا نہ کرے گی۔ جیسا بیج بوؤگے
اُسی قسم کے پھل کی امید رکھو۔ چونکہ بیج بونے میں بہت کچھ انسان کا
دخل ہے۔ اس لئے اسی قدرت انسانی افراد میں اختلاف پڑ جاتا
ہے۔ نیچر کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ عمدہ بیج۔ عمدہ زمین اور عمدہ احتیاط
ہو۔ تو کبھی خراب پھل پیدا ہو نہیں سکتا۔ عالم علوی کی طرف سے تمام
روحیں یکساں آتی ہیں۔ اور جسم میں یکساں طور پر نفخ کی جاتی ہیں
قدرت ہرگز ظالم یا بخیل نہیں۔ اختلاف صرف بیرج مادہ اور
خارجی کی وجوہات ہوتا ہے۔

بیج کا بونا چونکہ انسان کے اختیار میں ہے۔ اس لئے جیسا بیج بویا
جاتا ہے۔ قدرت ویسا پھل کر دیتا ہے۔ بچپن کی شادی کا پھل۔ ناقص
نا سیدہ اور خراب ہوتا ہے۔ جیسا کہ پنڈت دیانند جی نے بھی ستیارتھ
پرکاش میں بیان کیا ہے۔ عمدہ اور جوان شادیوں کا پھل عمدہ سے عمدہ
پیدا ہوتا ہے۔ غرضکہ قدرت عمدہ بیج کا عمدہ اور بُرے کا بُرا پیدا
کر دیتی ہے۔ قدرت کی شان اس سے بلند ہے۔ کہ آتشک زدہ بیج
کے رحم میں پڑنے سے تندرست آدمی پیدا کر دے۔ نہ وہ ظلم کر سکتی
ہے۔ کہ تندرست آدمی کا عمدہ بیرج پڑنے سے خراب یا اپاہج آدمی
پیدا کر دے۔ وہ ہر حال میں اپنے اصول کی پابند ہے۔ اپنے قوانین

کی خلاف ورزیوں کی ہر جگہ سزا دیتی اور قوانین کے اتباع کی جزا دیتی ہے
غرض قدرت کو جیسا مادہ ملتا ہے ویسا انسان پیدا کر دیتی ہے۔ ناقص بیج بونا
ہرگز قدرت کا قصور نہیں۔ یہ انسان کا اپنا قصور ہے۔ اور اس قصور کا نتیجہ
انسان بھگتتا اور اولاد کو بھگتاتا ہے۔ جسطرح کہ اگر ایک انسان دوسرے
انسان کو جان سے مار ڈالا تو مقتول کا اس میں کوئی قصور نہیں بلکہ اس
کی سزا قاتل کو ہوگی۔ اسیطرح ماں باپ خراب بیج بونے سے اپنی اولاد کو رنگی
بناتے۔ اور ہلاک کرتے ہیں۔ جس کی سزا وہ دنیا میں اُٹھاتے اور عقبےٰ میں
اُٹھائیں گے اور اپنی اولاد کے حق میں بُرا بیج بوتے ہیں۔ ورنہ اگر والدین
چاہیں۔ تو رشی منی یوگی لڑکے لڑکیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ دیکھو آریہ مسافر
میگزین نومبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۷) کیا فرمایا ہے اللہ تعالےٰ نے:۔
نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم و قدموا لانفسکم
واتقوا اللہ واعلموا انکم ملقوہ و بشر المومنین۔ تمہاری عورتیں
تمہاری کھیتی (محل تولید نسل انسان) ہیں۔ پس تم اپنی کھیتی میں آؤ۔
جب طبعی طور پر تمہارا جی چاہے اور اپنے لئے نیک اولاد آگے بھیجو
اور جان لو کہ تم نے اللہ سے ضرور ملنا ہے وہ تمہاری بداعتدالیوں کی دونو
جہان میں سزا دیگا۔ اور مومنوں کو جو قوانین قدرت کی رعایت رکھتے
ہیں۔ بشارت دیدے کہ اونکو اولاد صالح عطا ہوگی جو دنیا و دین میں
اُن کے کام آئے۔
قولہ۔ عقیدہ تقدیر سے انصاف و اخلاق کا خون ہوتا ہے۔ از روئے
انصاف انسان کو وہی ملنا چاہئے۔ جو کہ وہ خود کماتا ہے۔ جس کو وہ
کماتا نہیں۔ اس کا وہ مستحق بھی نہیں ہو سکتا۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی الخ
جواب۔ اس عقیدہ تقدیر سے ہرگز انصاف کا خون نہیں ہوتا
دنیا کا انتظام خدا تعالےٰ کے اٹل قوانین مقررہ کے موافق چل رہا ہے
اگر تم برخوردار ہونا چاہتے ہو۔ تو ان قوانین قدرت اور سنن الہی
کا خیال رکھو۔ ورنہ ازیں سوراندہ وزاں سودرماندہ ہوجاؤ گے اور ابدی
ہلاکت میں جا پڑو گے۔
انسانی افراد کی اختلاف حالت کا موجب اُن کے مختلف اعمال

اسی جنم کے ہیں۔ ان سعیکم لشتی انسان سنن الٰہی کی پیروی سے اپنی حالت بہترین کرسکتا .ور خلاف ورزی سے بدترین بنا سکتا ہے۔ پس جب انسان کے اختلاف حالت کا موجب اسکے اپنے اعمال ہی ہیں۔ تو انصاف واخلاق کا خون ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اور یہ امر کہ انسان کو وہی ملنا چاہئے جو اُس نے کمایا۔ قرآن شریف میں یہی ارشاد ہے۔ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ انسان کیلئے اور کچھ نہیں مگر جو اس نے آپ کمایا اور یہ کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ ۔

قولہ۔ ویدک تثلیث کو قبول کرنے سے تمام سوالات حل ہو جاتے ہیں۔

جواب۔ ویدک تثلیث کے ماننے سے نہ خدا رہتا ہے نہ اُس کے صفات بھلا صاحب جب روح اور مادہ کو مع اُن کے صفات وخواص کے آپ سے آپ مان لیا تو پھر خدا کی کیا حاجت ہوئی۔ کیا صرف جوڑنے جاڑنے کے لئے۔ آیا جوڑنا جاڑنا بڑی بات ہے یا پیدا کرنا۔ روح دیہ کرتی۔ اگر پیدائش میں خدا کی محتاج نہیں تو ترکیب میں اور بھی بالکل بے نیاز ہیں اگر یہ سلسلہ کائنات ازلی ہے۔ کسی خاص وقت سے شروع نہیں ہوا۔ تو پھر اس کا خالق اور مقدر خدا کس طرح ہو سکتا ہے۔ ہر مخلوق ومرکب کے لئے خالق اور ترکیب دینے والا لازم ہے۔ جو دوجود میں مخلوق ومرکب سے سابق اور اول ہو۔ جب خالق اور مخلوق مرکب اور مرکب ازل سے ہیں تو وہ کونسا زمانہ آیا۔ جس وقت پہلے پہل خالق نے مخلوق کو رچا اور مرکب کیا۔ تمام قوانین مقدر کئے۔ اس تثلیث کے ماننے سے تو خدا ہی ہاتھ سے جاتا رہتا۔

اور آپ کا یہ لکھنا کہ کائنات کے اندر صنعت پائی جاتی ہے اور کوئی صنعت بغیر صانع کے نہیں ہو سکتی۔

کیا مادہ اور روح میں کوئی صنعت نہیں پائی جاتی۔ مادہ وارواح کے خواص وعجائبات تو شمار ہی میں نہیں آسکتے۔ تو کیا یہ بغیر کسی صانع اور خالق کے آپ سے آپ پیدا ہو گئے۔ اور اگر ایسی خواص صفات

عجائب والی چیزیں از خود پیدا شدہ مان لی جائیں تو باقی مصنوعات کو بغیر صانع
کے ماننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے؟

ہاں ویدک تثلیث عیسائیوں کی تثلیث سے البتہ ضرور مشابہ ہے۔ وہ
بھی باپ بیٹا اور روح کو تین اقانیم الٰہی خیال کرتے ہیں۔ آریہ لوگ بھی
باپ کی جگہ ایشر۔ بیٹے کی جگہ مادہ اور روح القدس کی جگہ روح کو قایم
قایم کرکے عیسائیوں کی تثلیث کی تائید کرتے ہیں۔ ورنہ کوئی حق پرست
خدا کو علت اولیٰ۔ موجد حقیقی۔ بدیع السموات والارض مان کر قدامت
مادہ و روح کا قایل نہیں ہو سکتا جس کے آریہ لوگ قائل ہیں +

قولہ۔ ایشور سے انکار کیجئے۔ جگت کا انتظام اور جیووں کو خود بخود پاپ
پُن ملنا محال ہوگا۔ جیو کو ان تینوں میں سے نکال دیجئے۔ دھرم ادھرم پاپ
پن کی ساری بیوستھا بگڑ جاتی ہے۔ مادہ کو نہ مانئے۔ ایشور اور جیو کے
غیر مادی ہونے سے مادی جگت کا بننا ناممکن ٹھیرتا ہے۔

جواب۔ جب جیو۔ مادہ مع اُن کے خواص وصفات وسلسلہ انتظامیہ
کے ازلی مان لئے۔ تو پھر ایشور کے ماننے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک دہریہ
کہہ سکتا ہے۔ کہ جیو کا خود بخود یہ ہی خاصہ ہے کہ جس قالب سے تعلق
پکڑ لیتا ہے۔ اپنے اعمال کے موافق اس میں جزا بھگتے کو اس کی فطرت
متقاضی ہے۔ خدا کے ماننے کی کیا ضرورت ہے دنیا کا انتظام یونہی چلا جاتا
ہے۔ کوئی جزا سزا اُخروی ہے ہی نہیں۔

پنڈت دیانند جی کا یہ جواب کہ پھر جیو اونے قوالب میں جانا
پسند نہ کریگا۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ دہریہ کہتے ہیں کہ جیو کا یہ بھی
خاصہ ہے کہ اس کی فطرت اپنے اعمال کے موافق سزا جزا بھگتنے کو
متقاضی ہے۔ پس جہاں تعلق پکڑیگا۔ کرموں کے موافق جزا سزا بھگت
لیگا۔ بھگتانے والے کی کوئی ضرورت نہیں۔

باقی رہا جیو اور مادہ کا وجود اس کی نسبت یہ گذارش ہے۔ کہ
جب تک علت اولیٰ کی پیدائش یہ سبب نہ ہوں ان پر اس کا
قبضہ جائز ہو ہی نہیں سکتا۔ نہ وہ اُن سے عبادت لینے کا
مستحق ٹھہر سکتا ہے۔ نہ ہی یہ ہی ضرور ہے کہ وہ اشیا رجو اپنی

پیدائش میں علت اول کی محتاج نہیں۔ اس کا پورا پورا کام دے سکیں اس کی صفات کاملہ کی مظہر ہو سکیں۔ نہ یہ ضرور ہے کہ سب ارواح ایک ہی قسم کے ہوں۔ کوئی بھی ایسی نہ نکلی جو متعلق بہ ابدان ہونے کی صفت سے خالی ہو۔ نہ یہ ضرور ہے کہ اپنے مادہ۔ ارواح میں سے ترجیح بلا مرجح کے طور پر ایک سب پر غالب ہو کر متسلط ہو جائے۔ کیوں بے انت ارواح ایک خدا پر غالب نہ آسکیں۔ جب کہ صفت قدامت اور غیر مخلوقیت میں یکساں ہیں۔ غرضکہ مادہ و ارواح کو غیر مخلوق ماننے سے اسقدر اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ جن کا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا۔

دعا اور اس کی حقیقت

دعا کے معنے ہیں پکارنا یعنی کسی ضرورت یا مشکل کے وقت اللہ تعالےٰ کو پکارنا اس ضرورت کو پورا کرے اور مشکل کو دفع کرے۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ادعونی استجب لکم۔ تم مجھے پکارو میں تمہاری سنوں گا۔ اللہ تعالےٰ دعا کو سنتا ہے۔ اور کوئی دعا اکارت نہیں جاتی اور کیوں جائے۔ عام کریموں اور جوادوں کا دروازہ جب کھٹکھٹایا جاوے تو کھل جاتا ہے۔ ومن دق باب الکریم الفتح تو اللہ تعالےٰ جو کریموں کا کریم اور جوادوں کا جواد ہے اسکا دروازہ کیوں نہ کھلے۔ غرضکہ انسان کی ہر ایک دعا ضرور ضرور سنی جاتی ہے اور ہرگز اکارت نہیں جاتی۔ بشرطیکہ دعا سچے دل اور تضرع و ابتہال اور شرائط مقررہ کے ساتھ ہو۔ جو استجابت دعا کے لئے ضروری ہیں۔

استجابت دعا کیلئے کامل ایمان۔ کامل یقین کامل امید کامل محبت کامل وفاداری خدا کے ساتھ گہرا تعلق۔ بڑے درجہ کا تضرع و زاری اور ابتہال معاش حلال ضروری ہے۔ جس قدر یہ باتیں

زیادہ ہونگی۔ اتنا ہی جلدی اور زیادہ دعائیں مستجاب ہونگی۔

اور دعا کی حقیقت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق مجاذبہ ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہوکر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے۔ اور نہایت درجہ کا بیدار ہوکر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ جب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اُس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے۔ جس سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اُس مطلب کے حاصل ہونے کیلئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اُس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے بپایہ ثبوت پہنچ چکی ہے۔ کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باذنہ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور عالم علوی میں تصرف کرتی ہے۔ اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو مؤید مطلوب ہے۔ کتب مقدسہ میں اسکی نظیریں بے انتہا ہیں۔ بلکہ اعجاز کے بعض اقسام کی حقیقت بھی دراصل استجابت دعا ہی ہے اور جس قدر ہزاروں خوارق عادات اور معجزات انبیاء علیہم السلام سے ظہور میں آئے۔ یا جو کچھ کہ اولیائے کرام ان دنوں تک عجائب کرامات دکھاتے رہے اس کا اصل اور منبع یہی دعا ہے اور اکثر دعاؤں ہی کے اثر سے طرح طرح کے خوارق قدرت قادر کا تماشہ دکھلا رہے ہیں۔ وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا

گذرا۔ کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے۔ آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے دس پندرہ سال ہی کے عرصہ میں مشرق سے مغرب پر کے متسلط ہو گئے اور دنیا میں ایک دفعہ عظیم الشان انقلاب واقعہ ہوا۔ کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کسی کان نے سُنا کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟

وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنھوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ باتیں دکھائیں

جو ایک اُمّی بے کس سے محال در محال تھیں۔ اللھم صل وسلم علیہ وآلہ واصحابہ بعدد ھمتہ وغمہ وحزنہ لھذہ الامۃ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد۔

پس یقیناً یاد رکھو کہ دعائیں وہ خارق عادت اثر ہے جو کسی سلطنت میں نہیں۔ کسی توپ وتفنگ میں نہیں۔ آب و آتش میں نہیں۔ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں۔ جیسی کہ دعا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

بترس آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

قطب ربانی غوث صمدانی شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں تاثیر دعا کے یہاں تک قائل ہیں۔ کہ سماوی وارضی تمام قسم کی پُر زور قوتوں سے اُس کو بدرجہا پرزور اور پُر اثر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

فلجعل انت جملتک واجزاءک اصاماً مع السائر اخلق ولا تطلع شیئاً من ذالک ولا تتبعہ حلمۃ سائر فتکون کبریتاً احمر فلا یکاد تری فمینذ تکون وارث کل نبی ورسول وبک تختم الولایۃ وتنکشف الکروب وبک تسقی

الغیوث و بلث تنبت الزروع و بك ندفع البلا یا
ھوا لمحزعن الخاص و العام و اھل الشغور و تقلبك
ید المقدس و تبدعوك لسان الازل و تنزل منا ذل
من سلف من اولی العلم و یرد علیك التکوین و
خرق عادات و تومن علی الاسرار و العلوم

ترجمہ - پس اگر تو خدا تعالے کا مقرب و مقبول بننا چاہتا ہے
تو اسبات پر یقین کرلے اور ایسا سمجھ لے کہ تیرے ہاتھ تیرے پاؤں
تیری زبان تیری آنکھ اور تیرا سارا وجود اور اس کے تمام اجزا
تیری راہ میں بت ہی ہیں - اور مخلوق میں سے دوسری تمام چیزیں بھی تیری
راہ میں بت ہی ہیں - تیرے بچے تیری بیوی اور ہر ایک مراد دنیا کی جو
تو چاہتا ہے اور دنیا کا مال اور دنیا کی عزت اور دنیا کا ننگ و ناموس
اور دنیا کی امید و بیم اور زید و بکر پر توکل یا عمرو خالد کی ایذا رسانی
کا خوف تیری راہ میں بت ہیں - سو تو ان بتوں میں سے کسی کی اطاعت
مت کر اور سارا اسکی پیروی میں غرق نہ ہوجا - یعنی صرف بقدر حقوق
شرعیہ و سنن صالحین اس کی رعایت رکھ - پس اگر تونے ایسا کر لیا -
تو تو گوگرد سُرخ (یعنے اکسیر) بن جائیگا - اور تیرا مقام نہایت رفیع ہوگا -
یہانتک کہ تو نظر نہیں آئیگا - اور خدا تعالےٰ تجھے اپنے نبیوں اور رسولوں
کا وارث بنائے گا - یعنے ان کے علوم و معارف اور برکات مخفیہ سے
تجھے حصہ عطا فرمائیگا - اور ولایت تجھ پر ختم ہوگی - پس تو خاتم الاولیا
بن جائیگا اور تیری دعاؤں اور تیری عقدہمت اور تیری برکت سے
لوگوں کے سخت غم دور کئے جائیں گے - اور قحط زدوں کے لئے بارشیں
ہونگی اور کھیتیاں اُگیں گی اور بلائیں اور سختیاں - ایک خاص و عام کی
تیری توجہ اور دعا سے دور ہونگی اور ید قدرت تیرے ساتھ ہوگا اور جسطرف
وہ پھرے - اسی طرف تو پھرے گا اور لسان الازل تجھے اپنی طرف بلائیگی
یعنی جو کچھ تیری زبان پر جاری ہوگا - وہ خداوند تعالےٰ کی طرف سے
ہوگا - اور اس میں برکت رکھی جائیگی اور تو ان راستبازوں کا قائمقام
کیا جائیگا - جنکو تجھ سے پہلے علم دیا گیا اور تکوین تیرے پر رد کی جائیگی -

یعنی تیری دعا اور تیری توجہ عالم میں تصرف کریگی۔ اور اگر پھر تو معدوم کو بوجود یا موجود کو معدوم کرنا چاہیگا تو وہی ہوجائیگا اور امور خارق عادت تجھ سے ظاہر ہونگے اور تجھ کو اسرار اور علوم لدنیہ و معارف عطا ہونگے۔ جن کیلئے تو امین اور مستحق سمجھا جائیگا۔

مذکورہ بالا ارشاد محبوب سبحانی سے ظاہر من الشمس ہے کہ ایک ولی متبتل و منقطع کی دعا کیا کیا کرسکتی ہے۔ عالم علوی و سفلی میں کسطرح تصرف کرسکتی ہے اور کیا کیا خارق عجیبہ دکھاتی ہے۔ پس سچ اور بالکل سچ ہے کہ دعا اپنی تاثیر میں دنیا کی تمام قوتوں سے بدرجہا بڑھکر ہے۔ کوئی قوت اس سے لگا نہیں کھاسکتی۔ مقبول اور مقرب کی دعا عالم کائنات میں آناً فاناً تصرف کرکے کچھ کا کچھ کر دکھاتی ہے۔ جسکو دنیا دیکھکر دنگ رہ جاتی ہے۔

دوا اور دعا کا تعلق

روحانی[1] اور جسمانی نظام ایک ہی اسلوب پر واقعہ ہے۔ جس طرح دعا اپنی شرائط کاملہ کے ساتھ استعمال کی جائے تو بیمار کو یقیناً فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح دعا جب اپنے شرائط نامہ کے ساتھ ہو تو نشانہ کی طرح جاکر اثر کرتی ہے اور ہرگز ہرگز خطا نہیں جاسکتی۔

بعض دُعائیں خطا کیوں جاتی ہیں؟

یا تو اس لئے خطا جاتی ہیں کہ پوری شرائط اپنے ساتھ نہیں رکھتیں جو دعا کے لئے ضروری ہیں۔ جس طرح وہ دوا بیماریں اثر نہیں کرتی۔ جو

[1] دوا بھی ایکطرح دعا ہی ہے اگر انسان ہر چیز کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھکر اور اسی پر توکل کرکے امراض و اسقام کے لئے استعمال کرے۔

دعا کے لئے ضروری ہیں۔ جس طرح وہ دوا بیمار میں اثر نہیں کرتی جو کال
مجوزہ کی شرائط مجوزہ کے مطابق بیمار کو نہ دی جائے۔

اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دعا میں گو سب شرائط جمع تو ہو جاتی
ہیں مگر جس چیز کو مانگا گیا ہے وہ عند اللہ سائل کے لئے خلاف مصلحت الہی
ہوتی ہے اور اس کے پورا کرنے میں سائل کی خیر نہیں ہوتی۔ اسکی
مثال ایسی ہے جس طرح کسی ماں کا پیارا بچہ بہت الحاح وزاری سے
یہ چاہے کہ اس کی ماں آگ کا ٹکڑا یا سانپ کا خوبصورت بچہ اسکے
ہاتھ میں پکڑا دے یا ایک زہر کی گولی جو بظاہر خوشنما معلوم ہوتی ہے
اُسے کھلا دے تو یہ سوال اس بچہ کا ہرگز ماں پورا نہ کرے گی۔ کیونکہ
اُس میں بچہ کی بہتری نہیں ہے اگر پورا کر دے تو بچہ ہلاک ہو جائے۔
یا اُسکا کوئی عضو بیکار خراب ہو جاوے۔ پس خدا تعالیٰ بھی کسی دعا
کو اگر پورا نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ سائل کے حق میں اسکا
پورا ہونا مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ہوتا ہے۔ پس حکمت الہی اس کے
پورا کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔

پھر کیا وہ دعا اکارت جاتی ہے؟

اگر دعا، شرائط مقررہ کے ساتھ کی جائے اور وہ تمام شرائط اپنے
ساتھ رکھتی ہو۔ لیکن سائل کے حق میں اسکا پورا ہونا خلاف مصلحت
ہو تو پوری نہیں کی جاتی۔

لیکن وہ دعا اکارت ہرگز نہیں جاتی بلکہ اسکی جگہ اور کوئی ضرورت
پوری کی جاتی یا مشکل رفع کی جاتی ہے۔ یا اُسے ثواب آخرت کیلئے
ذخیرہ رکھا جاتا ہے۔ آخرت میں بہت دعائیں جو دنیا میں پوری نہیں
ہوئیں۔ عظیم الشان عبادت کے پیرایہ میں ظاہر ہونگی۔ فلتہ
الحمد فی الدنیا والآخرۃ ٭

روح کی حقیقت

روح کیا شے ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ (اے نبی تجھ سے کفار لوگ روح کی ماہیت پوچھتے ہیں۔ تو کہہ روح میرے رب کا ایک امر ہے اور تم (کفار) لوگوں کو علم الٰہی سے بہت کم حصہ ملا ہے۔

اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت بیان فرما دی ہے اور ایسی کہ اس سے بڑھ کر نہ توریت و انجیل بیان کر سکتی ہے۔ نہ وید و ژند۔ نہ کوئی اور کتاب دنیا کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تجھ سے روح کی ماہیت پوچھتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے روح کی بابت دو باتیں بیان فرمائیں۔ اول تو یہ ہے کہ وہ عالم امر[1] سے ہے۔ یعنی اس عالم میں سے جو اندازہ مقدار اور مساحت سے بری ہے۔ یعنی ایک جوہر غیر منقسم جو نطفہ کی ایک خاص حالت (مستقاضی بروح) پر رب العالمین کی طرف سے [illegible] ہے اور خدا کی مخلوق و مربوب یعنی حادث بالذات خود تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے ظہور میں آئی ہے اور وجود و بقا میں اللہ تعالیٰ

---

[1] جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو سکے یعنی بسبب نہ ہونے مقدار کے مساحت اور اندازہ میں داخل نہ ہو سکے وہ عالم امر میں سے کہلاتی ہے۔

کی محتاج ہے ۔ جب بالذات خدا سے بے نیاز اور قدیم و ازلی نہیں۔ اور نہ ہی صحیح ترکیب بدنی کا ایک نتیجہ ہے ۔ بلکہ اپنا وجود مستقل رکھتی ہے ۔ جو عالم امر میں سے خدا کا مخلوق و مربوب ہے ۔ دوسرے یہ کہ وہ میرے رب کا ایک امر ہے یعنی رب ہی کے حکم سے نقش وجود پکڑ کر صفت ربوبیت کا ظل اور مظہر صفات ربوبیت بن گئی ہے۔

خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے ذکر کرنے سے اس جگہ یہ جتانا مقصود ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت سے باہر یعنی ازلی و ابدی نہیں۔ جیسا کہ آریہ اور بعض حکماء کا خیال ہے بلکہ وجود و بقا میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ اور رب اپنے کی طرف سے اس خاص بدن کے لئے ظل ربوبیت یعنی برا ئے روح حیوانی مدبر و مربی بدن اور حافظ ترکیب بدن مدرک بالذات و متصرف بالذات ہے۔

اور جس طرح رب العالمین عالم کبیر میں تصرف کرتا ہے۔ اسی طرح یہ ظل ربوبیت اس عالم صغیر یعنی اپنے بدن اور اشیاء عالم میں تصرف کرنے والی اور حقائق عالم سے آگاہی حاصل کرنے والی خدا تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ظل اور مربوب ہے۔

افاضہ روح سے کیا مراد ہے؟

جنین کی ایک خاص حالت (جو تقاضی روح) کے بعد نطفہ کے نور مخفی کا چمک کر جسم کو حس و حرکت کے قابل بنا دینا ۔ افاضہ روح کہلاتا ہے ۔

روح کہاں سے آتی ہے؟

روح ایک لطیف نور ہے جو باذنہ تعالیٰ اسی جسم کے اندر پیدا ہو جاتا ہے

جو رحم مادر میں پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہونے سے یہ مراد ہے۔ کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے۔ پھر فیاض مطلق اور نور الانوار کے چمکانے سے نطفہ کی بتی میں روشن ہو جاتا ہے۔

اس نور کا تخم اصل نطفہ میں مخفی طور پر موجود ہوتا ہے جو نطفہ کے تسویہ پر خدا تعالیٰ کے چمکانے سے چمک اٹھتا ہے اور بدن کو حس و حرکت کے قابل بنا دیتا ہے۔ بیشک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اس کے اذن اور مشیت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے۔ یہ تو نہیں۔ کہ وہ نطفہ کی ایسی جزو ہے۔ جیسا کہ جسم جسم کی جزو ہو۔ مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ کہیں باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے[1] بلکہ وہ ایسا نطفہ میں مخفی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے۔ خدا کی کتاب کا یہ منشا نہیں کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ یا ہوا سے زمین پر گرتی ہے۔ اور پھر کسی اتفاق سے نطفہ میں ملکر رحم کے اندر چلی جاتی ہے یا حاملہ عورت اس کو کھا لیتی ہے۔ بلکہ یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر ہم ایسا خیال کریں تو قانون قدرت ہمیں باطل پر ٹھہراتا ہے۔

---

[1] پنڈت دیانند صاحب کا اس کے برخلاف یہ اعتقاد ہے کہ روحیں مرنے کے بعد ہوا میں ٹھہری رہتی ہیں۔ اور وایو منڈل کے ذریعہ سے روح دوسرے قالب میں جاتی ہے اور وایو اس حکم الٰہی کا ایک طرح کا برقنداز ہے۔ ثبوت تناسخ (۱۸۱) اور ارواح دوسرے قالب میں اس طرح سے جاتے ہیں کہ پچھلے جنم کے کئے ہوئے پاپ اور پن کے مطابق سزا یا جزا پانیوالا جیو پچھلے جسم کو چھوڑ ہوا۔ پانی نباتات وغیرہ وغیرہ اشیاء میں داخل ہو کر اپنے پاپ اور پن کے مطابق کسی جون میں پڑتا ہے (دیکھو سکا صفحہ ۱۲۱) اور ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ ارواح سبزی اور خوراک کے ذریعہ سے عورت کے رحم میں حلول ہوتی ہے . . . .
الحذر الحذر یہ عجیب طرح کی فلاسفی ہے روح کیا ہوئی ایک مادی شے ہوئی جو پانی نباتات اور خوراک وغیرہ میں ملکر پیٹ کے اندر پہنچتی ہے مگر پنڈت صاحب یہ سمجھا سکینگے کہ ان میں کے اندر روحیں کہاں سے پہنچ جاتی بعض اشیاء کے اندر جو کیڑے پڑ جاتے ہیں وہاں کس ذریعہ سے روحیں چلی جاتی ہیں۔

ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ گندے اور باسی کھانوں میں اور گندے زخموں میں ہزارہا کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ میلے کپڑے میں مثلاً جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ انسان کے پیٹ کے اندر بھی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ آپ کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ باہر سے آتے ہیں۔ یا مادی اشیا کی اُن کی روحیں کھائی جاتی ہیں یا انڈوں کے اندر مرغیاں چونچ سے روح داخل کر دیتی ہیں یا آسمان سے روحیں نازل ہو کر اُن میں داخل ہو جاتی ہیں۔ سو صحیح بات یہی ہے۔ کہ روح جسم میں سے ہی چمک اُٹھتی ہے بے شک وہ جوہر ہے۔ عرض نہیں۔ اصل ہے نتیجہ نہیں۔ لیکن اوپر سے نہیں گرتی۔ نہ کھائی جاتی ہے۔ بلکہ وہ یک مستقل نور لطیف ہے جو نطفہ ہی میں پوشیدہ ہو کر منتقل ہوتا ہے۔ اور جسم کی نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔ خدا تعالے کا پاک کلام نہیں سمجھاتا ہے۔ کہ روح اس قالب میں سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔ جو نطفہ سے رحم میں تیار ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ثم انشانٰہ خلقاً اخر فتبارک اللہ احسن الخالقین یعنے پھر ہم اس جسم کو جو رحم میں تیار ہوا تھا ایک اور پیدائش کے رنگ میں لاتے ہیں۔ اور ایک اور خلقت اس کی ظاہر کرتے ہیں جو روح کے نام سے موسوم ہے۔ اور خدا بہت برکتوں والا ہے اور ایسا خالق ہے جو کوئی اس کے برابر نہیں۔

روح کا افاضہ کب ہوتا ہے؟

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین پھر جب میں نطفہ کا تسویہ کر لیتا ہوں (اصل نطفہ کی نشوونما ہو کر ایک آدمی کا جسم قالب ہو رحم میں تیار ہو جاتا ہے یعنی کان۔ آنکھ۔ ناک ل وغیرہ ہر ایک چیز کا نقش اپنی اپنی جگہ پر بنتا ہے۔ یہی ڈاکٹروں کا قول ہے اور ایسا ہی حدیث میں آیا ہے ان احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوماً۔ انسانی شکل اور اسکے تمام اعضا کا کھلا کھلا نقشہ نہیں ہوتا تک نمو ہو جاتا

طوروں میں پہونکہ صفائی اور اعتدال کے خاص درجہ میں پہنچا دیتا ہوں
جس سے نطفہ روح کے فیضان کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں روح
پھونک دیتا ہوں تو وہ قدرت کا ایک ایسا نمونہ عجیب ہو جاتا ہے
جسے دیکھکر ملایکہ ربانی تک خدا کے آگے سربسجود ہو جاتے ہیں۔

تسویہ کیا ہے؟

محل جو افاضہ روح کے قابل ہو۔ اس میں وہ اعتدال اور صفائی
پیدا ہونے کا نام جس سے خدا تعالے کے قانون قدرت کے موافق
محل افاضہ روح کے قابل ہوتا ہے۔ تسویہ کہتے ہیں۔

تسویہ کس طرح ہوتا ہے:

اللہ تعالے منی کو ایک کے پیچھے ایک۔ کئی مراتب میں مدت ہے۔
چھانتا ہے۔ کہ وہ لطیف روئیدگی بنتی ہے۔ پھر انسان وہ روئیدگی
کھاتا ہے۔ جس کے خلاصہ سے انسان کا تمام بدن اور خون بنتا
ہے۔ پھر قوت متغیرہ مرکبہ کو جو انسان میں رکھی گئی ہے۔ اس خون
میں سے خالص خون کو جو اعتدال سے بہت قریب ہوتا ہے۔
چھانٹ لیتا ہے۔ تب وہ خالص خون یعنی (نطفہ) بن جاتا ہے۔
اس کو عورت کا رحم قبول کرتا ہے۔ اس میں جب منی عورت
کی ملتی ہے۔ تو اعتدال زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ پھر عورت کا
رحم یعنی بچہ دان اسکو اپنی حرارت سے پکاتا ہے۔ تب اسمیں
مناسبت زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہانتک کہ صفائی اور اعتدال
میں باہمی نسبت اجزا کی نہایت کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر وہ روح
کے قبول کرنے اور تھامنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ جیساکہ روغن

پلی ہوئی تھی شعلہ کے قبول کرنے اور اس کے تقاضے کی مستعدی ہوتی ہے اور نطفہ اعتدال اور صفائی کے پورا ہونے کے وقت روح کے تقاضے اور اس کے تدبیر اور تصرف کا مستعد ہوتا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ جواد مطلق کی طرف سے فیضان روح کا ہوتا ہے کہ وہ ہر مستحق کو بقدر استحقاق اور ہر مستعد کو بقدر لیاقت بغیر انتظار اور بخل کے فیض بخشنے والا ہے۔ پس تسویہ سے یہی اقوال مراد ہیں کہ اصل نطفہ کو کئی طوروں میں بدل کر صفائی اور اعتدال کی خاص صفت میں پہنچاتے ہیں۔ جس سے نطفہ فیضان روح کے قابل ہو جاتا ہے۔

اگر روح تسویہ جسم جنین کے بعد بطن مادر کے اندر ہی پیدا ہوتی ہے تو عہد میثاق کی کیا حقیقت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام ارواح سے اقرار ربوبیت لیا

عہد میثاق کی آیات قرآن شریف میں اس موقع پر آئی ہیں جہاں

۱؎ علم طب کے رو سے غذا سے صاف ہونے کے بعد جب ۲۴ ساعتیں گذر جاتی ہیں تو منی پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالےٰ کفار کو تقلیدِ آبائی اور کفر اور شرک سے منع کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہر ایک شخص کی فطرت میں خدا کی ربوبیت اور الوہیت کا اقرار مودع ہے اور اپنے فطرت کے رو سے ہر ایک شخص مکلف اور جواب دہ ہے۔ کسی کو کسی شخص کی کفر و شرک میں تقلید نہیں کرنی چاہیئے۔ نہ دوسرے کی تقلید کی وجہ سے کوئی شخص جواب دہی سے چھوٹ سکتا ہے۔ نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں رسم آبائی کی وجہ سے شرک و کفر میں گرفتار رہا۔ اس لئے معذور ہوں۔ بلکہ ہر ایک شخص اپنی طرف سے خدا تعالےٰ کے حضور میں جوابدہ ہے اور ہر ایک انسان کی فطرت میں ربوبیت الٰہی کا نقش مرتسم ہے۔ ہر ایک شخص کی فطرت میں اپنے سے بالاتر طاقت کا اقرار مودع ہے۔ وہ بالاتر طاقت ایک ہی طاقت عظمیٰ ہے۔ جس نے ساری دنیا کو بنایا۔ سارا کارخانہ قدرت پھیلایا۔ ذرہ ذرہ اسکی ربوبیت کا مقر۔ بال بال اس کی نعمت کا ممنونِ احسان ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم واشهدهم علی انفسهم۔ الست بربكم قالوا بلی۔ شهدنا ان تقولوا یوم القیامة انا كنا عن هذا غافلین او تقولوا انما اشرك اباؤنا من قبل وكنا ذریة من بعدهم افتهلكنا بما فعل المبطلون وكذلك نفصل الایات ولعلهم یرجعون ۝

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو لیا اور اون کو اون کی جانوں پر گواہ بنایا۔ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ وہ بولے کیوں نہیں ہم شاہد اور اقراری ہیں۔

یہ ایک الہامی طرز بیان ہے۔ خاص و عام کے سمجھانے کے لئے ارواح انسانیہ کی فطرت میں جو اس نے اقرار ربوبیت کا خاصہ ودیعت رکھا ہے۔ اس کو سوال کے پیرایہ میں بیان فرمایا۔

ان تقولوا - ایسا ہم نے اس لئے کیا یعنی اقرار ربوبیت کا خاصہ جو ہر روح انسان کی فطرت میں مودع ہے - اس کی حقیقت تم کو اس لئے یاد دلائی گئی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن کہو نہ (خیال کرو) کہ ہم اس خاصیت فطرت سے آگاہ نہ تھے -

او تقولوا انما اشرک اباءنا یا کہو کہ اس سے پیشتر ہمارے باپ دادا نے شرک کیا اور ہم ان کے بعد ان کی اولاد تھے (تقلید رسمی کے طور پر یہ شرک ہم میں آگھسا اور موروثی طور پر ہم اسے مانتے چلے آئے) کیا تم پھر بھی اہل باطل کے افعال پر (اُن کے بنا ڈالے ہوئے عقائد پر جو ہم کو موروثی طور پر ملے) کر آپ نکالے ہلاک کرتا ہے -

وکذٰلک نفصل الآیات الخ - اور اسی طرح ہم حقائق فطرت کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں - تاکہ لوگوں کو روح کا فطری خاصہ معلوم ہو جائے اور جان لیں کہ اپنے رب کے پہچاننے کے لئے اپنی عقل کافی - فطرت گواہ ہے - پھر تقلید جاہلانہ پر اڑا رہنا یا خدا کو چھوڑ کر بتوں وغیرہ کو معبود سمجھنا سخت درجہ کی حماقت اور ضلالت و سفاہت ہے -

ولعلہم یرجعون - اور تاکہ وہ تقلید آبائی سے مونہہ موڑ کر حقیقی رب مربی اور محسن کی طرف متوجہ ہوں -

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے روح کا فطری خاصہ (اقرار ربوبیت الٰہی) اور وہ تعلق جو ارواح انسانی کو خدا کے ساتھ ہے - ایسی خوبصورتی کے ساتھ عمدہ پیرایہ میں بیان فرمایا ہے کہ جس سے بڑھ کر کسی حکیم اور فلاسفر کی طاقت نہیں کہ بیان کر سکے - اس میں اللہ تعالےٰ نے روح کا حادث ہونا بھی بیان فرمایا ہے اور روح کو جو تعلق اپنے رب کے ساتھ ہے - اس کا بھی ذکر فرمایا - روح پر خدا کی سچی حکومت کی وجہ بھی بیان فرما دی - ایک طرح سے روح کی حقیقت بھی بیان فرما دی ہے اور روح کی فطرت میں اپنی ربوبیت کا اقرار جو ودیعت رکھا ہے اور جو اللہ تعالےٰ کے خالق و رب ارواح ہونے پر بدیہی شہادت ہے اس کا بھی ذکر فرما دیا -

واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم۔ تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں
سے اُنکی اولاد کو لیا۔ یہ بات ظاہر کردی کہ آدم کی روح علیحدہ ہے۔ اس کی
اولاد کی علیحدہ۔ اولاد کی ارواح جُدا۔ یہ نہیں کہ تناسخ کے طور پر
آدم۔ بنی آدم۔ اولاد در اولاد آدم کی روحیں ایک ہی ہوں۔ جو آواگون کے
طور پر دوسرے قالب میں پڑتی چلی جائیں۔ بلکہ سب کی روحیں جداگانہ
ہیں۔ جو خدا تعالے کی مخلوق اور اُسکی ربوبیت کا آثار ہیں۔ اذ اخذ
ربک تیرے رب نے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح خدا تعالے
کی ربوبیت کے احاطہ کے نیچے ہیں اور ارواح کا وجود و بقا اور قیام
اللہ کی ربوبیت اور اسی کے سہارے سے ہے۔ اور ارواح انسانی
اللہ تعالے کی صفت ربوبیت کا ظہور ہیں۔ جو اس کے ارادہ اور
حکم اور قدرت سے نقش ظہور پکڑ گئی ہیں۔ اور خدا کی صفت ربوبیت
کا مظہر ہو کر خدا تعالی کی طرح عالم صغیر میں متصرف و مدبر ہیں۔ مدرک جزئیات
وکلیات و معقولات اور متصرف بالآلات۔ خدا کی صفت ربوبیت کے
مظہر اور اسی کے رنگ سے رنگین ہیں۔ جبھی تو بلا ساختہ پکار اٹھیں
اور پکار رہی ہیں کہ قالوا بلی۔ کیوں نہیں تو ضرور ضرور ہمارا رب ہے
اور جبھی خدا تعالے کا سچا تصرف اور قبضہ اور تسلط ان پر قائم ہوا
اور اس کی حکومت ان پر جائز ہوگی۔ اور ان سے ربوبیت کے
اقرار پر قائم رہنے کا خواستگار اور دعویدار ہوا۔ اگر وہ اس کی
مربوب و مخلوق نہ ہوتیں۔ تو اسے ان پر قبضہ جمانے تسلط بٹھانے
رب کہلانے کا کوئی استحقاق نہ تھا۔ نہ روحوں کے لئے ضروری تھا
کہ وہ خدا کی ایسی فرمانبردار ہوتیں۔ اس کی حکومت کو ہمیشہ کے لئے بلا کرہ

سلہ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک حدیث میں اس طرح پر وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالی
نے عرفات کے مقام میں آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا اور چیونٹیوں کی طرح
ان کو پھیلا دیا۔ اور پھر ان سے سامنے ہو کر کلام کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں
ہوں۔ وہ بولے کیوں نہیں۔ اس پر اللہ تعالے نے فرمایا کہ میں تمہارے اس
اقرار پر سبع سموات اور سبع ارضین۔ اور تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں۔ [illegible]

اپنے اوپر منطبق کرتیں۔ اس کی صفات کا کامل مظہر بنتیں۔ یہ سب باتیں اثبات کی بدیہی

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۹۸)
اور خوب سمجھ لو کہ میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ پس میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میں اس اقرار کے یاد دلانے پر تمہارے پاس انبیاء کو بھیجوں گا۔ اور کتابوں کو اتاروں گا۔

لیکن یہ حدیث بھی نبوت کا ایک طرز بیان ہے۔ جس میں فطرت انسانی میں اقرار ربوبیت کے مودع ہونے کو اس حسی اور تمثیلی پیرایہ میں ظاہر فرمایا گیا ہے۔ جس طرح پر اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں اور کئی جگہ تمثیلی پیرایہ میں بعض معارف کو بیان فرمایا ہے۔ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منہا وحملہا الانسان۔ انہ کان ظلوماً جہولا۔ ہم نے امانت کو یعنی اس ذمہ داری کو جو انسان پر عائد ہے۔ آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا اور ان پر لادنا چاہا۔ تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھا لیا۔ یقیناً وہ بڑا ہی ظلوم جہول ہے۔ اب دیکھئے اللہ تعالےٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر فرمایا ہے کہ وہ ڈیوٹی جو انسان کے متعلق ہے۔ پہاڑ زمین آسمانوں میں سے کسی فطرات میں اس کے اٹھانے کی قابلیت نہیں تھی۔ صرف انسان ہی میں تھی۔ مگر اس کو یاسانی سمجھانے کے لئے ایک تمثیلی پیرایہ میں ادا فرمایا ہے کہ جو فرائض و خدمات انسان سے متعلق ہیں۔ وہ زمین آسمان اور پہاڑ وغیرہ ہر چیز کے سامنے پیش کئے گئے۔ مگر کوئی اس بار امانت کو اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ صرف انسان ہی میں اس بوجھ کے اٹھانے کی قابلیت تھی۔ اور وہی فطرتاً اس بار امانت کو اٹھانے کے قابل بنایا گیا۔

اسی طرح اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے حضرت آدم اور انہی کی اولاد کی فطرت میں اقرار ربوبیت کے مودع ہونے کو ایک قصہ اور تمثیلی پیرایہ میں ادا فرمایا ہے اور یہ ارشاد کیا ہے کہ مقام عرفات میں نعمانات کو اس لئے خاص کیا کہ یہ لفظ معرفت سے مشتق ہے۔ ربوبیت کی معرفت

ا[illegible]

شہادت ہیں۔ کہ روح خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی کی قدرت کا نشان ربوبیت کا ظہور شان ہے اور اللہ تعالے کو استحقاق ہے کہ ہر ایک روح سے اپنی ربوبیت کا اقرار علانیہ کرائے۔ اس سے اطاعت کی نیک وبد کاموں پر جزا اور سزا دے +

نفخ روح سے کیا مراد ہے

نفخ سے روح کے نور مخفی کا نطفے کی بتی میں روشن ہونا مراد ہے۔ جس سے اس میں حس وحرکت وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے نفخ روح ہونیکی

...کے لئے یہی مقام موزون تھا۔ اللہ تعالےٰ نے پشت آدم سے تمام اولاد نکالی ...یہ بھی پیرایہ ہے۔ گویا جسقدر اولاد آدم ؑ تا قیامت نیک وبد پیدا ہونے والی تھی۔ سب کی فطرت میں یہ اقرار مودع ہے) اور سب سے اقرار ربوبیت لیا۔ سبع سموات اور ارضین کی شہادت یہ ہے کہ ہر شئے آسمان وزمین کی خدا کی خالقیت اور ربوبیت پر بدیہی دلیل ہے کہ ضرور کوئی ایسی عظیم الشان قیوم ذات ہے۔ جس کی طفیل ان کے سب اشیاء کا وجود وبقا ہے۔

اور حضرت آدم ؑ کی شہادت یہ کہ جسطرح حضرت آدم ؑ خدا پرست تھے سب کو اسی طرح خدا پرست ہونا چاہیئے اور اپنے بزرگ باپ کی تقلید کرنی چاہیئے۔ اور جس طرح انکی فطرت میں اقرار ربوبیت مودع تھا اسی طرح ہر ایک انسان کی فطرت میں اس کا نقش موجود ہے جس کے یاد دلانے کیلئے متواتر انبیاء و مجددین تشریف لائے۔

کیا معنی ہیں

نفخ کے لئے ایک صورت ہے اور ایک نتیجہ۔ صورت تو یہ ہے کہ پھونکنے والے کے اندر سے اس چیز کی جس کو پھونک رہا ہے۔ ہوا کا نکلنا مثلاً جو لکڑی آگ کے قابل ہے جل اُٹھے۔ نفخ جل اٹھنے کا سبب ہے اور نفخ یعنی پھونکنے کی صورت جو سبب ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میں محال ہے۔ اور سبب یعنی نتیجہ محال نہیں۔ اور کسی سبب سے مجازاً وہ فعل مراد ہے۔ جو سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ فعل جس کو دوسرے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس کی صورت پر نہ ہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ غضب اللّٰہ علیہم اور فانتقمنا منھم صورت غضب کی غصے والے ہیں۔ ایک قسم کا تغیر ہے۔ جس سے ایذا حاصل ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ مغضوب علیہ کو یعنی اس چیز کو جس پر غصہ کیا گیا ہے۔ ایذا دینا یا ہلاک کرتا ہے۔ غضب سے نتیجہ غضب مراد ہے۔ اور انتقام سے نتیجہ انتقام ایسا ہی یہاں نفخ سے نتیجہ نفخ مراد ہے اگرچہ نفخ یعنی پھونکنے کی صورت میں نہ ہو۔

نطفہ کی بتی میں روح کا نور کب روشن ہوتا ہے؟

خدا تعالیٰ جو مبدء فیض ہے۔ جب کوئی شے اپنی حالت فیض لینے کے قابل بنائے اور خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے مطابق اس سے استفادہ

کی قابل ہو جائے اور اللہ تعالےٰ بلا بخل و انکار کے اس پر اپنا فیضان کر دیتا ہے۔ اس افاضہ میں ایک تو فاعل میں صفت ہے اور ایک قابل میں۔ پس جو فاعل میں صفت ہے۔ اس سے خدا تعالےٰ کا فیضان مراد ہے جو منبع فیض وجود ہے۔ اس سے ہر قابل پر بلا بخل و انکار کے فیضان ہوتا ہے۔ اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ سورج کی روشنی حجاب کے دور ہونے کے وقت ان چیزوں پر جو روشنی کے قابل ہیں پڑتی ہے۔ پس جو چیزیں روشنی کے قابل ہیں وہ رنگدار چیزیں ہیں۔ ہوا نہیں ہے۔ کہ جسکا کوئی رنگ نہیں ہے۔

قابل صفت سے استوا اور اعتدال مراد ہے جو صفائی سے حاصل ہوتا ہے جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا فاذا سویتہ قابل کی صفت کی مثال لوہے کے صیقل جیسی ہے کہ جب آہن کو زنگار ڈھانپ لیتا ہے۔ تو صورت کو قبول نہیں کرتا۔ اگرچہ صورت اس کے متقابل ہی ہو۔ لیکن جب کہ صیقل گر نے اسکو صیقل کر دیا۔ تو جیسی اس میں صفائی ہوتی ہے ویسی صورت دکھائی دیتی ہے۔ ایسا ہی جب نطفہ میں ایک خاص درجہ تک استوا اور اعتدال حاصل ہوتا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کے قانون قدرت کے مطابق افاضہ روح کے قابل ہوتا ہے۔ تو خالق کی طرف سے اس میں روح پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خالق میں کچھ تغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ روح اب پیدا ہوئی نہ کہ آگے۔ کیونکہ محل کو اب اعتدال حاصل ہوا۔ آگے نہیں تھا۔ جیسا کہ آئینہ مقابل میں صورت والے کا عکس وہاں پڑتا ہے۔ اور صورت والے میں کچھ تغیر نہیں ہوتا۔ اور صیقل کرنے سے پہلے جو یہ عکس نہ تھا تو اس کا یہ سبب نہیں۔ کہ صورت کو آئینہ میں نقش ہونے کی استعداد نہیں تھی۔ بلکہ آئینہ ہی صاف نہ تھا۔ جو عکس قبول کرتا۔۔۔

اختلاف ارواح کا کیا سبب ہے؟

ارواح میں کچھ اختلاف نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا فیضان ہر بدن پر یکساں ہے
اور گو خدا بلا بخل و انکار کے سب پر یکساں فیضان کرنے والا ہے
لیکن یہ اختلاف جو افراد بشر میں ہے تو اسکی وجہ اختلاف ابدان
ہے۔ جس میں انسان کی نطفہ کی کمیت و کیفیت اختلاف غذا وغیرہ
اور دیگر تدابیر اور عوارض کو بہت کچھ دخل ہے۔ ضعیف اور ناقص
ابدان میں روح کا اثر پھیکا پڑ جاتا ہے۔ اور قوی اور کامل ابدان
میں روح کا افاضہ کامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ افراد انسانی کے اختلاف
اور صورت و شکل کے متفاوت ہونے کی ہے نہ کہ تناسخ۔

اسبات کو خوب یاد رکھو کہ اللہ رب العالمین کا فیض عام ہے
اور وہ تمام عالم پر یکساں محیط ہے۔ یہ امر نہیں ہے کہ اس کا جلوہ
کہیں پڑتا ہے اور کہیں نہیں پڑتا۔ بلکہ اس کا جلوہ یکساں ہے
لیکن جو اجسام اس کی قابلیت زیادہ رکھتے ہیں ان پر زیادہ اثر
پڑتا ہے۔ اور جو کم قابلیت رکھتے ہیں۔ اُنپر کم۔ اور جو بالکل نہیں رکھتے
ان پر مطلق اثر نہیں ہوتا۔

آفتاب کیسا عظیم الشان جسم روشن ہے۔ مگر تاریک اور مکدر اجسام
پر وہ معمولی چمکیں ڈالتا ہے۔ جو لوگ اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیں
وہاں چمکیں ڈالتا ہی نہیں اور صرف انعکاسی طور پر قلیل۔ مگر جن
اجسام کی سطح صاف اور چمکیلی اور شفاف ہے۔ وہ کیسے روشن معلوم
ہوتے ہیں۔ آئینہ اور پانی کیسا صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ چونکہ
ان میں کدورت مطلق نہیں۔ ان کا یہ حال ہوتا ہے۔ کہ خود آفتاب ہی
ان میں نظر آنے لگتا ہے۔

کہاں آفتاب کا جسم اتنا بڑا کہ جس کے برابر ہم کسی جسم کو تشبیہ نہیں
دے سکتے اور کہاں ایک ذرا سے ظرف کا پانی یا ایک چھوٹا سا آئینہ
جس میں آفتاب سما جاوے اور ہم کو نظر آنے لگے۔ اس سے صاف
ظاہر ہے کہ چھوٹے بڑے اور ادنےٰ اعلیٰ پر نہیں وہ تصفیہ اور جلا
اور صفائی کا خواہاں ہے۔ جہاں یہ صفائی ہو گی۔ اسمیں وہ اپنا
عکس ڈالے گا۔

قلعی اسی برتن پر اچھی ہوتی ہے۔ جس میں کلوسنل نہیں رہتی اور جس میں میل ٹھیرا ہوتا ہے۔ کیسی ہی قلعی کرو کبھی وہ برتن اجلا نہیں ہوتا۔ یہ قصور قلعی کا نہیں ہے۔ در اصل قصور اسی برتن کا ہے اسیطرح تمام ارواح آسمانی خدا کی طرف سے یکساں افاضہ کی جاتی ہیں لیکن اختلاف ابدان کی وجہ سے جس میں بہت کچھ انسانی فعل کا بھی دخل ہے۔ انسان مختلف الصور و القوے پیدا ہوتے ہیں۔ تناسخ وغیرہ کی وجہ سے ہرگز ایسا نہیں ہوتا۔

فیضان الٰہی سے کیا مراد ہے؟

فیض سے ایسا فیض مراد نہیں۔ جیسا کہ فیضان پانی کا برتن سے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ اور پانی کے اجزا برتن سے الگ ہو کر ہاتھ کے منتقل ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ فیضان نور آفتاب کے ساتھ مشابہ ہو سکتا ہے۔ جو دیوار پر پڑتا ہے۔ ان لوگوں نے غلطی کھائی ہے جو کہتے ہیں۔ کہ سورج سے شعاع الگ ہو کر دیوار پر پڑ کر پھیل جاتی ہے۔ یہ ان کی بھول ہے۔ بلکہ سورج کے نور سے دیوار پر ایسی شئے پیدا ہوتی ہے کہ وہ نور کے ساتھ نورانیت میں مشابہ ہوتی ہے۔ اگرچہ اس سے ضعیف ہی ہو۔ جیسا کہ صورت والے کا عکس جو آئینہ پر پڑتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ صورت والے کے اجزا اس سے علیحدہ ہو کر آئینہ کے ساتھ منتقل ہوں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ صورت والے کی صورت سے ایک ایسی صورت جو اس کے مشابہ ہوتی ہے آئینہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اصل صورت میں نہ تو اتصال ہوتا ہے نہ انفصال . . . .

جو چیزیں وجود کے قابل ہیں۔ بخشش الٰہی ان میں انوار وجود کے پیدا ہونے کا سبب ہے۔ جس کو فیض کہتے ہیں۔

سو نفخت فیہ من روحی میں اللہ تعالےٰ نے روح کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا حالانکہ ہر شئے کا وجود اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ کیا روح خدا تعالےٰ کی جزو ہے

میں نے اپنی روح اس میں پھونکی۔ اس روح پھونکنے سے یہ نہ سمجھنا چاہئے۔ کہ معاذ اللہ روح خدا تعالےٰ کی جزو ہے۔ اور اس نے کوئی چیز اپنے وجود سے جدا کرکے روح بنائی۔ جیسا کہ یہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے روح کو مظہر صفات کاملہ الٰہی اور اس کا ظل ہونے کی وجہ سے اس کی پیدائش کو اپنی طرف منسوب کیا۔ اور نفخت من روحی کے یہ معنی ہیں۔ کہ روح کا فیضان انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور روح اس کی قدرت کاملہ کا پرتو اور حکمت بالغہ کا اثر اور نور الانوار کا ظل ہے۔

اگر آفتاب کہے کہ افضت علی الارض من نوری۔ میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو اس کے یہ معنے نہیں کہ آفتاب نے اپنے وجود کا کوئی ٹکڑا زمین کو دیدیا۔ بلکہ اس کے یہی معنے ہونگے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہے۔ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور سے مستفاض ہے۔ اور اس کے نور سے جنس میں سے ہے اگرچہ یہ نسبت اس کے نہایت ضعیف ہے۔ اسی طرح روح کو وجود حاصل ہے۔ اگرچہ اس کا سمجھنا مشکل ہے مگر کسی نہ کسی طرح سے اس کا نور الانوار کا ظل۔ قدرت کاملہ کا اثر ہے اور حکمت بالغہ کا پرتو ہے

روح چونکہ ظلی طور پر صفات الٰہی کا مظہر ہے۔ اور تمام اشیاء کے علم اور اطلاع کی اس کو قوت حاصل ہے۔ اور یہ مناسبات شئے جسمانی میں نہیں ہوتے۔ اسی مناسبات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف نسبت کیا۔ اور من روحی فرمایا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ موجود حیّ۔ عالم۔ سمیع۔ بصیر۔ قادر۔ مرید اور متکلم۔ اور فاعل افعال ہے اسی طرح روح۔ کیا اس سے شرکت باری لازم نہیں آتی

اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ روح کی شرکت لازم نہیں آتی۔ اس لئے کہ روح کی جو صفات ہیں۔ وہ مستقل اور بالذات نہیں ہیں نہ سوح قیوم یعنی اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ اس کا وجود عطائی غیر ہے۔ اور اس کے تمام صفات عطا الٰہی اور اس کا ظل ہیں۔ مستقل اور ذاتی نہیں۔ تا کہ شرکت لازم آئے۔ خدا تعالیٰ کے ماسوائے اگر ایک شئے کا وجود بھی مستقل نکل آئے تو وہ وجود اور صفات میں شریک باری ہوگی۔ جس طرح آریہ لوگ ارواح کو قدیم مستقل بالذات اپنے ذاتی گن اور سبھاؤ کے ساتھ موجود اور قدیم مان کر کروڑ در کروڑ ارواح کو اپنی ذات و صفات میں خدا سے بے نیاز اور شریک باری قرار دے رہے ہیں۔ قرآن شریف کے رو سے روح قیوم اور موجود ذاتی نہیں۔ بلکہ وہ ایک امر

ربی ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ کا حکم اور اس کے حکم سے قایم۔ اسکی ربوبیت کا مظہر اور ظل۔ جیتا صاحب۔ ادراک مدبر۔ بدن فاعل فعالی۔ متصرف باالآلات۔ حی۔ عالم۔ سمیع۔ بصیر۔ قادر۔ مؤید متکلم۔ مگر یہ صفات اُس کی ذاتی ہیں۔ بلکہ عارتیاً غیر کی جہت سے ہیں۔ ماسوائے اللہ ہر شے کے لئے بذات خود عدم ہے۔ وجود ان کے لئے عارتیاً غیر کی جہت سے۔ اللہ تعالےٰ کے لئے وجود صرف ذاتی ہے۔ عارتیاً نہیں۔ اور صفت قیومیت اللہ تعالےٰ کے سوائے غیر میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔

روح کو بدن کیساتھ کیسا اور کہانتک تعلق ہے؟

روح کا تعلق بدن کے ساتھ مجہول الکنہ ہے۔ یعنے انسان کے احاطہ ادراک سے باہر قوام روح کا بغیر بدن کے اگرچہ ممکن ہے۔ لیکن بغیر تعلق بدن کے روح کو کسی قسم کا احساس یا علم یا ذوق وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ نہ اکیلی روح انند بھوگ سکتی ہے۔ جیساکہ آریہ کا مذہب ہے۔ ہماری جسم اور جسمانی بناوٹ کا ہماری روحانیت اور انسانیت پر بڑا گہرا بلکہ کلی اثر ہے۔ دماغ کے ایک ہی مقام پر چوٹ لگنے سے یک لخت حافظہ جاتا رہتا ہے۔ اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہیں۔ بیہوشی کا ایک بخار ہو جانے سے خدا اور مافیہا سب بھول جاتا ہے۔ کلوروفارم کے سونگھانے سے درد دکھ تک کا احساس نہیں ہو سکتا۔ وبا کی ایک ہی زہریلی ہوا نظام بدنی کو درہم برہم کرکے انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے۔ اور ہوش و حواس کو کھو دیتی ہے۔ اور مختلف جسمانی جذبات عجیب قسم کا نظارہ دکھاتے ہیں۔ جس سے اظہر من الشمس ہے کہ اگرچہ روح ایک مستقل چیز

ہوئی حالت کو نتیجہ نہیں ۔ مگر تاہم بغیر تعلق بدن صحیح کے نفی کے حکم میں ہے ۔

اور روح کا تعلق بدن کے ساتھ پانچ قسم پر ہے ۔ (۱) ایک تعلق جنین کی حالت میں یعنے شکم مادر میں جو بعد چار ماہ کے نطفہ میں جب اعتدال اور صفائی کمال درجہ کی ہوتی ہے ۔ اور اس کی حالت روح کے قبول کرنے کی مقتضی ہوتی ہے ۔ تو اللہ تعالےٰ روح کو اُس سے متعلق رکھتا ہے ۔

دوسرا تعلق شکم مادر سے خروج کے بعد کہ پہلے کی بہ نسبت تعلق روح کے اسوقت زیادہ آثار ظاہر ہوتے ہیں ۔

تیسرا تعلق حالت خواب میں کہ من وجہ تعلق اور من وجہ مفارقت ہوتی ہے ۔

چوتھا تعلق عالم برزخ یعنے موت اور قیامت کے درمیانی عرصہ میں کہ اس عالم میں اگرچہ بظاہر مفارقت معلوم ہوتی ہے ۔ مگر مفارقت کلی نہیں ہوتی ۔ کہ بالکل بدن کی طرف اس کو التفات ہی نہ ہو ۔ بلکہ بدن کے اجزاء مفارقہ کے ساتھ التفات رکھتی ہے ۔ اور جانتی ہے کہ میں ہی مرا ۔ اور میں ہی دفن ہوا ۔ پھر برزخ کے زمانہ میں ایک قسم کا ظلمانی یا نورانی وجود و اعمال مردہ کے موافق عطا فرمایا جاتا ہے ۔ اور منشاء ان کی حالت خوابیدہ شخص کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے ۔ کہ جیسے عمل اس نے دنیا میں کئے ۔ اس کے موافق ویسے ہی آثار عذاب یا ثواب کے برزخ کے زمانہ میں اس کے پیش نظر رہتے ہیں ۔ اس کے لئے ظاہری حواس کی کوئی ضرورت نہیں ۔ جس طرح خوابیدہ آدمی کے ظاہری حواس معطل ہوتے ہیں ۔ مگر حالت غنودگی میں قسم قسم کی اشیاء کا احساس کرتا ہے لذت یا درد کا اثر پاتا ہے ۔ ایسا ہی عالم برزخ میں وہ دکھ یا سکھ کا احساس کرتا ہے ۔ القبر اما روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران ۔ قبر یا بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے ۔ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ۔ اگر وہ نیک بخت ہے تو

برزخ بالا و نیک حالت - یعنی ایسے باغوں میں، جنکے نیچے ندیاں جاری ہیں۔ اور ... سرسبز چشموں میں جس میں حور و قصور ہیں - جس طرح وہ اعتقاد رکھتا تھا ۔ اپنے آپ کو پاتا ہے - یہی ثواب قبر ہے - اور اگر بدبخت یا کافر ہے تو ان تکالیف میں جو عذاب کے طور پر اُسے پہنچتی رہتی ہیں - جن کی خبر مخبر صادق نے دی ہے - مبتلا رہتا ہے اس کو عذاب قبر کہتے ہیں - عذاب قبر کے یہ معنی نہیں کہ قبر کے اندر ہی عذاب ہوتا ہے - خواہ کسی کو جلا دیا جاوے یا غرق آب ہو جائے - تاہم قبر یعنے برزخ کے عذاب سے رہائی نہیں پا سکتا - قبر فی الحقیقت اس حالت و صورت کا نام ہے - جس میں ایک شخص خوابیدہ آدمی کی طرح ثواب یا عذاب کا احساس کرتا ہے - جیسا کہا گیا ہے - النوم اخ الموت -

پانچواں تعلق بروز قیامت ہے - جس کو دوسری پیدائش انشاء اخریٰ سے تعبیر کرتے ہیں - نفس کا اس صورت سے نکلنا ایسا ہے - جیسا بچہ دان سے بچہ نکل پڑتا ہے - یہ دوال ہے - کامل بروز کے زمانہ ہے کہ یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات وبرزوا للہ الواحد القہار اس دن نیا آسمان اور نئی زمین ہوگی اور سارا جہان خدائے قہار کے سامنے جلوہ گر ہوگا تو یہ یبلی السرائر اس دن تمام اشیاء کی حقائق جلوہ گر ہونگی - اعمال مخفیہ صورتوں میں ظاہر ہونگے -

روح کا مستقل وجود ہے یا صحیح جسمانی ترکیب کی حالت مقتضیہ کا ایک نتیجہ ہے

جہانتک کلام الٰہی میں غور کیا جاتا ہے - بطور یقین معلوم ہوتا ہے کہ روح کا ضرور مستقل وجود ہے - اس کے ثبوت کے لئے

جس نے اس کو دبا دیا۔ (۱۱) قوم ثمود نے اپنی شرارت کی وجہ سے (اپنے نبی کو) جھٹلایا۔ (۱۲) جب کہ ان میں سے جو زیادہ شریر اور بد ذات تھا۔ اُٹھا (۱۳) اسپر خدا کے رسول نے ان لوگوں سے کہا۔ کہ خدا کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے معترض نہ ہونا۔ (۱۴) اسپر بھی لوگوں نے صالحؑ کو جھٹلایا۔ اور اونٹنی کے کھونچ کاٹ ڈالے (۱۵) تو ان کے پروردگار نے اُن کے گناہ کے بدلے میں اُن کو ہلاک کر ڈالا۔ اور سب کا سب صفا کر دیا۔ (۱۶) اور اُس نے اُن کے انجام (اور پس ماندوں کی) ذرا بھی پرواہ نہ کی۔

اس صورت میں اللہ تعالےٰ نے بڑی حکیمانہ شان اور نہایت دھوم دھام سے قسموں کے پیرایہ میں عالم کبیر کے نظارے نظروں کے سامنے جلوہ گر کرکے نفس انسان کا عالم کبیر کی عکسی تصویر یعنے عالم صغیر ہونا اور عالم کبیر کے تمام صفات وخواص اپنے اندر رکھنا بیان فرماتا ہے۔ اور امورات بدیہی ایک نظر کے ثبوت کے لئے مشاہدہ اور نظارہ ٹھیرا کر نفس انسانی کے وجود اور اس کے کمالات کو اظہر من الشمس اور اجلی بدیہات میں سے کر دکھایا۔ اور ایسا بین الثبوت کہ آخر میں خود نفس انسان کے وجود کی قسم کھا کر اس کے وجود کو ہی آفتاب آمد دلیل۔ آفتاب کا مصداق ٹھہرایا۔ اور اس کی ہستی کو اُسی کی ہستی پر گواہ بنایا اور قدرت کے بڑے بڑے مظہر یعنی سورج۔ چاند۔ دن۔ رات۔ تاروں۔ زمین۔ آسمان میں جو خواص و کمالات۔ متفرق طور پر موجود ہیں۔ ان سب کا نفس انسانی کامل کے نفس ساتی میں یک جا موجود ہونا بیان فرمایا۔ اور ظاہر کر دیا ہے کہ جب آفتاب موجود ہے۔ چاند موجود ہے۔ دن رات نمایاں ہوتے ہیں۔ آسمان وزمین موجود ہیں۔ تو جس ذات کے اندر یہ سارے کمالات وصفات جمع ہوں۔ یعنی روح انسانی۔ کیا اس کا مستقل اور بالذات وجود بھی نہیں ہے۔ جو بدن کی مفارقت کے بعد مستقل اور بالذات باقی اور ثابت رہ سکے۔ اور نفس انسانی جس میں اسقدر کمالات اور خواص یک جا پائے جاتے ہیں۔ اور

اس قدر اعلےٰ قوتیں اور طاقتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ اگر ایک انسان قوائے سبعیہ اور بہیمیہ کا تابع ہو کر حیوانوں کی طرح صرف خورد و نوش اور حظوظ نفسانی میں عمر بسر کر کے اس جوہر بے بہا کو ضائع کر دے تو عالم ناسوت سے نکلکر ملکوت اور جبروت اور لاہوت تک پہنچ سکتا ہے۔ اور تمام جزویات عالم کے متفرق کمالات و خواص پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہو سکتا ہے۔ کیا کم ازکم اس کا وجود بھی مستقل اور بدن سے علیحدہ نہیں۔ اور بدن کی ایک خواص حالت کا صرف نتیجہ ہے!

غرضکہ اللہ تعالےٰ نے اس سورہ عالیہ میں نفس انسانی اور پھر اس کے عجیب و غریب خواص و صفات کا ثبوت دیا ہے۔ اور سورج۔ چاند۔ آسمان۔ زمین وغیرہ کے متفرق کمالات کی طرف توجہ دلاکر پھر نفس انسانی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ وہ ان سب کمالات متفرقہ کا جامع ہے۔ اور جس حالت میں نفس انسانی ایسے اعلےٰ درجہ کے صفات و کمالات بتمامہا اپنے اندر موجود رکھتا ہے۔ جو اجرام سماویہ و ارضیہ میں جداگانہ اور متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔ تو کیا اس عظیم الشان اور متفرق کمالات کی جامع ہستی (روح انسانی) کی نسبت کوئی شخص یہ وہم کر سکتا ہے۔ کہ وہ فی نفسہ کوئی شئے ہی نہیں۔ جو بدن کے طور پر مستقل رہ سکے۔ کیا ہو سکتا ہے۔ کہ جو شئے اپنی ذات میں ہی ہیں کچھ شئے نہیں وہ تمام موجود بالذات اور مستقل الوجود چیزوں کے خواص و کمالات وپنے اندر جمع رکھتی ہو۔ غرضکہ اس سورہ طیبہ میں اللہ تعالےٰ حکیمانہ اسلوب پر روح انسانی کے کمالات و خواص کو ظاہر فرماتا ہے۔ اور انسان روح کے وجود و بقا کا ثبوت فلسفہ حقہ کی بنا پر دیتا ہے۔ چنانچہ سورج اور اسکی روشنی کی قسم کھا کر نفس انسانی کے کمالات کو ظاہر فرمایا ہے کہ انسان کامل کی فطرت میں معرفت الہی اور خدا کی معرفت کاملہ کا نور۔ اقرار ربوبیت کا نور۔ سورج کی طرح درخشاں و تابان ہے۔ اور کہ انسان کامل کا نفس خدا تعالےٰ کے الہام اور مکاشفۃ اللہ کی روشنی کا جلوہ گر بن کر آفتاب کی طرح

سراسر نور۔ اور مظہر نور بن جاتا ہے۔ اور حضرت اعلیٰ سے نور پا کر وہ نور دوسروں تک پہونچاتا ہے۔ غرضکہ نفس انسانی معرفت الہی اور کمالات غیر متناہی کا ایک آفتاب ہے۔

چاند کی قسم کھا کر نفس انسانی کی اسی خاصیت کو آشکار فرمایا ہے کہ جس طرح چاند سورج کی روشنی سے استفادہ کرتا ہے۔ اسی طرح نفس انسانی ایک دوسرے کامل انسان سے نور معرفت کا استفادہ اور استفاضہ کرسکتا ہے۔ لیکن چاند سے بڑھکر۔ کیونکہ چاند تو کبھی اس نور کو پھر کبھی چھوڑ بھی دیتا ہے۔ مگر انسان کامل کبھی نہیں چھوڑتا۔

دن کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرماتا ہے۔ کہ جس طرح وہ روشنی آفتاب کی نمائش اور جلوہ گری کا باعث ہے۔ اور دن کی روشنی میں تمام دنیا اپنے کاروبار میں لگ جاتی ہے اور ہنگامہ روزگار گرم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کامل اپنے تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس سے معرفت الہی کی روشنی اور علوم حقہ کے نور کو وہ چند چمکاتا اور علوم اور معارف کی تمام راہوں کو بہ صفائی تمام دکھاتا۔ اور سالکان راہ حقیقت کو حقیقت اور معرفت کی راہوں پہ چلاتا اور طالبان حق و معرفت کو اپنے کام پہ لگاتا اور نور سے نور بنتا اور بناتا ہے۔

رات کی قسم کھا کر یہ ظاہر فرماتا ہے۔ کہ جس طرح یہ رات آفتاب کو چھپا دیتی ہے۔ اسی طرح انسان کامل بھی باوجود کمال تبتل و انقطاع الی اللہ کے جو خدا کی طرف سے اس کو حاصل ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے نفس کی ظلمانی خواہشوں کی طرف متوجہ اور مشغول ہو جاتا ہے۔ جیسے کھانا۔ پینا۔ بال بچوں کی طرف مصروف ہونا اسباب معیشت بہم پہنچانا جو بظاہر نورانیت کے مخالف اور ضد معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن نہ اس لئے کہ یہ تاریکی اس کو پسند ہے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ بھی سب بہ حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے حقوق ہیں۔ اور نیز اس لئے

کو ریاضات روحانیہ سے کسیقدر آرام پاکر تفریح طبع کے بعد پھر ریاضات شاقہ کسب کمال روحانیہ اور تلاش علوم حقہ میں مشغول ہو جاتا ہے۔

آسمان اور اجرام سماوی کی قسم کھاکر یہ ظاہر فرماتا ہے کہ جس طرح آسمان کا پول اسقدر وسیع اور کشادہ ہے۔ کہ کوئی چیز اسے گھیر نہیں سکتی۔ اسی طرح انسان کامل کا نفس ناطقہ غایت درجہ کی وسعت اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور غیر متناہیہ کمالات کے حاصل کرنے کی پیاس اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور باوجودیکہ اسکا پول معارف اور حقائق کے ہزار ہا ستاروں سے بھردیا جائے پھر بھی ہل من مزید اور ما عرفناک حق معرفتک کا نعرہ مار رہا ہے۔ اور آسمان کی قسم کھانے سے یہ بھی مقصود ہے۔ کہ جس طرح آسمان بلند تمام روحانی وجسمانی فیوضات کا مینہ برساتا ہے۔ اور ہر ایک حاجتمند کو اپنے سایہ کے تلے جگہ دیتا ہے۔ اسی طرح انسان کامل کے نفس کا حال ہے کہ وہ بھی روحانی پیاسوں کی پیاس بجھاتا۔ اور آسمان کی طرح طرح کے فیوضات کے مینہ برساتا ہے۔

زمین کی قسم کہاکر یہ بات ظاہر فرمائی ہے کہ جس طرح پر عمدہ اور اول درجہ کی زمین میں یہ خاصیت ہے کہ جب اُس میں خوب ہل چلایا جائے اور بیج بوکر اچھی طرح آبپاشی کی جائے تو وہ باقی زمینوں سے کئی گنے زیادہ اور عمدہ پھل لاتی ہے۔ اسی طرح انسان کامل کو مجاہدات کی کوفت اور ریاضات کی قلبہ رانی اور احکام الٰہی کی تخم ریزی اور حقیقی کسان (ہادی کامل) کی توجہ کی آبیاری سے اعمال صالحہ کے عمدہ سے عمدہ اور زیادہ سے زیادہ پھل لاتا ہے۔ اور دنیا کے سامنے اعلےٰ سے اعلےٰ میوے روحانیت اور معارف الہیہ کے پیش کرتا ہے۔

نفس انسانی کے یہ سب متفرقہ خواص وکمالات ظاہر فرماکر نفس انسانی کے وجود کو ایسا بدیہی الثبوت کر دکھایا ہے۔ کہ خود اسی نفس ہی کی قسم کھاکر اس کے وجود کو اسکی ہستی کا شاہد [illegible] ٹھیرا کر (آفتاب آمد دلیل آفتاب) کا مصداق بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کی صفات سے لیکر زمین تک جو ہمارے رہنے کی جگہ ہے

سب چیزوں کے خواص قسموں کے پیرایہ میں بیان فرمائے ہیں
تاکہ وہ نفس انسانی کے ثبوت کے لئے قسم یعنے بطور شاہد کام آ
ہوں اور سب سے بعد مزکےٗ اور ستوئے اور کامل نفس کا ذکر فرمایا
تا معلوم ہوجائے کہ انسان کا نفس ان تمام کمالات متفرقہ کا جامع
ہے۔ جو پہلا چیزوں میں جتنی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ جداگانہ طور پر
پائی جاتی ہیں اور جمعیت کمالات کے لحاظ سے وہ عالم کبیر کی ایک
عکسی تصویر یعنے عالم صغیر ہیں۔

نفس انسانی کے ذکر کے بعد اللہ تعالےٰ نے روح انسانی کا یہ
خاص بھی بیان فرمایا۔ جو اللہ تعالےٰ نے اُس میں ڈالا۔ (فالھمھا
فجورھا) (وتقوا ٰھا) جس کے ذریعہ سے وہ بدی اور نیکی کا
شعور رکھتا اور نیکی کے کرنے پر بالطبع خوش ہوتا اور بدی کے
کرنے پر اُسے طبعاً اُسے ندامت اور سزا لاحق ہوتی ہے۔ اور
اس کا جی بدی پر اسکو ملامت کرتا ہے۔ حقیقت میں روح انسانی
کا یہ خاصہ جسے انگریزی میں کانشنس اور عربی میں ضمیر کہتے ہیں
بڑی توجہ کے لائق ہے۔ انسان جب کوئی کام بدی کا کرنے لگتا
ہے۔ جب کبھی فطرت کا قانون توڑتا ہے۔ معاً اس کا ضمیر اُسکو ملامت
کرتا اور زور کے ساتھ اُسکو اس سے ہٹنے کے لئے ہدایت کرتا ہے
انسان کا یہ خاصہ ظاہر کر رہا ہے۔ کہ انسان خاص خاص قواعد فطرت
(قوانین شریعت) کا پابند ہے۔ مطلق العنان اور شتر بے مہار نہیں
جبھی تو اسکا ضمیر جادہ اعتدال سے بڑھ جانے اور فطرت یا شریعت
کا رول توڑنے پر اس کو ملامت کرتا۔ اور قانون فطرت کی پابندی
میں خوش ہوتا ہے۔

نفس انسانی کے کمالات اور اُس کے وجود کے اثبات کے بعد اللہ
تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ نفس انسانی ان سب کمالات متفرقہ و خواص
متنوعہ کے حاصل کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔ ونفس وما سواھا۔ اللہ
تعالےٰ نے نفس انسانی اس قابل بنایا ہے کہ وہ عالم کبیر کے کمالات
اپنے اندر جمع کرے۔ لیکن جو شخص اپنے نفس کو خواہشات نفسانی میں

بگاڑ دے اور سفلی زندگی سے پیار کرنے لگ جائے۔ وہ ان کمالات عالیہ و مراتب سنیہ کے حصول سے محروم رہ کر ہمیشہ کے لئے خائب وخاسر ہو جاتا ہے جو شخص سنت اللہ کے موافق تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہوکر ان کمالات کے حاصل کرنے کیلئے تگ و دو کرتا ہے۔ اللہ تعالے بھی اس پر سلوک کی ساری راہیں بہ صفائی تمام کھول دیتا ہے اور ان سب کمالات متفرقہ کا اس کو جامع بنا دیتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے روحانی فلاح و صلاح حاصل کر لیتا ہے۔ قد افلح من زکیھا۔

حکیم حقیقی نے نفس انسانی کو پیدا کر کے ظلمت اور نورانیت فجور اور تقوی کی دونوں راہیں اس پر کھول رکھی ہیں۔ بدکام پر اسکا ضمیر اسکو متنبہ کرتا اور نیک کام پر اس کو ایک روحانی لذت اور سرور بخشتا ہے۔ پس اگر وہ اپنے نفس امارہ کو شہوات نفسانی میں اسقدر بگاڑ دے کہ اس کا نفس اس کو ملامت کرنا چھوڑ دے۔ اور نفس لوامہ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے سے رہ چکے۔ تو اب یہ آدمی ظلمت اور معصیت اختیار کرتے کرتے شب دیجور کی طرح سراسر ظلمت (ظلمات بعضہا فوق بعض) بن جاتا ہے۔ بڑے ہی جلیس اور ہم صحبت اس کو پسند آتے ہیں۔ اور اسکی بد طبیعت ہی کے موافق بدکاری اور فسق و فجور ہی کے الہامات اس کو ہوتے رہتے ہیں۔ اور بدکاری اور بدچلنی ہی کے خیالات اسکو سوجھتے رہتے ہیں۔ فسق و فجور طبیعت ثانیہ ہوکر بدکاری اور معصیت میں وہ گڑ جاتا ہے۔ وقد خاب من دسّٰھا۔

لیکن اگر وہ نفس لوامہ کی ہدایت کے موافق برے کاموں سے اجتناب کرتا جاتا ہے اور تقوی اور طہارت کا نورانی راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ تو یہ شخص معرفت اور اخلاق حسنہ کی روشنی سے منور ہوکر روز روشن کی طرح نورانی بن جاتا ہے۔ اور اسکا نفس لوامہ مطمئنہ سے بدل جاتا ہے۔ تاریکیوں سے بالطبع دشمنی اور نفرت رکھتا ہے۔ اور نیک کاموں کی طرف آپ سے آپ

دوڑا جاتا ہے۔ نیک ہی جلیس اور ہم صحبت اسکو پسند کرتے ہیں۔
نیک نیک کاموں کا اُسے الہام ہوتا ہے اور نیک ہی خیالات اسکو
سوجھتے رہتے ہیں۔ وہ سورج کی طرح معرفت الٰہی کی روشنی اور توجہ
الی اللہ کی گرمی اپنے دل میں رکھتا ہے۔

چاند کی طرح حضرت اعلےٰ سے اعلےٰ الہامات خاصہ کا نور لیتا ہے اور
اوروں کو فیض پہنچاتا ہے۔

دن کی طرح روشنی اور نورانی بن کر لوگوں کو خوف الٰہی اور سلوک
کی راہیں دکھاتا ہے۔

رات کی طرح ہر ایک قصور دار اور ضعیف کی پردہ پوشی کرتا ہے اور
تھکے ماندوں کو آرام پہونچاتا ہے۔

آسمان کی طرح ہر ایک حاجتمند کو اپنے سایہ تلے جگہ دیتا ہے اور دنیا
میں اپنے فیض کی بارشیں برساتا ہے۔

زمین کی طرح کمال انکسار سے ہر ایک آزمائش اور خدمت کے لئے بطور
فرش کے ہوجاتا ہے۔ اور سب کو اپنی کنار عاطفت میں پالتا ہے۔
اور طرح طرح کے روحانی میوے اُس کے لئے پیش کرتا ہے۔ حق اللہ
اور حق العباد کو کمال کے نقطہ تک پہنچاتا ہے۔ خدا میں محو ہوتا اور مخلوق
خدا کا سچا خادم بن جاتا ہے۔

لیکن اُس شخص کا حال اور مثال جس نے اپنے نفس کو خواہشات
نفسانی کے نیچے دبا لیا ہے۔ اور جن کمالات کے حاصل کرنے کی
اُسکو استعدادیں دی گئی تھیں اُن کے حاصل کرنے میں کوشش
نہ کی اور گندی اور ناپاک زندگی بسر کرکے واپس چلا گیا۔ قوم ثمود
کی طرح ہے۔ جس نے بوجہ اپنے طغیان اور سرکشی کے اُس زمانہ
کے نبی حضرت صالح ؑ کو جھٹلایا اور اس کی تکذیب کے لئے ایک
بڑا بدبخت پیش قدم ہوا۔ کذبت ثمود بطغوٰھا اذا
نبعث اشقٰھا۔

اُس وقت کے رسول نے نصیحت کے طور پر اُنہیں بہتیرا
سمجھایا کہ ناقۃ اللہ یعنی خدا تعالیٰ کی اونٹنی اور اُس کے پینے سے

غرض نہ کرو۔ مگر اولادوں نے نہ مانا اور اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے
تو اس جرم کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو تباہ اور برباد
کر کے اُن کا صفایا کر دیا اور اسبارے کی کچھ بھی پرواہ نہ کی کہ انکے
مرنیکے بعد انکی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں اور بیکس عیال کا کیا
حال ہوگا۔ فقال لہم رسول اللہ ناقۃ اللہ وسقیاھا
فکذبوہ فعقروھا فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوٰھا
ولا یخاف عقبٰھا۔

اس لطیف بیان میں اللہ تعالیٰ نے نفس انسان کو ناقۃ اللہ
سے مشابہت دیکر یہ فرمایا ہے۔ کہ انسان کا نفس بھی یہی ناقۃ
کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس غرض کے لئے خلق کیا گیا ہے کہ وہ خدا
کی اونٹنی کا کام دے۔ انسان کی توجہ الی اللہ ہونے کی
حالت میں خدائے پاک اپنی پاک تجلی کے ساتھ اس پر سوار
ہو۔ اپنی تجلیات خاصہ کا اُس کو مرکوب و جلوہ گاہ بنائے اور
پس کہ اس اونٹنی کا پانی خدا تعالیٰ کی محبت اور معرفت ہے جس
سے وہ جیتی ہے۔

لیکن نفس پرست لوگ اس اونٹنی کو خواہشات کے بوجھ کے
دباتے اور زمین میں گاڑتے۔ اس کو اس کے سقیا سے محروم رکھتے
اور خدا تعالیٰ کی محبت اور معرفت کے چشمہ کے قریب آنے
نہیں دیتے۔ جس پر اس ناقہ کی زندگی موقوف ہے۔ اور نہ صرف
روکتے۔ بلکہ اُس کے پیر کاٹنے کی فکر میں مصروف ہیں۔ تا کہ
وہ خدا تعالیٰ کی معرفت کی راہ پر چلنے سے بالکل رہ جائے۔

سو اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ اگر یہ لوگ
اسکی زندگی کا پانی (معرفت الٰہی کا مادہ الحیات) اور اس نفس کی
اونٹنی پر بند نہ کریں اور اپنی بیجا خواہشوں اور سرکشیوں کے
تبر تیز سے اُس کے پاؤں نہ کاٹیں۔ تو وہ اونٹنی تجلیات الٰہی
کا منظر اور جلوہ گاہ بن جائے گی۔ اور اگر اس اونٹنی کو محبت
اور معرفت کے چشمہ سے بند کر رکھیں گے اور خواہشات نفسانی

ورنہ اسی نامسعدہ کے تبر تیز سے اس کے پاؤں کاٹ دیں گے تو وہ خستہ اور مجروح ہو کر بالکل رہ جائے گی۔ اور وہ لوگ خشک اور نکمی لکڑی کی طرح متصور ہو کر کاٹ دیئے جائینگے۔ اور پھر آگ میں ڈال دیئے جائینگے۔ اور اُن کے مرنیکے بعد خدا تعالےٰ ان کے پسماندوں پہ ہرگز رحم نہ کریگا۔ بلکہ اُن کی معصیت اور بدکاری کا مآل اُن کے آگے بھی آئیگا۔ اور نہ صرف آپ ہی اپنے شامت اعمال سے مرینگے۔ بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی تباہی ڈالیں گے۔

روح کا حدوث

روح حادث ہے یا قدیم؟

روح حادث ہے یعنی خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ قدیم یعنی خدا تعالیٰ کی صفت خالقیت سے باہر نہیں۔ تسویہ بدن کے بعد یعنے جب نطفہ میں روح کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے اسوقت روح پیدا ہوتی ہے۔ جیساکہ آئینہ میں صیقل کرنے کے وقت صورت پیدا ہوتی ہے۔ ارواح کے مخلوق الٰہی ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ اگر وہ خدا تعالےٰ کی مخلوق نہ ہوتیں تو کچھ ضرور نہ تھا کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف جُھکی ہوئی ہوتیں۔ اس کو اپنا رب اور معبود جانتیں۔

اس کا تصرف اور قبضہ مالکیت اپنے اوپر گوارا کرتیں۔ صفت قدامت میں جب اللہ تعالےٰ اور ارواح یکساں ہوتیں۔ تو

ایک محسن علیہ کا محسن کی طرف۔ منعم علیہ کا منعم کی طرف مستفیض کا فیاض کی طرف۔ روح کو تسکین نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ اپنے پیارے اللہ کو اپنا رب اور فیاض اور مبدأ فیض قرار نہ دے لے۔ روح میں یہی فطری خاصہ ہے جس کو خدا تعالےٰ کی پاک کتاب نے۔ الست بربکم قالوا بلیٰ میں ظاہر کیا۔ جب تک روح خدا تعالےٰ کی مخلوق و مربوب اور اپنے وجود و بقا میں اسکی محتاج اور دست نگر نہ ہو۔ ہو نہیں سکتا۔ روح میں آپ سے آپ یہ کرم اور گن اور سبھاؤ کہاں سے آگئے۔ جو خدا تعالےٰ کی صفات کے ظہور کے لئے ٹھیک بطور ایک آئینہ متقابلہ کے ہیں۔ آپ سے آپ ہونے والی چیز دوسرے کے صفات کے اظہار کے لئے ٹھیک آئینہ نہیں ہو سکتی۔ نہ دوسرے کی مرضی کے تابع نہ کسی امر میں اسکی محتاج اور دست نگر۔ روح کا صفات الہی کا ظل اور مظہر کامل ہونا اپنے صفات کے اظہار میں دوسرے کا محتاج ہونا دوسرے کی مرضی کے تابع اسکی حکومت کو تسلیم کرنیوالا۔ اس کے حکموں کا جوا گردن پر رکھنے والا ہونا یہ سب باتیں ایک عقلمند آدمی کیلئے جسکا استدلال صحیح منطق پر ہو۔ بدیہی ثبوت ہیں۔ روح کے حادث اور مخلوق الہی ہونے پر علت العلل اور مبدء کل کا وجود تسلیم کرنیکے بعد کسی دوسری شے کا وجود ایسا ہو نہیں سکتا جو اپنے وجود و بقا اور قیام میں علت اولے کا محتاج اور دست نگر نہ ہو۔ قیوم عالمین صرف اللہ ہی ہے۔ اور باقی تمام چیزیں اسکی مخلوق و مربوب وجود و بقا میں اسکی محتاج۔ اسکی قدرت کاملہ کا نقش۔ حکمت بالغہ کا اثر اللہ تعالےٰ کے صور علیہ جو اسکی قدرت و حکمت و ارادہ کا نقش ظہور پکڑ گئے ہیں اور ٹھیک اسکی مرضی کے تابع حکم ہیں اور اسکی آواز کو ہر وقت سنتے ہیں۔

ارواح کے حدوث کو ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ارواح کو اللہ تعالےٰ کا مخلوق نہ سمجھیں۔ بلکہ تمام ارواح کو مع اُن کے

جمیع عجیب و غریب سبھاؤ اور گن اور خواص اور صفات کے
بغیر پیدا کرنے کسی پیدا کنندہ کے سمجھ لیں۔ جن کے وجود میں خدا
کا ہاتھ بھی نہیں لگا۔ بلکہ وہ سب کی سب خود بخود خدا کی
طرح قدیم سے اپنے گن اور سبھاؤ کے ساتھ موجود ہیں۔ تو پھر خدا کے
وجود پر کوئی بھی دلیل نہیں رہتی۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی
کا ثبوت اسی سے ہوتا ہے کہ وہ علت اصلی۔ مبدا کل۔ سب
فیوضات کا منبع ہے۔ اور کوئی وجود ایسا نہیں جو اس کے احاطہ
خالقیت سے باہر ہو۔ جب کروڑ ہا وجود دنیا میں ایسے خود بخود
نکل آئے۔ جو خدا کی طرح اپنے وجود میں واجب۔ اپنے وجود
کے بقا قیام میں خدا سے بے نیاز۔ غیر مخلوق اور انادی ہیں۔
جنکو خدا کا ہاتھ بھی نہیں لگا۔ تو پھر اس بات کے لئے کوئی
دلیل نہیں رہتی کہ مادہ و روح کو باہم ترکیب دینے کے لئے ضرور
خدا کی حاجت ہے۔ کیونکہ شے ء کا باہم ترکیب دینا کوئی بڑا
کام نہیں۔ جس کے لئے خدا کی حاجت ہو۔ اشیاء کا پیدا کرنا
اور ایجاد ہی بڑا کام ہے۔ جس سے خدا شناخت کیا جاتا ہے
جو عقل یہ تجویز کر سکتی ہے کہ مادہ اور ارواح اپنی ذات گن
سبھاؤ سے آپ سے آپ موجود ہیں۔ اور اپنی پیدائش میں
خدا کی حاجت نہیں رکھتے۔ وہ بآسانی اس بات کو مان سکتے
ہیں کہ دنیا کا انتظام بھی نیچر کے موافق خود بخود چلا جا رہا ہے
اس کے چلانے کے لئے کسی خدا کی حاجت نہیں ہے۔ سچ کہ
ارواح کا خود بخود وجود خدا کے احاطہ خالقیت سے باہر۔ نا کسی
طرح پر اُس خالق برحق اور مبدا کل کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتا
اور علانیہ دھریت کا رہنا ہے۔

اب ہم روحوں کے مخلوق ہونے پر شکل اول جو بدیہی الانتاج
دریافت مطلب ہے بنا کر دکھلاتے ہیں۔ اس پر غور کرنے سے
صاف ظاہر ہو جائے گا کہ ارواح خدا تعالیٰ کی مخلوق ہیں نہ قدیم
اور اپنی ذات سے موجود۔

منطق کی پہلی شکل

موجودات عالم میں سے روحیں ایسی چیزیں ہیں - جن میں ہزاروں عجائب قدرت و حکمت پائے جاتے ہیں - اور کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائب قدرت و حکمت پائے جاتے ہیں - اُن کا ایک موجد کامل و قادر و حکیم ہونا ضروری ہے - نتیجہ یہ نکلا کہ روحوں کا ایک موجد قادر کامل و حکیم ہونا ضروری ہے -

ثبوت صغرے کا یعنے اثبات کا کہ موجودات عالم میں سے روحیں ایسی چیزیں ہیں جن میں ہزارہا عجائب قدرت و حکمت پائے جاتے ہیں - اس طرح پر ہوتا ہے - کہ نقیض اس کی یعنی کہ روحوں میں کوئی عجوبہ قدرت و حکمت کا پایا نہیں جاتا - بدیہی البطلان ہے - اور دنیا کی ذی علم قوموں میں سے کوئی قوم بھی اثبات کی قائل نہیں کہ ارواح عجائبات قدرت و صنعت الٰہی سے خالی ہیں - بلکہ علم الہیات کے جاننے والے اس باریک صداقت تک پہنچ گئے ہیں - کہ دنیا کی تمام مخلوقات میں جو خواص متفرقہ ہیں وہ سب روحوں کے وجود میں یکجائی طور پر پائے جاتے ہیں - پس صغریٰ اس شکل کا نہایت بین الثبوت ہے -

ثبوت کبریٰ کا یعنی اس قضیہ کا جو کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائبات قدرت و حکمت پائے جائیں - اُن کا ایک موجد قادر و کامل و حکیم ہونا ضروری ہے - اس طرح پر ہے کہ اگر بعض چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جو عجائب قدرت و حکمت سے بھری ہوئی ہیں ایسی بھی ہوں - جن کا موجد ہونا ضروری نہیں تو پھر کسی چیز کے وجود کا موجد کی ضرورت نہیں رہے گی - کیونکہ

بات کی صحت پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ کہ ہم ایسی چند چیزوں [illegible] کہ اپنے وجود احتیاج موجد میں بلکل ہم رنگ اور مساوی ہیں۔ بعض چیزوں کو بلا دلیل مستغنی عن الموجد قرار دیدیں۔ اور دوسری بعض چیزوں کو بلا دلیل اپنے وجود میں موجد کی محتاج سمجھ لیں۔ بلا ہم پر لازم ہوگا کہ اگر عالم کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی نسبت بھی یہ حکم دیں۔ کہ وہ بوجہ پر حکمت کاموں کے جو اس کے وجود میں پائے جاتے ہیں۔ کسی موجد کی محتاج نہیں ہے تو [illegible] باقی ہمشکل چیزوں کی نسبت بھی جو عالم میں پائی جاتی ہیں۔ صادر کریں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی۔ پس ضرور تشکل نہ ایک کے [illegible] کا مفہوم صحیح ماننا پڑا۔ جس سے صداقت اس نتیجہ کی کھل گئی۔ کہ روحوں کا ایک موجد کامل و قادر و حکیم ہونا ضروری ہے۔ فھو المراد۔

[illegible] تھوڑی دیر کیلئے غور کرے تو اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہمارا روحانی [illegible] طور پر ان سب متفرق الہی حکمتوں اور صنعتوں پر مشتمل ہیں۔ جو اجرام علوی و سفلی میں پائے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے دنیا باعتبار اپنے جزئیات مختلفہ کے عالم تفصیلی ہے اور انسان عالم اجمالی کہلاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ یہ عالم صغیر اور وہ عالم کبیر ہے۔ پس جبکہ ایک جزئی عالم کی بوجہ پائے جانے پر حکمت کاموں کے ایک صانع حکیم کی صنعت کہلاتی ہے۔ تو خیال کرنا چاہئے کہ وہ چیز کیونکر نہ صنعت الہی ہوگی۔ جس کا وجود اپنے عجائبات ذاتی کے رو سے گویا تمام جزئیات عالم کی عکسی تصویر ہے۔ اور ہر ایک جزی کے خواص عجیبہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور حکمت بالغہ الہیہ دنیا پر بوجہ اتم مشتمل ہے۔

ایسی چیز جو مظہر جمیع عجائبات صنعت الہی ہے۔ ہرگز خدا تعالیٰ کے مصنوع و مخلوق ہونے سے باہر نہیں رہ سکتے۔ بلکہ وہ سب چیزوں سے [illegible] زیادہ مصنوعیت کی مہر اپنے وجود پر رکھتی ہے۔ اور [illegible] زیادہ تر اور اکمل تر صانع قدیم کے

وجود پر دلالت کرتی ہے۔ سو اسی دلیل سے روحوں کی مخلوقیت صرف نظری طور پر ہی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ درحقیقت اجلی بدیہات سے ہے۔

پھر روحوں کے حدوث پر ایک بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ اگر روحیں خدا تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ تو کچھ ضروری نہیں تھا۔ کہ خدا تعالےٰ کو روح کی ذات وصفات کا علم کاملترین درجہ پر ہوتا۔ بلکہ خدا تعالےٰ کو روح کے بارہ میں ناقص علم کا ہونا بھی ضروری نہیں تھا۔ اور اسپر کوئی دلیل نہیں۔ کہ کیوں ضرور ہے کہ خدا تعالےٰ کو اُس چیز کا کامل درجہ پر یا کسی حد تک علم ہو۔ جو اس کے دست قدرت سے نکلی ہوئی نہیں۔ نہ اس نے بنائی نہ کسی کو بناتے دیکھا۔ بلکہ ہمیشہ اُس کی طرح واجب بالذات اور قدیم سے چلی آتی ہے۔ اور اپنے وجود کے قیام وبقا میں ذرا بھی اُسکی محتاج نہیں نہ اُس کا کوئی نہ پا یا صفت عطا کی ہے۔

اللہ تعالےٰ کو کامل اور مکمل درجہ کا علم اُس چیز کی بابت ہو سکتا ہے۔ جو وجود میں اُس سے متاخر اور اُسی کی پیدا کی ہوئی ہو اور وہ اس چیز کی مبدا اور علت اولے ہو۔ جو چیز وجود ذاتی میں اس کی طرح مستقل اور قائم بالذات ہے۔ اس کے بارہ میں ضرور نہیں۔ کہ خواہ مخواہ اللہ تعالےٰ کو کامل بلکہ ناقص درجہ کا بھی علم ہو۔

پھر روحوں میں جو جسم کے ساتھ تعلق قبول کرنیکا خاصہ ہے۔ وہ سب جسم کے ساتھ بلانفرت وکراہیت ایسے طبعی طور پر تعلق پکڑ لیتی ہیں۔ جیسے ایک محب محبوب کے ساتھ ایک عاشق اپنے معشوق کے ساتھ جس تعلق کا بعد موت پر چھوڑنا اور مفارقت اختیار کرنا ان پر بالطبع نہایت شاق اور ناگوار گذرتا ہے۔ حالانکہ ظاہراً مادہ وارواح کی ماہیت کی طرف دیکھا جاوے۔ تو اُن میں کسی قسم کی مناسبت نظر نہیں آتی۔ ارواح میں اس خاصہ کا ہونا بھی بدیہی ثبوت اس بات کا ہے۔ کہ ارواح

کو خدا تعالےٰ نے ہی پیدا کیا ہے اگر روحیں اتفاقیہ ہوتیں۔ اور
کوئی اُن کا پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو کیا ضرور تھا کہ مادی جسم پر
روحیں اس طرح عاشق ہوتی۔ ور دونوں اصلیتیں باہم ملا کرتیں۔ یا
سب ارواح میں یکساں صفات وخواص ہوتے۔ اور ان بے شمار
اور کروڑہا ارواح میں سے کوئی بھی ایسی روح نہ پائی جاتی۔
جو مناسبت تعلق باجسم سے خالی اور اس کے برخلاف ہوتی۔ ارواح
اور مادہ میں یہ تعلق۔ اور قسم کا خاصہ ضرور کسی حکیم مطلق خالق برحق
کی طرف سے ہے جو اُس کے ارادہ۔ اور اختیار سے ڈالا گیا ہے
جس کی وجہ سے دنیا کا نظام درست اور انتظام ٹھیک طور پر
چل رہا ہے۔ اور یہ امر ارواح کے مخلوق الٰہی ہونے کی ایک
زبردست دلیل ہے۔

پھر یہ کہ یہ سب ارواح ابدان مختلفہ میں آکر خاص خاص
استعدادوں اور طاقتوں میں محدود اور محصور ہوگئی ہیں۔ جیسا
کہ بنی آدم کے اختلاف روحانی حالات و استعدادات پر نظر
کرکے ظہر من الشمس ہے۔ پس روح کا وجود بھی محدود اور ان کی
جسم کے اندر مقید ہے۔ اور روح میں یہ حد بندیہ آپ سے آپ کیسے
ہوسکتی ہے۔ جب تک کہ اس کا کوئی محدود نہ ہو۔ جس سے
محدود کی ضرورت ثابت ہوکر روح کا حدوث صاف ثابت
ہوتا ہے۔

اس کے سوا یہ بات بھی کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ تمام ارواح
عجز و احتیاجات کے داغ سے آلودہ ہیں اور اپنی تکمیل اور
بقا کے لئے ایک ایسی بات کی محتاج ہیں۔ جو کامل۔ قادر
عالم۔ فیض۔ مطلق۔ مربی۔ پرورش کنندہ۔ [illegible]۔ بدی۔ اور
آپ۔ ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک ہو۔ اور ارواح کا یہ
حقیقت عجز ہی حضرت اللہ ان کی مخلوقیت کا بدیہی ثبوت
اور خدا تعالےٰ کے خالق اور روح کے مخلوق ہونے کا صاف ثابت کرتا
ہے۔ پھر جس طرح بیٹے میں ماں اور باپ کا پتہ کچھ علیحدہ [illegible]

پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہماری روحیں جو خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے نکلی ہیں
اپنے صانع کی سیرت سے کچھ وخصلت سے کچھ حصہ رکھتی ہیں اگرچہ بشریت
کی ظلمت و غفلت غالب ہو جانے کی وجہ سے بعض نفوس میں وہ رنگ
الٰہی کا کچھ پھیکا سا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ ہر ایک
روح کسی قدر وہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہے کہ بعض نفوس میں اور رنگ
بد استعمال کی وجہ سے بدنما معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ اُس رنگ کا قصور
نہیں۔ بلکہ طریقہ استعمال کا قصور ہے۔ انسان کی اصلی قوتوں میں سے
کوئی بھی بری نہیں۔ صرف بد استعمالی سے ایک نیک قوت بُری
معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر بُری قوت اپنے موقعہ پر استعمال کیجائے
تو سراسر نفع رساں اور خیر محض ہے۔ حقیقت میں انسان کو جس قدر
قوتیں دیگئی ہیں۔ وہ سب الٰہی قوتوں کے اظلال و آثار ہیں جیسے بیٹے
کی صورت میں کچھ کچھ باپ کے نقوش آجاتے ہیں۔ ایسا ہی ہماری
روحوں میں اپنے رب کے نقوش اور اسکی صفات کے آثار آگئے
ہیں۔ جنکو عارف لوگ خوب شناخت کرتے ہیں۔ جس طرح بیٹا جو باپ
سے نکلتا ہے۔ اُس سے طبعی محبت رکھتا ہے نہ بناوٹی۔ اسی طرح ہم
بھی جو اپنے رب کے ہاتھ سے نکلے ہیں اور اسی کے مخلوق و
مربوب ہیں۔ اسی سے فی الحقیقت طبعی محبت رکھتے ہیں نہ بناوٹی
اگر ہماری روحوں کو اپنے رب سے یہ فطرتی و طبعی تعلق نہ ہوتا
بلکہ روح ہمیشہ سے علیحدہ چلی آئی ہوتی تو پھر ہمارا تعلق خدا سے
کچھ نہ ہوتا۔ نہ سالکین کو اس تک پہونچنے کی کوئی اور صورت اور
سبیل تھی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہماری روحیں ہمیشہ سے آپ سے آپ
چلی آتیں اور خدا کے دست قدرت نکلی ہوئی نہ ہوتیں۔ اور اُنپر
الٰہی رنگ نہ چڑھا ہوا ہوتا تو کبھی خدا کی طرف میلان تک ظاہر
نہ کرتیں نہ اس کے رنگ سے رنگین ہوتیں نہ اسکی ربوبیت کا دم
بھرتیں۔ اور چیزوں کو اپنی مخلوقیت کا علم نہیں۔ روحیں ہیں۔ جو
اپنے رب کا اقرار کرتیں اور قالو بلیٰ پکارتیں اور فطرتی طور پر
اپنی مخلوقیت کا علم رکھتی ہیں۔ ایک جنگلی آدمی کی روح بھی اثبات

پیدا نہیں ہو سکتی کہ وہ خود بخود ہے۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ
الست بربکم قالوا بلی۔ یہ سوال وجواب حقیقت میں اسی پیوند
کی طرف اشارہ ہے جو مخلوق اپنے خالق سے قدرتی طور پر رکھتی ہے
جس کی شہادت روحوں کی فطرت میں نقش کی گئی ہے۔ عجب ہے کہ
اس چیز کو جو اپنی مخلوقیت کا صاف اقرار کر رہی ہے اور اپنا
خدا اسکو رب رب کہہ کر پکار رہی ہے۔ خدا کی مخلوقیت سے
باہر رکھا جاوے۔

پھر روح کے حدوث اور تناسخ کے بطلان پر ایک اور دلیل یہ ہے
کہ اگر روح حادث نہ ہو اور خدا تعالیٰ روح کو خلق اور ایجاد نہ
کر سکے تو اس میں یہ مشکل پڑیگی کہ فرض کرو کہ آج کی رات ہزار
اشخاص کی عورات کو حمل ہو گیا۔ اب جس وقت یہ نطفہ افاضہ
روح کے قابل ہو جائیگا۔ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقعہ
افاضہ روح ہو۔ مگر ممکن ہے کہ ابھی تک کسی روح نے اپنی سزا
جزا بھگت کر پچھلے قالب کو نہ چھوڑا ہو تو اب مشکل یہ پڑیگی
کہ اس میں افاضہ روح کہاں سے ہو۔ کیونکہ روح تو کوئی زائد
موجود نہیں۔ پس اب ضرور ہے کہ ان میں سے کسی حمل کو برس
دن کسی کو دو برس تک کسی کو ۱۰ برس تک جب تک کہ کوئی
روح پچھلے قالب سے جدا نہ ہو ملتوی کرنا پڑے بلکہ بہت سے حملوں
کو ساقط کرنا پڑے۔ غرضکہ اگر تناسخ صحیح ہے تو اطباء اور فلاسفہ
کی مقررہ میعاد حمل کبھی باقاعدہ نہیں رہ سکتی۔ بلکہ ہمیشہ اس میں
اختلاف در اختلاف پڑتا جاوے۔

اور اس میں بڑی دقت یہ ہے کہ اگر ایک روح کو فرض کرو
کہ بہت معصیت زدہ قالب شاہی قالب میں ڈالنا ہے۔ مگر
تا حال کسی والدین کے ہاں ان کے سابقہ جنم کے عوض میں اس
قسم کا بچہ پیدا کرنیکا موقعہ نہیں۔ تو ایسی حالت میں آریہ
کے ایشر کو بڑی دقت واقع ہو گی۔ اور فرض کرو کہ لاکھ سال
تک کسی کے ہاں ویسا بچہ پیدا نہ ہو سکتا ہو تو لاکھ سال تک

یہ مسئلہ بھی عقلی اور سمجھا جا سکتا ہے۔ پس ناقابل طور پر جاننا
لگے رہتے ہیں ایک مقررہ وقت کے بعد روح کا چھوڑ جانا بدن کے حدوث کا
پہلا ثبوت ہے۔

روح کے خواص (صفات) اور افعال

(۱) روح کے صفات میں سے ہے کہ وہ مدرک بالذات ہے اور اپنے آپ اور اپنے رب اور خالق کو پہچانتی ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے ظاہر ہے۔ کہ الست بربکم قالوا بلیٰ۔

(۲) روح مربی بدن اور حافظ ترکیب بدن ہے اور متصرف بالآلات جیساکہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ قل الروح من امر ربی تو کہہ دے کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے جو اس کے ارادہ و حکم قدرت سے نقش ظہور پکڑ کر بدن کیلئے اس کی صفت ربوبیت کا مظہر بنگیا ہے۔ کہ اسی کے وجود سے بدن کا وجود و قیام ہے۔ وہ بدن میں نہ ہو تو جسم مٹی کا ہی ہے۔

(۳) روح میں کام کرنے کی طاقت اور افعال کے صدور کا اختیار رکھتی ہے۔ روح سے افعال اس طرح ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ ابتداءً روح انسانی میں ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ جسکا اثر دل پر ظاہر ہوتا ہے۔ پھر روح حیوانی کے وسیلہ سے کہ وہ بخار لطیف دل کے درمیان ہے سرایت کرکے دماغ کو پہنچتا ہے۔ پھر وہاں سے پٹھوں کی طرف جاتا ہے جو دماغ سے خارج ہیں۔ پھر پٹھوں سے اوتار اور رباط کی طرف جاتا ہے جو عضلات سے متعلق ہیں۔ پھر اس سے اوتار کھینچے جاتے ہیں۔ تو اس سے انگلیاں حرکت کرتی ہیں اور انگلیوں سے مثلاً قلم کو حرکت ہوتی ہے۔ اور قلم سے سیاہی کو تو سیاہی سے کاغذ پر جس صورت کے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ صورت ویسی ہی لکھی جاتی ہے۔ جیساکہ خزانہ خیال میں متصور تھی۔ کیونکہ جب تک مکتوب کی صورت اول خیال میں متصور نہ ہو۔ کاغذ

اس کا لکھنا ممکن نہیں۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کے پیدا کرنے کی کیفیت میں غور کیا کہ نباتات اور حیوانات کو آسمان اور ستاروں کی حرکت سے پیدا کیا اور آسمان اور ستاروں کو ملائکہ سے حرکت دلائی تو جان لے گا کہ انسان کا تصرف عالم اصغر یعنے بدن میں ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ جان کا تصرف عالم اکبر نے میں اور معلوم کریگا کہ انسان کا دل باعتبار اس کے تصرف کے بمنزلہ عرش کے ہے اور دماغ بمنزلہ کرسی کے اور حواس بمنزلہ ملائکہ کے جو ہر طرح اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں اور ان کی جبلی عادت خدا کی اطاعت ہے اور خلاف امر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور پٹھے اور اعضاء انسان کے بمنزلہ آسمانوں کے ہیں اور انگلیوں کی طرف بمنزلہ طبیعت کے ہے۔ جو جسموں میں گڑی ہوئی اور جما ہوئی ہے اور سیاہی بمنزلہ عناصر کے ہے۔ کو جمع اور ترکیب و تفریق کے لئے۔ اصل ہیں۔ اور انسان کے خیال کا خزانہ بمنزلہ لوح محفوظ کے ہے۔ غرض کہ انسان ایک عالم کبیر کا فوٹو ہے۔ کہ جس طرح خدائے تعالیٰ قیوم عالمین۔ عالم کبیر میں تصرف کرتا ہے۔ اسی طرح انسان خدا تعالیٰ کا مظہر ہو کر عالم صغیر میں تصرف کرتا ہے۔

(۴) روح کے خواص میں سے ہے کہ اپنے رب کا ظل اور صفات الٰہی کا مظہر ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ حی۔ قادر۔ سمیع۔ بصیر۔ متکلم وغیرہ صفات سے موصوف ہے۔ اسی طرح روح انسانی بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ پس انسان خدا کا خلیفہ۔ زمین میں اس کا نائب۔ اسکی صفات کاملہ کا مظہر اور خلعت خلافت سے متمتع ہے۔ اشیاء و مناسب مثالوں کے ساتھ پہچانی جاتی ہیں۔ اگر انسان میں یہ صفات نہ ہوں تو انسان اپنی معرفت سے اپنے خالق کی ذات و صفات کی معرفت کی طرف پے نہ لیجاتا نہ اس کو پہچان سکتا۔ نہ اسکی

معرفت میں ترقی کرسکتا۔ انسان کو جو اللہ تعالےٰ نے بہیئت عالم کبیر
کی عکسی تصویر بناتا ہے۔ وہ اسباب میں بمنزلہ خدا کے مصور
ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ انسان کو اس وضع اور صورت کا نہ بناتا
تو وہ صفات الٰہی جیسے تصرف۔ ربوبیت۔ فعل۔ علم۔ قدرت
وغیرہ کو نہ پہچانتا اب نفس انسانی اپنی مناسبت سے اپنے
خالق کی معرفت کا یقیناً آئینہ ہے۔ جس سے صفات الٰہی
جلوہ گر ہو رہی ہے۔

اب ہم روح کے خواص وصفات اور اس میں جو عجیب
قسم کی طاقتیں اور استعدادیں پائی جاتی ہیں۔ جنکو قرآن
شریف میں اللہ تعالےٰ نے متفرق مقامات میں بڑی تفصیل
کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ نمبروار اجمالی طور پر
یہاں بیان کرتے ہیں۔ تفصیل وار رسالہ حدوث مادہ و روح
میں بیان کرینگے۔

(۱) اجسام کے ساتھ متعلق ہونیکی طاقت۔
(۲) اجسام میں تصرف کرنے کی طاقت میں۔
(۳) اپنے تئیں پہچاننے کی صفت۔
(۴) اپنے مربی و مالک کو پہچاننے (معرفت الٰہی) کی صفت۔
(۵) اپنے ارادہ اور اختیار سے کسی کام کو کرنے کا ارادہ اور طاقت۔
(۶) علوم اور معارف کی طرف شائق ہونیکی قوت۔
(۷) قسم قسم کے علوم کو حاصل کرنے کی قوت۔
(۸) علوم حاصل کردہ کو محفوظ رکھنے کی طاقت۔
(۹) نئے علوم اور امور کو ایجاد کی طاقت۔
(۱۰) خدا سے عشق و محبت پیدا کرنے کی صفت۔
(۱۱) فیضان الٰہی سے متلذذ ہونے کی صفت۔
(۱۲) مکاشفات کی قوت۔
(۱۳) مورد الہام ہونیکی طاقت۔

(۱۴) صفات الٰہی کا مظہر ہونے کی اور رنگین برنگ تجلی الوہیت ہونیکی قوت۔

(۱۵) کمالات غیر محدود کے حاصل کرنے کی طاقت۔

(۱۶) عقلی قوت جس سے حسن و قبح کا امتیاز ہوتا ہے۔

(۱۷) اشیاء عالم میں تصرف کرنے کی قوت۔

(۱۸) بسطی و قبضی حالت پیدا ہونے کی طاقت۔

(۱۹) دکھ اور سکھ سے متاثر ہونے کی خاصیت۔

(۲۰) جزا و سزا بھوگنے کی قوت۔

(۲۱) باہم عامل و معمول ہونیکی قوت۔

(۲۲) اتقاءِ اثر و قبول کی ایک قوت بمقابلہ اپنے اجسام متعلقہ کے

(۲۳) تصفیہ باطنی کے بعد روحانی چیزوں ملائکہ وغیرہ کے دیکھنے کی طاقت۔

(۲۴) ایک دوسرے سے اُنس کرنے کی طاقت جسے کشش متناطیس کہنا چاہیئے۔

(۲۵) ابدی طور پر قایم رہنے کی قوت۔

اسی طرح اور بہت سی قوتیں ہیں جنکا مفصل بیان نہائیت لطافت اور خوبی کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہم آریہ لوگوں سے جو اہل اسلام کو ارواح کے گن اور سبھاؤ سے کلیتہً بے خبر بتاتے ہیں۔ التجا کرتے ہیں کہ براہ مہربانی وہ لوگ وید سے روح کو کوئی گن [illegible] تھا۔ جو ان کے خیال میں قرآن شریف [illegible] انشاء اللہ تعالیٰ نے اس سے تفصیل کے ساتھ اور [illegible] شریف [illegible] کر دکھا دینگے۔ الحال ہم اسی [illegible] کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی فعلی اور قولی کتاب

تناسخ پر ایک نظر

انسان کی ہدائیت کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے دو کتابیں نازل شدہ

ہیں ایک فعلی کتاب جو صحیفۂ قدرت سے مراد ہے۔ جس کے احکام خدا تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین اور اٹل سنتیں ہیں جو نظام کائنات میں خود بخود اپنا عمل کر رہی ہیں۔

دوسری قولی کتاب جو خدا تعالیٰ کی وحی و الہام سے مراد ہے۔ جو مختلف صحائف توریت۔ انجیل۔ زبور۔ قرآن وغیرہ کی صورت میں انسان کی ہدایت کے لئے مختلف اوقات میں انبیاء پر نازل ہوئیں۔

ان دونوں کتابوں کے قوانین و احکام سے واقفیت حاصل کرنا اور پھر ان کی تکمیل کا خیال رکھنا بقدر استطاعت بشری اُن پر عملدرآمد کرنا ہر ایک انسان کا فرض لازم ہے دونوں کتابوں کی موافقت سے سزا برداشت کرنی پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کی مخالفت عموماً اسی دنیا میں ساتھ ساتھ سزا دیئے جاتی ہے اور اس کی قولی کتاب کی مخالفت بعض اوقات اس دنیا میں بھی اور اکثر نشأۂ اُخرے میں ثمرہ اور سزا کو پہنچانیوالی ہے۔

ان دونوں کتابوں کا باہم گہرا تعلق ہے۔ اور اکثر کر کے حق تعالیٰ کی قولی کتاب میں دونوں کی نسبت ہدایات پائی جاتی ہیں اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔

فعلی کتاب کی مخالفت سے عموماً جھٹ پٹ سزا ملجاتی ہے۔ اور فعلی کتاب کی مخالفت کی سزا قولی کتاب کی مخالفت کی سزا کا یقین دلاتی ہے ورجزائے عقبے کو حق الیقین تک پہنچاتی ہے۔

مثلاً فعلی کتاب کا ایک حکم ہے۔ کہ جو چیز اوپر سے پھینکی جائیگی زمین پر گرے گی۔ تو پھر اس لئے کسی شخص کو کوٹھے پر سے گرنا نہیں چاہئے۔ ورنہ کشش زمین اُسے زمین پر دے مارے گی۔ اور وہ شخص حیات دنیاوی سے محروم ہو جائے گا۔ اب اگر ایک شخص [illegible] کوٹھے سے گر جاتا ہے تو یہ اس کی بے احتیاطی کا قصور ہے۔ اس نے [illegible] تعالیٰ کی فعلی کتاب کے حکم (قانون قدرت) کو توڑا ہے۔ ضرور ہے کہ اس کے حکم توڑنے کی اُسے سزا ملے۔ پس

یہ سزا علی الفور مل جاتی ہے کہ وہ زندگی سے محروم ہو جاتا ہے یا سخت نقصان اٹھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قولی کتاب میں اس بات کی نسبت ہدایت ہے۔ کہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

ایسا ہی اگر کوئی شخص آگ یا پانی سے احتیاط نہیں کرتا۔ پانی میں بلا تحاشا کود پڑتا ہے۔ آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب اپنی مخالفت کی علی الفور سزا دیگی۔ سانپ کے بل میں انگلی دینے والے زہر کے کھا لینے والے انسان کو قدرت خود ہلاک کر دیگی۔

ہیضہ کا موسم ہے۔ ہوا خراب ہے۔ لوگ عام طور پر مر رہے ہیں اب جو شخص اس موسم میں بد پرہیزی کریگا۔ اور ناپاک نشانہ کھانا کھائے گا۔ ضرور ہے کہ اس کا نتیجہ بھگتے۔ اس میں انسان خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کی مخالفت کرکے اپنے تئیں آپ ہلاکت میں ڈالتا اور اپنی زندگی غارت کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی قولی کتاب بھی اس کے مخالف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ کھاؤ پیو اور حد اعتدال سے نہ بڑھو۔ بد احتیاطیاں بد پرہیزیاں اور بد اعتدالیاں نہ کرو۔ کثرت عیاشی کا نتیجہ آتشک و سوزاک ہے۔ جسکا اثر انسان کے مادہ منویہ پر ہونے سے اولاد تک جا پہنچتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی فعلی اور قولی دونوں کتابیں اسکو اس فعل بد سے منع کر رہی ہیں۔ مگر انسان خدا کی آواز کو نہیں سنتا۔ سو خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کی مخالفت ایک نہ ایک دن اُسے ضرور مرض آتشک و سوزاک میں گرفتار کرے گی۔ اور اگر ابھی تک اس سزا میں گرفتار نہیں ہوا اور پہلے موت آگئی تو قولی کتاب کی مخالفت کی سزا یوم الدین کو ضرور بھگتنی پڑیگی۔

نیچر کی آواز اور خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کا حکم ہے۔ اور قولی کتاب میں اس کی نسبت ہدایت ہے کہ ہر بات میں اعتدال

ملحوظ رکھو۔ معتدل غذائیں کھاؤ۔ طیبات استعمال کرو مباشرت اعتدال کے ساتھ کرو۔ خلاف واقع فطرت افعال سے اجتناب کرو۔ اب جو شخص خدا تعالےٰ کی فعلی کتاب کی مخالفت کریگا ضرور ہے کہ اسکا ثمرہ بھگتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کثرت مباشرت یا بے اعتدالی اور خلاف فطری امور سے بیج بگڑ کر یا غیر معتدل ہو کر اولاد کے نقصان و عیب ناک ہونے کا موجب ہو جاتا ہے اور جیسا بیج ہوتا ہے ویسی پیدائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم اکثر الناس لا یعلمون، منیبین الیہ واتقوہ۔ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم وقدموا لانفسکم واتقوا اللہ واعلموا انکم ملاقوہ وبشر المومنین واتوا البیوت من ابوابھا ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا ولن تجد لسنت اللہ تحویلا لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون وما ظلمناھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون ان اللہ لیس بظلام للعبید۔ اللہ کا نیچر وہی ہے جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ خدا کی پیدائش میں ادل بدل نہیں پکا اور مضبوط دین یہی ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ لوگو تم سب کے سب اللہ کی طرف رجوع ہو جاؤ اس کی ہدایتوں کی پیروی کرو۔ خواہ فعلی ہوں۔ خواہ قولی۔ اور اس کے برخلاف کرنے سے بچو۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ سو تم اپنی کھیتیوں میں جب چاہو۔ آؤ مگر اس بات کا خیال رکھو کہ تمہارا وہ آنا تمہارے آئندہ کیلئے ہر طرح کی خیر و برکت کا موجب ہو۔ نہ فضول اور رائیگاں یا خلاف وضع فطرت نہ ہو اور خدا تعالےٰ کے قوانین کی خلاف ورزی اور نہ فطرت بھی آور نہ کے برخلاف کرنے سے بچو۔ اور جان لو کہ تم نے اللہ تعالےٰ

ایسے جو خدا قرمد ملنا چاہتے تم کو اپنے قوانین کے توڑنے سے بچاتا
اچھا شیرا دیگا - اور استغفار و خدا کے کلام پر یقین کرنے والے اور
اور جس کی ہدایتوں پر عمل کرنے والے ہیں اگرچہ مقامات سے کہ انہیں
وہ اولاد صالح عطا فرمائے گا - جو اُن کی آئندہ روحانی اور جسمانی
زندگی میں ہر طرح خیر و برکت کا موجب ہوگی - اور چاہئے کہ تم گھروں
میں اُن کے دروازوں کی راہ سے آؤ - یعنی ہر بات کے اسباب
مناسب کی رعایت رکھو - قوانین الٰہی کی پیروی کرو اور اپنی
جانوں کو (قوانین الٰہی کی خلاف ورزی کر کے خواہ مخواہ) ہلاکت
میں نہ ڈالو - اور جو شخص خدا کی حدوں سے تجاوز کریگا - سو
اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور تم کبھی خدا کے قانون کو بدلتا
ہوا نہ پاؤ گے - اور نہ اُس کے آئین کو پلٹتا ہوا پاؤ گے - وہ
جو کچھ کرتا ہے - (یعنے جیسے قوانین اُس نے وضع کر رکھے ہیں)
اُن کی بابت پوچھا نہیں (یعنی اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا
کہ ایسے قوانین کیوں مقرر کئے) اور لوگوں کو بازپرس ہوتی ہے
کہ تم لوگوں نے کیوں اس کے قوانین مقررہ سے تجاوز کیا - اور
ہم لوگوں پر ظلم نہیں کرتے - لیکن لوگ آپ ہی (ہمارے قوانین
کی مخالفت کر کے) اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں اور خدا تو بندوں پر
ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں -

جو آیات ہدایت متعلق اوپر ذکر کی گئی ہیں - اُن سے
ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کا نیچر وہی ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا
کیا - یعنے انسان الٰہی قوانین پر عمل کرنے اور نیچر کی آواز پر
چلنے سے عمدہ اور اعلیٰ زندگی بسر کر سکتا - اور وہیں قیام کا نتیجہ
ٹھہر سکتا ہے - جو اللہ تعالےٰ نے اس کے لئے وضع کئے اور جن کی
نسبت اپنے کلام پاک میں یہی اشارہ کر کے فرمایا ہے کہ
ام الکتاب (قرآن شریف) میں تمام کتب کا لب لباب درست
جمع کر دیا اور کوئی روحانی اور جسمانی ہدایت باقی نہیں چھوڑی کہ
لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین -

جو شخص قوانین قدرت کی پیروی کرتا ہے وہ سکھ چین پاتا اور راحت میں رہتا ہے۔ جو فعل قوانین قدرت کی خلاف ورزی کر کے ہو وہ برا پھل حاصل کرتا اور دکھ میں مبتلا ہوتا ہے۔ خدا تعالٰے نے دنیا کو جس حالت میں پیدا کیا۔ وہ جنت جیسی تھی۔ لیکن انسان نے قوانین الٰہی کی خلاف ورزی سے جس ڈھنگ کا بنا لیا۔ وہ اس سے بہت متفاوت ہے۔

خدا تعالٰے کا یہ فرمانا کہ تم گھروں میں ان کے دروازوں کی راہ سے داخل ہو۔ اور جس نے اللہ کی حدوں سے تجاوز کیا۔ اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اور یہ کہ تم اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت پڑو۔ اور یہ کہ عورتیں تمہاری تمہارے لئے بمنزلہ مزرع کے ہیں۔ پس اپنی کھیتیوں میں مناسب طور پر جاؤ۔ قوانین ازدواج و آئین مباشرت کا خیال رکھو۔ بیج کو ضائع مت ہونے دو۔ خراب بیج کھیتی میں مت بوؤ اور وہیں بوؤ جہاں اُگنے کی امید ہے۔ ایسا بیج بوؤ جو قدمت لکم کا مصداق اور آئندہ کی خیر و برکت کا موجب ہو اور اولاد صالح و سالم کی پیدائش کا موجب ہو۔

یہ تمام آیات عالیہ ظاہر کر رہی ہیں کہ نوع انسانی میں جس قدر تکالیف امراض اسقام و آلام وغیرہ پھیل رہے ہیں بعزوا سے نبما کسبت ایدیکم کے اسکی اپنی کرتوتوں کا ثمرہ اور قوانین قدرت کے توڑنے کا نتیجہ ہے۔

اگر وہ اللہ تعالٰے کے قوانین مقررہ اور حدود معینہ کی ہمیشہ رعایت رکھے۔ اس کے کلام پر عمل کرے۔ اسکی فعلی اور قولی کتاب کی آیتوں پر کاربند ہو۔ تو کبھی کوئی مصیبت اور تکلیف اس کو نہ دکھائے نہ عالم روحانی میں نہ عالم جسمانی میں۔

خدا تعالٰے کی فعلی کتاب کی مخالفت کا نتیجہ زیادہ تر انسان اسی دنیا میں بھگتتا ہے۔ اور قولی کتاب کے خلاف اعمال کا نتیجہ اُس کے دل پر منقش ہوتا جاتا ہے۔ جس کے موافق مرنے کے بعد اُسے نیا جنم ملتا ہے۔ اور پھر جب تک۔ اللہ چاہے گا۔ اس کی سزا

جاری رہیگا وکل انسان الزمنا طائرہ فی عنقہ و نخرج یوم القیامۃ کتابا یلقاہ منشورا۔ اقرا کتابک کفی بنفسک الیوم حسیبا۔ کلام ربانی کے موافق کرسوں اور اس کے پہل یعنے عمل اور جزا کا سلسلہ ہر وقت اور ہر آن جاری ہے۔ کوئی فعل نہیں جسکا نتیجہ نہ ہو۔ کوئی عمل نہیں جس کا ثمرہ نہ ہو۔ کوئی کرم نہیں جسکی جزا نہ ہو۔ وہ مالک مالک یوم الدین ہر آن اور ہر وقت اعمال کی جزا دے رہا ہے۔ انسان کا ادنے سے ادنے کام چھوٹی سی چھوٹی حرکت بھی بغیر جزا اور نتیجہ کے نہیں۔ انسان جو غذا کھائے۔ معدہ میں پہنچنے کے بعد جسم کو اپنی خاصیت اور اثر سے متکیف کردیگی جو فعل کرے رجوع ہے اُس کا اثر علی الفور پہنچ جائیگا۔ خدا تعالے کی فعلی یا قولی کتاب کی کہیں مخالفت کرے۔ اس کا نتیجہ فوراً بھگت لیگا۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہٗ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہٗ۔ ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون۔ پس اللہ تعالےٰ نے جو قانون جس امر کی نسبت انسان کے لئے مقرر کیا ہے اُس قانون پر چلنے سے انسان دونوں جہان میں راحت اور آرام حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے برخلاف عمل کرنے سے دارین میں دکھ اور مصیبت اُٹھاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ان سعیکم لشتی۔ تمہاری کوششیں دنیا میں مختلف ہیں اور اپنے اعمال ہی کے بموجب دکھ سکھ راحت مصیبت اُٹھاتے ہیں۔ وما اللہ یرید ظلما للعلمین اور خدا تو دنیا جہان پر ہرگز زیادتی اور ظلم کا روادار نہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہم انہیں ضرور اپنی

لہ مالک ہے انصاف کے دن کا۔ یعنی ہر بعد انصاف کیا جاتا ہے۔

[illegible] تجزون ما کنتم
تعملون - یعنی تمہارے اعمال ہی کے موافق جزا ملتی ہے -

ان آیات بینات سے ظاہر ہے کہ انسان کو جو تکلیف دنیا
میں سامنے آرہی ہے - اسی کے اعمال کا نتیجہ ہے وہ اپنی غلطی
سے ہی تمام دکھ بھوگتا ہے - حدود اللہ (قوانین قدرت)
کی مخالفت کی ہی وجہ سے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے - ورنہ اللہ
ہرگز کسی پر ظلم کرنیکا روا دار نہیں -

انسان پر دنیا میں جو مصیبتیں واقع ہوتی ہیں - عموماً خدا تعالے
کی فعلی کتاب (قوانین قدرت) کی مخالفت کیوجہ سے ہیں - اور
جو آخرت میں ہونگی اس کی قولی کتاب قرآن شریف کی مخالفت
کی وجہ سے ہونگی - اگر وہ حدود الہی کی مخالفت سے اپنے
تئیں بچالے تو دنیا اور آخرت میں راحت اٹھائے -

پس دنیا میں انسانی تکالیف کا موجب حدود اللہ کا
توڑنا - خواہ کوئی بچہ توڑے خواہ جوان - خواہ بوڑھا خواہ
کسی کے والدین یا اور رشتہ دار جس قدر دنیا میں امراض
مستقام الامر وغیرہ پیش رہے ہیں - سب قوانین قدرت
کے خلاف ورزی کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں اور اسی خلاف ورزی
نے نوع انسانی کے حالات کو یک دوسرے متفاوت اور
مختلف بنا دیا ہے -

جو شخص جہاں اللہ کی حدود کو توڑتا ہے - وہیں تکلیف اور
سزا پاتا ہے - جہاں حدود اللہ کی رعایت رکھتا ہے - آرام
اور آسائش پاتا ہے - یہ تمام دکھ خدا تعالے کی پاک مرضی
سے نہیں - نہ وہ بندوں کی تکالیف کا روادار یا اُن پر راضی
ہے - ولا یرضی لعبادہ الکفر - لیکن انسان حدود اللہ کو توڑ
کر آپ اپنا بُرا کرتا ہے - وما ظلمہم اللہ ولکن کانوا
انفسہم یظلمون -

اگر تمام لوگ حدود اللہ کی رعایت رکھیں - آئین ایزدی اور

قوانین سرشٹی کو نہ توڑیں۔ تو سب کے سب آسودہ اور بہترین حالت میں ہو جائیں۔ یورپین قومیں اعلےٰ سے اعلےٰ حالت میں ہیں اور نہایت آسودہ اور شائستہ وہ جس قدر خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب پر عمل کرتے ہیں۔ اُس کا پھل اُٹھا رہے ہیں اور دنیا میں ترقی کے معراج پر ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کسی کا پھل ضائع نہیں کرتا۔ خواہ کوئی فعلی کتاب پر عمل کرے یا قولی پر ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اس کا باعث گذشتہ جنم کے اعمال یا تناسخ کے ماننے والوں کی کتاب آسمانی (وید) کی تعمیل یا عدم تعمیل ہرگز نہیں۔

اگر وید پر عمل کرنا کسی قوم کی بہتری اور تباہی۔ سکھ اور دکھ کا مدار علیہ ہوتا۔ تو ہمیشہ وہ لوگ آسودہ رہتے۔ جو وید پر عمل کرتے۔ دوسری کوئی قوم کسی حالت میں آسودہ نہ ہو سکتی جو لوگ وید پر عمل کرتے۔ اسی قوم میں آسودگی آ جاتی۔

لیکن مشاہدہ اس کے برخلاف ہے۔ الٹا وید پر عمل کرنے والے دوسری قوموں کے محکوم ہیں۔ اور ہمیشہ غیر قوموں کی حکومت کے تختہ مشق رہے۔ حالانکہ دنیا میں دسریہ کی اندھیر گردی نہیں۔ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے۔ کہ اہل ہند (پیروان وید) کو غیر قوموں کی دستبرد سے محفوظ رکھا۔ اور اُن کو اُن کے اعمال کی جزا ہمیشہ اچھے سکھ دیتا۔ اور غیر کا محکوم نہ بناتا۔ وید مقدس نے بھی غیر قوموں کے ماتحت رہنے کو بد اعمالیوں کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ رگوید منڈل اشٹک ۴۹ منتر ۲ حالانکہ دوسری قومیں وید کی متبع نہیں۔ وہ نہایت آسودہ وید کے ماننے والوں پر بھی حاکم اور مسلط ہیں۔

ان سب باتوں سے ظاہر ہے کہ دنیا کے مصائب و تکالیف کسی سابقہ جنم کے اعمال کا پھل ہرگز نہیں۔ بلکہ اسی جنم کے اعمال کی وجہ سے ہیں جو شخص قدرت کے قوانین اور حدود الٰہی کو توڑتا ہے۔ سزا پاتا ہے۔ جو اطاعت کرتا ہے سکھ اُٹھاتا ہے۔ اس کو گذشتہ جنموں کے اعمال سے کچھ تعلق نہیں۔ یکوئی

انسان خاص مقدار کی تکلیف یا راحت کے بھوگنے کے لئے مجبور ہے۔ انسان کی تمام تکالیف حدود الہٰی سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہیں۔ اور اسی بات نے انسان کی حالت میں اختلاف ڈال دیا۔ انسان کی جسمانی بناوٹ میں نقائص وغیرہ کی وجہ قوانین ازدواج کی مخالفت ان میل اور بے جوڑ شادیوں کا وقوع اور سنن الہی کی خلاف ورزیاں ہیں۔ خدا تعالےٰ نے تو فرما دیا ہے کہ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم وقدموا لانفسکم واتقوا اللہ واعلموا انکم ملاقوہ وبشر المومنین۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ پس تم اپنے کھیتوں میں جب چاہو آؤ۔ مگر اس بات کا خیال رکھو کہ تمہارا وہ آنا آئندہ کی ہر طرح کی خیر وبرکت کا موجب ہو فضول اور رائیگان نہ جائے۔ طبعی شہوت کے موقعہ پر عورت کے پاس جاؤ۔ اور قوانین قدرت کی مخالفت کرنے سے اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم نے یقیناً اللہ تعالےٰ سے ملنا ہے۔ اب جو شخص اس کے برخلاف عمل کرتا ہے۔ ضرور ہے کہ وہ سزا پائے اس کا نتیجہ آپ بھگتے اور اولاد کو بھگتائے۔ اسمیں اللہ تعالےٰ کا نہ کوئی قصور ہے۔ نہ قدرت کی طرف سے کوئی ظلم ہے۔

اگر انسان بالغ ہونے پر شہوت صادق کی حالت میں فعل مباشرت کا مرتکب ہو اور پھر کھیتی کی ہر طرح احتیاط اور تعہد الفت کرے اور اولاد کی روحانی اور جسمانی تربیت کا خیال رکھے تو عمدہ سے عمدہ اور اعلےٰ سے اعلےٰ پھل (اولاد) حاصل کر سکتا ہے ورنہ حدود الہی سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ضرور کھیتی کمزور۔ ناقص اوچھی اور شکستہ ہو جائیگی۔ یعنی اولاد ناقص کمزور۔ اپاہج اندھی۔ کانی۔ گنجی وغیرہ پیدا ہوگی۔ اور اس کا ذمہ دار صرف انسان یعنی ماں باپ ہوگا۔ اور وہی دنیا اور آخرت میں اسکی سزا بھگتے گا۔ واعلموا انکم ملقوہ وبشر المومنین۔

خدا تعالےٰ واحد ہے۔ اس کے قوانین میں بھی وحدت ملحوظ ہے

نباتات۔ حیوانات اور انسان سب کے سلسلۂ پیدائش میں
ایک ہی اسلوب اور ایک ہی سنت اللہ ہے۔ کوئی بھید اور
پریشانی نہیں۔ جس طرح نباتات میں عمدہ تخم عمدہ زمین مناسب
کھادیں اور احتیاط نباتات کے عمدہ پیدا ہونے کا موجب ہیں
اور آئین فطرت کے بموجب اسباب مناسب کے بہم پہنچانے
سے عمدہ سے عمدہ نباتات اُگتی ہے۔ اور جس طرح پر حیوانات میں
جس قسم کا بیج زمین اور غذا ہوتی ہے۔ ایسا ہی قوی یا ضعیف کامل
یا ناقص حیوان پیدا ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سلسلہ پیدائش
انسانی ہے۔ جیسا زمین بیج اور غذا وغیرہ ملتی ہے۔ ویسا ہی
انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ اس پر
صحیح شاہد ہے۔ حکماء اور اطباء۔ فلاسفر اور اہل عقل سب
اس بات پر متفق ہیں۔

پس بلاشبہ یقیناً اور بلا ریب انسان میں جسقدر سوءِ شکل
اور نقص خلقت پایا جاتا ہے وہ تخم یا زمین یا غذا کی کیفیت و
کمیت کی وجہ سے ہے۔ یا اور قسم کی بے احتیاطیاں اور بے اعتدالیاں
اس کا موجب ہیں۔ تناسخ اور پچھلے جنم کے اعمال کو ان باتوں
سے کوئی تعلق نہیں۔

آریہ مسافر میگزین جالندھر اپنے رسالہ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء کے
صفحہ ۴۴ میں لکھتا ہے کہ باہمی لڑائی جھگڑے وغیرہ ہمیشہ خلاف
قانون قدرت وحشیانہ ان میل اور بے جوڑ شادیوں کا پھل
ہوتا ہے۔ اس وقت سوسائٹی کے اندر جو خوفناک امراض پھیل
رہے ہیں۔ وہ سب اسی قسم کی شادیوں کا نتیجہ ہیں۔ جب
تک کہ بجائے جابرانہ ترنگ آمیز اور رواجی شادیوں کے
آئین ایزدی کے مطابق پاک ترین۔ مبنی بر صداقت اور
عاقلانہ شادیاں رواج نہیں پاتیں۔ تب تک اس سنسار
کے اندر بھی شانتی نہیں پھیل سکتی۔ آریہ مسافر میگزین کے
اس قول پر ہم بھی صاد کرتے ہیں۔ اگر کوئی بچہ اندھا پیدا ہو

یا اسکی آنکھیں بالکل نہ ہوں یا بہرہ یا گونگا پیدا ہو گیا تو
یہ سب قانون قدرت کی خلاف ورزی اور حقوقات قدرت کی
عدم رعائت وغیرہ سے ہے۔ قدرت کو جیسا اور جس قدر مادہ
ملتا ہے وہ انسان کو اسی قدر حصہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر ایک بچہ
کے نطفے میں آنکھوں وغیرہ کے پیدا کرنیکا مادہ موجود نہیں
تو قدرت بطور خرق عادت پیدا نہیں کر سکتی اور نہ بقول آریہ
نیستی سے ہستی ہو سکتی ہے۔ قدرت ہر حال میں فیض ہے۔ اور
کبھی فیض سے رکتی نہیں۔ نہ بخیل ہے۔ بل یداہ مبسوطتان
ینفق کیف یشاء۔ بسا اوقات انسان حمل کی حالت میں مباشرت
کر بیٹھتا ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور ایسا ہی تمام نقصان
خلقت اور اپاہج وغیرہ ہونا صرف تخم کی کمزوری اور قانون
مباشرت کی عدم رعائت سے ہے۔

فلسفہ اسلام کے بموجب اگر انسان قانون ازدواج کی پوری
رعائت رکھے اور حدود الہی کے ہرگز تجاوز نہ کرے تو اخلاقی
روحانی جسمانی ہر بات میں وہ اعلے سے اعلے پیدا ہو سکتی
ہے۔ وید کی تعمیل یا عدم تعمیل کو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں
یہ تمام نتائج انسان کی بے احتیاطیوں بد اعتدالیوں اور قانون
مباشرت وغیرہ کی خلاف ورزیوں کے ہیں۔ پس پنڈت لیکھرام
صاحب کا یہ لکھنا کہ اگر تناسخ اسکا باعث نہیں تو پھر کیا بچہ
بچے نے قبل از پیدائش حمل میں کس طرح انگلی مار کر اپنی آنکھیں
پھوڑ ڈالیں۔ کس طرح اپنے پاؤں توڑ ڈالے۔ کس طرح حمل میں
بہرہ اور گونگا ہو گیا۔ کیسے غریب اور کنگال کے گھر میں پیدا
ہو گیا۔ (ثبوت تناسخ صفحہ ۵۰) صریحاً قانون قدرت اور علم طب
سے چشم پوشی ہے۔

قرآن شریف کے بموجب اگر انسان قانون ازدواج کا خیال رکھے
قرآن شریف کی آیت کلوا واشربوا ولا تسرفوا - اور
حدود نفسانیات پر عمل کرے تو کوئی نقص بچے میں افراط تفریط

بچے صدا اطاعت سے فرزند ہوں اور طبیبات یعنی مزاجی حالت کے موافق غذا کھانے
سے کسی انسان کی خلقت میں نقصان نہ ہو۔ نہ کوئی بیمار شخص ہو بلکہ ساری
عمر سکھ سے کاٹے اور یہ بات وید کی عدم ضرورت اور رد تناسخ پر
دلیل بین ہے۔

اور اسی وجہ سے ہم پنڈت لیکھرام صاحب کے الفاظ کو اٹھا کر اپنی پیرو قد جھگڑتے
ہیں کہ دنیا میں ہر ایک مرض اسی جنم کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ منہ سے بو آنا اور ہاتھوں میں
استقلال نہ ہونا علامت شراب نوشی کی۔ باد فرنگ اور آتشک ہونا علامت
لواطت بازی کی۔ کھانسی۔ بخار دائمی اور خون آنا علامت ہے تپ دق کی اور
یہ بڑے زبردست ثبوت ہیں۔ کوئی مرض بغیر سبب کے نہیں ہوتی۔ ہر ایک
معلول کیواسطے ایک علت کی ضرورت ہے۔ مرض کا سبب اور علت کا معلول دریافت
کرنا حکما کا کام ہے۔ نہ کہ بیوقوفوں کا۔ بیوقوف نہیں جانتے کہ تپ دق کیا چیز ہے
اور کیوں ہوتا ہے اور کیا کیا اس کے سبب ہیں۔ آتشک کی کیا وجہ ہے مخنث سے
بچے کیوں آتی ہے۔ انہیں نہیں معلوم کہ منطق کی ساری بنیاد علت اور معلول
پر ہے مگر یہ باتیں کسی حکیم حاذق سے پوشیدہ نہیں۔ بُرے کاموں کا پھل دکھ
اور بھلے کاموں کا پھل سکھ۔ ایک دنیا جانتی ہے اور اسکا ثبوت بدیہی ہے
پھر کیا وجہ ہے کہ جنم کے روگوں کے واسطے کوئی وجہ نہ ہو۔ حالانکہ خدا منصف
اور عادل ہے (ثبوت تناسخ صفحہ ۱۰۲)

اور گذارش کرتے ہیں کہ آپ کا حیران ہونا بالکل علم طب کی عدم واقفیت
اور علت و معلول کے سلسلہ کے نہ جاننے کی وجہ ہے۔ جس طرح پر یہاں اگر
ایک شخص دوسرے کو جبراً شراب پلاوے تو دوسرا بدمست ہو جاتا ہے اور
پہلا سزا کے لائق۔ اگر ایک شخص دوسرے کو عمداً مار ڈالے۔ تو مقتول بے قصور
اور قاتل قصاص کے لائق اسی طرح یہاں ماں باپ قوانین معاشرت و قانون
ازدواج کے خلاف کرکے بچے کو اندھا۔ لنگڑا۔ کانا ۔ بہرہ۔ کنگال
وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ وہاں بھی تمام بنیاد اعمال پر ہے یہاں بھی سارا اعتماد
بد اعمالیوں پر ہے۔ خدا کسی فطری عداوت سے دکھ نہیں دیتا نہ ذاتی محبت
و شفقت دلی سے سکھ [illegible]
خلاف [illegible]

عداوت نہ اتفاقیہ اور نہ جہالت خلق اللہ السموات والارض بالحق خدا نے آسمان و زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے اور جو کچھ کرتا ہے حکمت اور انصاف سے کرتا ہے۔ اندھا دھند اور ظلم نہیں۔ ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء لا الہ الا ھو العزیز الحکیم۔ وہی ہے جو ماؤں کے رحموں میں تمہاری شکلیں اور صورتیں بناتا ہے۔ جس طرح پر کہ وہ چاہتا ہے اس کے سوائے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہ عزیز و حکیم ہے عمدہ سے عمدہ شکل بنانے پر قادر ہے۔ لیکن بمقتضائے حکمت بناتا ہے جیسا اُسے مادہ ملتا ہے۔ ویسا ہی پیدا کرتا ہے۔ قدرت و حکمت کے برخلاف ہرگز نہیں کرتا۔

پس اب ہم پنڈت لیکھرام کو اختلاف احوال بنی آدم کے وجوہات کے بارہ میں انہی کے کلام کا اعادہ کرتے ہیں کہ آرام و تکالیف اعمال کے ثمرات ہیں۔ پس لڑکے بھی قانون قدرت کی خلاف ورزی میں گرفتار ہیں۔ (۱۱۷۴) اور کہ اگر ایک ناداں بچہ بھی قانون قدرت کے خلاف کرنے سے سزا پاتا ہے تو نہیں معلوم کہ ایسا اعتراض کیوں کیا گیا۔ ہمارے خیال میں تو نہایت ضروری ہے کہ تمام کرتوتوں کا پھل ملے۔

کوئی کرم ہرگز فنا نہیں ہوتا۔ اور نہ پھل دینے کے بغیر رہ سکتا ہے (دیکھو) میں نہ پڑو۔ خدا شششوں میں نہیں اُڑایا جاتا۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا پھل دیگا۔

اگر کھاتا فعل ہے اور ہضم کرنا فعل ہے تو بدپرہیزی یا خراب اشیا کے کھانیکا پورا پھل کیوں نہ ہوگا۔ کیا کھانا ہی تمام تندرستی کی جان نہیں ہے تو اسمیں خرابی آنا سب خرابیوں کی بنیاد کیوں نہیں۔ آپ کے اس بیان سے تو تمام ڈاکٹر حیران ہیں۔ کیونکہ ڈاکٹری کی کل بنیاد حفظ صحت اور خوراک اور اسکی پڑتال پر ہے۔ جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ انتہٰی (ثبوت تناسخ صفحہ ۱۴۰) اور سمجھتے ہیں کہ جب طرح غلہ بوئے کیواسطے علم زراعت سے آگاہی ضروری ہے ویسا ہی وجہ سے اعمالوں کا سلسلہ وچار و غور کرنے کیلئے نیچرل اسباب کی تلاش کیوں [illegible] ہے۔ [illegible] پھل ہیں۔ [illegible] سے بچنے کی غرض [illegible] نہیں [illegible]

اعمالی کو سیکھیں اور جب اسطرح قدرتی طریقوں پر غور کرنا سیکھ جائیں گے تو بالیقین مان لینگے۔ کہ تناسخ بالکل باطل اور عقل اور نقل کے خلاف ہے اُس کی قوی وجہ یہ ہے کہ امراض یا دکھ کے نیچرل اسباب کون سے ہیں صاف ظاہر ہے کہ بدپرہیزیاں اور بداعتدالیاں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کہاں سے آیئں یا کیا ہیں تو جواب سیدھا ہے کہ وہ کرم ہیں جنسے دکھ حاصل ہوتاہے اور اس کے خلاف اعتدال اور پرہیز ہے وہ کیا ہے ہمارے کرم۔ اس کا پھل سکھ اور آرام بھی لازمی ہے اور یہی اسی جنم کے اعمال کی جزا سزا کی اصل اور تردید تناسخ کی بنیاد ہے۔

پس جبکہ تمام دکھ سکھ۔ مرض وصحت اسی جنم کی بداعتدالیوں اور بدپرہیزیوں کا ثمرہ ہے تو باقی انسان پیدائش کی ناقص الخلقت یا اپاہج وغیرہ ہونیکے اسباب بھی تو بداعتدالیاں اور قانون قدرت کی خلاف ورزیاں ہی ہیں۔ پس تناسخ کے ماننے کی کیا ضرورت رہی؟

خصوصاً جیسا کہ آریاؤں کا صریح اعتقاد ہے کہ تمام بیماریاں دوسرے جنم کے اعمال کا ثمرہ نہیں بلکہ سوائے پیدائشی اور قدرتی بیماریوں کے اور تمام بیماریاں موجودہ بداعمالی کا نتیجہ ہیں (ثبوت تناسخ صفحہ ۱۲۲) اور کہ سارے کام پچھلے جنم کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سے نئے ہوتے ہیں۔ (ثبوت تناسخ ۱۲۹ و ۱۵۲)

پس جبکہ سوائے پیدائشی اور قدرتی بیماریوں کے اور تمام امراض واسقام موجودہ بداعمالی کا نتیجہ ہیں اور پیدائشی امراض کا موجب ماتا پتا کی بے احتیاطیاں ہیں۔ تو تناسخ صاف باطل ہوگیا۔

اعمال اور ان کی جزا

نشاۂ اُخرےٰ یعنی قیامت کا ثبوت

اعمال اور اُنکی جزا کی نسبت کتاب مبین کا یہ ارشاد ہے کہ انسان کا کوئی فعل یا قول ہرگز ضائع نہیں جاسکتا بلکہ ہر ایک عمل پر خداتعالےٰ کی طرف سے ایک نتیجہ اور ثمرہ مترتب ہوتا ہے جو اس فعل کی جزا ہے۔ قرآنی فلاسفی کے موافق کسی

کرم کا ناش ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک کرم پر ضرور پھل اور جزا ملتی ہے
جیسا کہ اللہ تعالے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یضیع عمل عامل
منکم من ذکر او انثی۔ یقیناً اللہ تعالے تم میں سے کسی کرم کرنیوالے کا
کرم ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ خواہ عورت ہو یا مرد فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا
یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ پس جو کوئی رائی برابر نیک عمل کرے
وہ بھی اسکی جزا دیکھ لیگا اور جو کوئی رائی پر برائی کرے وہ بھی اس کا بدلہ پائیگا
وان تخفوا فی انفسکم او تبدوہ یحاسبکم بہ اللہ خواہ تم اپنے جیوں
میں کوئی فعل چھپاؤ یا اُسے ظاہر کرو خدا اُسے ضرور محاسبہ میں لاتا ہے۔ جیسے ہی حرکات
وافعال سرزد ہوں ہر ایک فعل پر ایک جزا دیتا ہے۔ اس کی فعلی یا قولی کتاب
میں جسطرح پر جس عمل کی جزا ملنی مقدر ہے ضرور مل رہتی ہے ہرگز ہرگز ٹل نہیں
سکتی۔ جب تک کہ اس سے بچنے کیلئے وہ اسباب مہیا نہ کئے جائیں جو کتاب الٰہی
یا قانون قدرت میں اس کے لئے مہیا کئے گئے ہیں فیغفر لمن یشاء ویعذب
من یشاء پس جسکو چاہتا ہے بخشدیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے سزا دیتا ہے
یعنی جس شخص کی تدبیر اس کے قانون قدرت کے ٹھیک موافق پڑجاتی ہے اسے
بخشدیتا ہے اور جس کی مخالف ہو اُسے گرفتار کرتا ہے۔ واللہ علی کل
شیء قدیر۔ اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ صرف اس کے اسباب مہیا کرنیکی دیر ہے
خدا تعالے کو معاف کرنے میں دیر نہیں۔

اوپر جو آیات مذکور ہوئیں ان سے ظاہر ہے کہ ایک ذرا بھر کرم کا بھی ناش نہیں
ہوتا۔ اس کا ضرور بدلہ ملتا ہے خواہ دنیا میں۔ خواہ عقبےٰ میں۔ نیکوکاروں کو دنیا
میں بھی نیکی کا بدلہ کسی قدر ملتا ہے اور عاقبت میں پورا ملیگا جو دنیا میں کسی نیکی کا
بدلہ نہ پائیں گے وہ عاقبت میں اسکو پورا لینگے۔ (وانما توفون اجورکم
یوم القیمۃ) اور انکو بدی کا بدلہ دنیا میں مل جاتا ہے اور کسی بدی سے درگذر
بھی ہوجاتی ہے (ان الحسنات یذھبن السیئات) اور آخرت میں
وہ اس بدی سے پاک صاف ہو کر جائینگے اور بدکاروں ظالموں کو انکی بدیوں اور
ظلم کا بدلہ دنیا میں بھی کسیقدر ملجاتا ہے اور آخرت میں پورا ملیگا۔ اور جو دنیا میں
ظلم کا بدلہ نہیں پاتے۔ وہ آخرت میں ظلم اور گناہوں کا پورا بدلہ بھی اٹھائیں
جائیں گے اور اس کا پورا بدلہ پائیں گے۔ ان ظالموں سے دنیا میں کچھ نہیں ہوتی

ہے۔ جیسے بھوکے کو کھانا کھلانا یا پانی پلانا وغیرہ) تو اس کا بدلہ ان کو دنیا میں صحت و رزق و عافیت مل جاتا ہے اور اُن کا وہ عمل (بوجہ بغاوت شدید) بیکار و بے اجر نہیں رہتا۔ ہاں بوجہ عدم ایمان اور بغاوت من اللہ کے عاقبت میں اسکا کچھ اجر نہ ملیگا۔ کیونکہ انہوں نے بڑا ظلم کیا۔ لہذا اگر وہاں بھی اجر ملے۔ تو یہ نیکو کار ہوں یہ جنہوں نے گناہ سے اپنے آپ کو روکا اور اس کا بدلہ دنیا میں نہ پایا۔ قانونی و شرعی ظلم ہوگا جس سے خدا تعالے کی ذات پاک ہے۔ اللہ تعالے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون۔ کیا ہم مسلمان اور مجرموں کو ایک سا ٹھیرا سکتے ہیں۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ کیا فیصلہ کرتے ہو۔

جزا سزا نہ ہو تو انسان کی پیدائش ان حالات اور صفات کے ساتھ عبث ٹھیرتی ہے جس سے خدا تعالے حکیم و علیم کی شان بلند ہے۔ ہم ایک کاریگر لوہار کی ساخت سوئی یا گھڑی کا چکر دیکھتے ہیں تو اس سے یقین کرتے ہیں کہ اس سے سینا یا کسی کل کو چلانیکا کام لینا لوہار کو مقصود ہے اور جو سوئی یا چکر یہ کام نہ دے اس کا پھینک دینا مناسب ہے۔ پھر کیا صانع عالم کی مصنوعات صفات و حالات انسانی سے یہ یقین نہیں کرتے کہ ان سے روحانیت کا کام لینا خدا کا مقصود ہے اور جو کام نہ دے اس کو انسانیت کے زینہ سے گرا کر جلانیکا ایندھن بنانا مناسب ہے (ثم رددناہ اسفل سافلین)

اور چونکہ ہم صاف مشاہدہ کر رہے ہیں کہ دنیا میں بہت لوگ ایسے ہیں کہ اپنے عمل نیک و بد کا پورا بدلہ نہیں پاتے۔ بہت سے نیک عمل و خدا ترس ایسے ہیں جو مدت العمر اپنے ابنائے جنس سے حسن اخلاق و سلوک سے پیش آتے ہیں اور خدا کی عبادت میں شب و روز مصروف رہتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ دنیا میں تنگی اور تکلیف سے عمر بسر کر جاتے ہیں اور اپنے اعمال حسنہ کا پورا اجر دنیا میں نہیں پاتے اور بہت لوگ ایسے ہیں کہ مدت العمر فسق و فجور، ظلم و غفلت میں لگے رہتے ہیں اور وہ دنیاوی عیش و آسائش سے عمر بسر کرتے ہیں اور اپنے فسق و فجور ظلم و غفلت کی کچھ سزا دنیا میں نہیں پاتے۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ کچھی سزا جزا کا محل اس دنیا کی

اس کے سوا بہت سے نباتات کا اولاد انسان کے ایسے ہیں جنکی سزا و کام ... نہیں دیکھتا
دوسری زندگی نہ ہو تو ان نباتات فاسد کی کہیں سزا نہیں ملے۔

سو اکو ئی اور محل بھی ہونا چاہیے جسمیں اپنے اصلی تشخص کے ساتھ اپنے اعمال کی پوری جزا پائیں ورنہ پیدائش نوع انسانی عبث ہو جائیگی۔

وہ محل عاقبت یا قیامت ہے۔ جسکا ثبوت اللہ تعالے نے قرآن شریف میں سینکڑوں جگہ دیا ہے قرآن شریف کے رو سے خدائے عادل کے سب صفات ہر وقت کام کر رہے ہیں نیکی کو اسکی جزا ہر وقت مل رہی ہے جو دل کے نور سے تعبیر کیجاتی ہے اور شریر کو اس کی شرارت کی جزا ہر وقت مل رہی ہے جو دل کی ظلمت سے تعبیر کی جاتی ہے سو اسکے دل کی ظلمت یا دل کے نور کا انکشاف تام جو نشاء اخرے میں ہوگا جزائے کاملہ کے نام سے موسوم ہے

قیام قیامت کا یہی تو فائدہ ہے کہ انسان کو اس کے اعمال کی سزا جو مخفی طور پر ملتی رہتی ہے اور دل کی ظلمت یا دل کی نورانیت سے تعبیر ہوتی ہے اسکا انکشاف تام قیامت کے دن ہوگا اور حقائق اشیا گراہی میں کھل جائینگے۔ یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود۔ اُس دن تمام حقائق منکشف ہو جائینگے اور لوگ سجدہ کی طرف بلائے جائینگے۔ انتہی۔

اگر قیام قیامت کا یہ فائدہ نہیں تو آریہ جو یوم الدین کے منکر ہیں بیان کریں کہ ہمارا تری یا مہا پرلے کا کیا فائدہ ہے۔ کیا کئی ارب سال کے قریب انکا ایشر بے گن ہو جائیگا اور کہیں خواب غفلت میں سو یا رہیگا اگر قیام قیامت سے حقائق کا انکشاف تام مقصود نہ ہو (یوم تبلی السرائر) تو مہا پرلے کا وجود لغو۔ فضول اور رائیگان ہو جاتا ہے۔ حالانکہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ

پس یہی سچ ہے کہ قیامت تو جزائے اعمال کی بروزی صورت اور انکشاف تام کا نام ہے لیکن مخفی طور پر خدائے عادل اور مالک یوم الدین کی طرف سے ہر وقت اور ہر انسان کے ہر ایک فعل کی جزا مل رہی ہے جس میں کسی عقل مند کو ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس دنیا میں سزا جزا کا سلسلہ برابر جاری ہے جو حجاب قلوب انسانی پیدا کر رہا ہے۔ انسان جو فعل کرتا ہے اس کی جزا اسی وقت اللہ تعالے دیدیتا ہے۔ پس اس فعل کا اثر اور جو نقش جو دل پر پڑتا ہے وہی اسی فعل کی جزا اور نتیجہ ہے جسکی بروزی صورت یا ظل یوم الدین ہے۔

جزائے سزائے آخروی کی بین نظائر دنیا میں بھی موجود ہیں اور ہر ایک شخص کے مشاہدہ و تجربہ میں آ سکتے ہیں۔ انہی نظائر سے یقین حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے کہ جو حقیقی قسم کی جزا آخروی کی بھی ضرور ہو گی سو اس میں مطلق شک و شبہ نہیں ہے۔

پہلی قسم کی جزا سزا تو وہ ہے جو انسان کے جسم سے متعلق ہے اور اسکی جسمانی حالات اور طبعی خواص کا مقتضا ہے۔ انسان اگر قانون قدرت کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرے تو اس کی حالت بہترین ہو جاتی ہے اور اگر کسی بھی صورت میں خلاف ورزی کرے تو سخت دکھ اور نقصان اٹھاتا ہے۔ اگر بقدر موافق طبع کھائے تو تندرست رہتا ہے۔ اگر زہر یا خلاف طبیعت غذائیں کھائے تو مر جاتا ہے یا بیمار ہو جاتا ہے۔ گھوڑا اگر گھاس کھائے تو اچھا رہتا ہے۔ گوشت کھائے تو اسکی صحت میں فتور و قصور واقع ہو جاتا ہے۔ اسی راز کے نہ سمجھنے سے اور قانون قدرت پر خیال نہ کرنے سے آریوں نے تناسخ کا دامن جا پکڑا ہے۔ اور اور لوگوں کے بھنور میں پھنس کر جزا و سزائے عقبیٰ کے منکر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ مہاپرلے (قیامت عظمیٰ) کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔

دوسری قسم کی وہ سزا جو انسان کی روحانی صفات و قوائے مقتضا ہے۔ کسی انسان سے اگر دوسرے معصوم انسان کی جان بے گناہ و ناحق تلف ہو گئی ہو۔ تو اگرچہ کسی دوسرے غالب حاکم یا کسی اور شخص کو اسکی اس کرتوت کی خبر تک نہ ہوئی ہو۔ مگر اندر ہی اندر اس کا کانشنس اسکو ملامت کرتا ہے۔ اس کے دل میں رنج و افسوس پیدا ہوتا ہے اسکی روح کانپتی اور تھرتھراتی ہے اور اگر اس سے کسی مخلوق پر رحمت و شفقت عمل میں آئے تو اس کے دل پر فرحت و سرور بشاشت اور نور پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی سزا جزا ہے۔

تیسری قسم کی وہ سزا ہے کہ اعمال نیک و بد کے صلہ میں دنیا داروں کی طرف سے ملا کرتی ہے۔ جب کوئی نیک یا عالی حوصلگی کا کام کرتا ہے اور اس کام سے اہل دنیا کو اطلاع ہوتی ہے تو اخباروں کی طرف سے اس پر نعرہ تحسین و آفرین بلند ہوتا ہے۔ پبلک کی طرف سے اسکی غرض اس شخص سے متعلق ہو یا نہ ہو شاباش اور آفرین کی صدا بلند ہوتی ہے کہ فلاں شخص بڑا نیک یا عالی ہمت ہے جس نے ایسا کام کیا ہے۔ اور اگر وہ برائی کرتا ہے تو دنیا کے لوگوں سے اسپر نفرین اور سب و شتم کی آواز بلند ہوتی ہے اور چاروں طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہوتی ہے کہ فلاں شخص بہت برا آدمی ہے۔ جس نے ایسا برا کام کیا یہ تیسری قسم کی جزا و سزائے اعمال ہے۔

جب یہ تینوں قسم کی جزا سزا انسان کے معاملات سے ہے تو چوتھی قسم کی سزا جزا

کامل طور پر عالم عقبےٰ میں ملیگی۔ اُسے تسلیم کرنے میں کیوں شک اور تذبذب ہے؟

جب خدا منصف ہے تو تمام آدمی صورت شکل۔ دُکھ سُکھ وغیرہ حالات میں یکساں کیوں نہیں؟

بے شک اگر خدا تعالےٰ تمام انسانوں کو بذریعہ تولد (بلا واسطت) پیدا کرتا جسمیں انسانوں کے مادہ منویہ۔ غذا۔ احتیاطات۔ تن بیر و حکمت کو کوئی دخل نہ ہوتا۔ اور پھر اس قسم کا اختلاف پایا جاتا تو خدا تعالےٰ کی طرف گونہ بے انصافی کا وہم ہو سکتا۔ اگرچہ ایسی حالت میں بھی مالک اور متصرف کی طرف بے انصافی کا گمان کرنا نہایت درجہ کی حماقت اور سوء ادب تھا۔ لیکن جبکہ انسان بذریعہ تولد و مواصلت والدین پیدا ہوتا ہے۔ جس میں انسان کے مادہ منویہ (تخم) غذا وغیرہ امور کو دخل غالب ہے تو پھر انسانوں کے اختلاف حالت پر تعجب کرنا اور اُس کو گذشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دینا اور تناسخ کے چکر میں جا پھنسنا کسی حکیم کی عقل اور کسی فلسفی کا فلسفہ اسکو صحیح منطق کا نتیجہ قرار نہیں دیسکتا۔

انسان کی غذائیں مختلف بیج (تخم) کی تاثیرات مختلف۔ ارحام نساء و زمین کے خواص مختلف احتیاطات مختلف۔ پیدائش کے بعد غذائیں۔ تربیت اور تعلیم صحبت اور تفہیم مختلف ممالک اور آب و ہوا کی تاثیر مختلف اعمال و افعال انسانی مختلف کسب و محنت مختلف۔ پھر انسانوں کی صورت و شکل۔ رنگ و وضع۔ چال ڈھال۔ دکھ سکھ وغیرہ امور میں اختلاف کیوں نہ ہو؟ اختلاف تباین حالات کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس پر تعجب کیوں ہے؟ اور اسے تناسخ کا نتیجہ قرار دینا کس لئے؟ کسی عاقل کی عقل۔ حکیم کی حکمت اسکو باور نہیں کر سکتی۔ تناسخ کے ثبوت کیلئے قانون قدرت میں شہادت نہیں ملسکتا بھی نہیں اسکا ثبوت عقلی اور مدلل تو کہاں؟

بیج کا اختلاف۔ زمین کا اختلاف۔ احتیاطات کا اختلاف اور اُس کے بعد

تعلیم و تربیت کا اختلاف انسان کو مختلف پلیٹ فارموں پر کھڑا کر دیتا ہے۔ ورنہ اگر یکساں ہی قسم کی غذا کھائیں ایک ہی قسم کی احتیاطات مدنظر رکھیں ایک ہی قسم کی تعلیم و تربیت ہو۔ تو کبھی ان میں اختلاف ہو ہی نہ۔ قدرت کے تمام کام ایک ہی اسلوب اور ایک نہج پر چلتے ہیں انسان کیطرف سے موجبات اختلاف نہ ہوں۔ تو قدرت کبھی مختلف قسم کے اشخاص پیدا نہ کرے۔ ارواح سب یکساں ہیں جس قدر ان کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے صرف مختلف قوالب کیوجہ سے ہے۔

کسی نے موچی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ کسی نے آہنگری کا۔ کسی نے ملازمت۔ کسی نے تجارت صنعت۔ یا زراعت۔ یہ تمام امور انسان کے اپنے اختیاری ہیں۔ جونسا پیشہ چاہے چھوڑ دے۔ جونسا چاہے اختیار کرے۔ ان سب امور کو جو انسانی اختیار پر مبنی ہیں۔ تناسخ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ آریوں کی یہ بہت بڑی بھاری غلطی ہے کہ مختلف قسم کے پیشوں کو بھی تناسخ کیوجہ سے قرار دیتے ہیں۔ جو انسان پیدا ہونے کے بعد اپنی مرضی سے اختیار کرتا ہے۔

آریوں کے تناسخ کے بارہ میں بہت بڑی بھاری غلطی اور مغالطہ یہی ہے جو وہ کہتے ہیں کہ خدائے منصف نے کیوں افراد بشری میں اختلاف کیا۔ کیوں کسی کو بیمار۔ کسی کو تندرست۔ کسی کو دکھی۔ کسی کو سکھی۔ کسی کو صحیح و سالم۔ کسی کو اپاہج۔ اور جسم کا روگی۔ کسی کو روگی۔ کسی کو قوی۔ کسی کو ذہین۔ کسی کند ذہن۔ کسی کو غریب کسی کو امیر بنایا۔

اس کے جواب میں نہایت ادب سے گذارش ہے کہ خدا ہرگز ہرگز ظالم نہیں ہے نہ کسی سے اس کو عداوت۔ نہ وہ کسی سے جاہل یا غافل ہے بلکہ وہ اپنے مقررہ قواعد کے موافق برتاؤ کرتا۔ اور اپنے مقررہ قوانین کا ہر وقت خیال رکھتا ہے اس سارے اختلاف کا باعث انسان کے اپنے جسم کے بحالی طبیعہ اور حالات متقاضیہ ہیں۔ جوں جوں وہ قانون کو توڑتا ہے۔ ویسا ہی وہ سزا پاتا ہے اور جسقدر وہ قوانین قدرت کا خیال رکھتا ہے اسی قدر کامیاب اور برخوردار ہوتا ہے اگر کوئی بیمار ہوتا ہے تو اپنی بے احتیاطیوں اور پرخوری اور افراط تفریط کیوجہ سے اگر تندرست ہے۔ تو احتیاطات مناسبہ۔ معتدل غذا۔ اور ورزش وغیرہ کی وجہ سے کوئی دکھی ہے۔ تو اپنی بگڑی ہوئی وجہ سے سکھی ہے تو قوانین قدرت کا خیال رکھنے کیوجہ سے صحیح الاعضا پیدا ہوا ہے تو ماں باپ کی احتیاطات اور برج اور زمین کے عمدہ ہونے کی وجہ

واجب ہے تو اناج کی بے اعتدالیوں اور بداحتیاطیوں اور سلاطین جیسا فرد کی خلاف
مزاجی کی وجہ سے کثرت سنت۔ ذات۔ کند ذہنی کے بھی خاص طبعی باعث ہیں۔
جو آئین معاشرت کی موافقت یا مخالفت کی وجہ رجوع اسکتے ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے افلاس یا خدا تعالیٰ کی محنت مشقت یا
سستی و غفلت کی وجہ سے ہے۔ غرضکہ ہر امر کے لئے جدا جدا قدرتی باعث موجود
ہیں۔ جو نوع انسانی کے اختلاف کا موجب ہو رہے ہیں۔ مگر ان کو سابقہ جنم کے
اعمال سے کوئی تعلق نہیں جو قوم سنن الٰہی کی پیروی کرتی ہے خوشحال اور دولتمند
ہوجاتی ہے جو قوانین الٰہیہ سے منہ پھیرتی ہے خدا اُن کی حالت بدل دیتا ہے جیسا
کہ رگوید میں بھی یہ مذکور ہے کہ جب تک لوگ دھرم پر چلتے رہتے ہیں۔ تب تک سلطنت
بڑھتی رہتی ہے اور جب بداعمال ہو جاتے ہیں تو راج نیست و نابود ہو جاتا ہے۔
(منڈل اسکت ۹ منتر ۲)

اہل یورپ جو اسقدر دولتمند ہو رہے ہیں کونسے وید پر عمل کر رہے ہیں اہل امریکہ
کو وید کی تعلیم سے کہاں تک سروکار ہے پھر جب مسلمان ایک جہان کے بادشاہ اور
ساری دنیا کے دولتمند تھے انہوں نے وید کی کیا پیروی کی تھی۔ اور اہل ہند جو وید
کی تعمیل کا دعوے کرتے ہیں ہمیشہ کیوں مفلوک بدحال۔ اور دوسری قوموں کے
دست نگر اور ماتحت ہیں۔ حالانکہ وید کی رچائیں اُن کی دولتمندی اور سلطنت
دلا رہی ہیں۔

غرضکہ یہ سب باتیں ہیں ان امور کے طبعی اور نیچرل اسباب اور ہی ہیں جن کو
وید کی تعمیل اور تناسخ سے تعلق نہیں آریہ لوگ محض ایک اٹکل کے پیچھے پڑ رہے
ہیں جسکو صداقت اور یقین کے ساتھ تعلق تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے
ولا تقف ما لیس لک بہ علم جس امر کا تجھے مطلق علم نہیں اور تیرے احاطہ
ادراک سے بالکل باہر ہے خواہ مخواہ اسبات کے پیچھے مت پڑ۔

ے حکیم لوگ آب و باد و آتش و خاک کو مفرد سمجھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے انہیں عنصر
کہتے تھے۔ حال کے حکماء کیمیا دانوں نے تجربہ اور مشاہدہ سے اُن کا مرکب ہونا ثابت
کر دیا ہے پہلے ہی بنیاد کے خیالات۔ معدنیات اور گیس وغیرہ ۷۰ کے قریب
عنصر ثابت کئے گئے ہیں۔

تناسخ کا بطلان برہان یقینی سے

• دُنیا کے تمام حکما۔ اطبا۔ فلاسفر۔ اور عقلا۔ اس بات پر متفق ہیں کہ جیسی کچھ مادہ
میں خاصیت ہوتی ہے اسی قسم کی اس سے کوئی مادی چیز بنتی ہے اور جیسی نطفہ میں
تاثیر ہوتی ہے اسی قسم کا اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے انسان کا بدن عناصر اربعہ سے
مرکب ہے بدن کی بناوٹ۔ مزاج کی گرمی خشکی۔ سردی۔ تری۔ اختلاط کا اختلاف۔
انہی اربعہ عناصر کی کمیت وکیفیت پر منحصر ہے۔ رحم مادر میں جیسا نطفہ پڑتا ہے اور
نطفہ جو تاثیر وکیفیت رکھتا ہے اسی وصف اور مزاج اور طبیعت کا بچہ پیدا ہوتا ہے
اللہ تعالیٰ کی یہی سنت غیر متبدل اور یہی آئین فطرت اور قانون قدرت ہے جس
میں کسی دانشمند حکیم یا فلاسفر کو کبھی بھی اختلاف نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ اور نہ
ہوسکتا ہے۔ ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا ولن تجد لسنت اللہ تحویلا

• اس اصول حکمت کا قائل دسوید بقول آریہ وید بھی ہے آریوں کے ہندی
حکما اور علم ویدک کے موافق بھی جیسا نطفہ ہوتا ہے ویسا بچہ پیدا ہوتا ہے نطفہ
بھلائی یا برائی۔ نطفہ کے مزاج کی گرمی وخشکی یا تری۔ نطفہ کا ضعف یا قوت بچے
کی بھلائی یا برائی۔ مزاج کی خاصیت اور بدن کی ضعف وقوت کی مقتضی ہے۔
بلکہ انسان کے دماغی اور ذہنی قوے۔ دل وجگر کی خاصیت قوائے تناسل اور اعضا
رئیسہ کی بناوٹ ان کا قوت وضعف بھی نطفہ کی حالت مقتضیہ پر منحصر ہے جس قسم
کا نطفہ ہوتا ہے اُسی قسم کا بچہ قدرت الہیہ پیدا کردیتی ہے نطفہ کی تاثیر وخاصیت
پر بچہ کی آئندہ بدنی حالت اور زندگی کا بہت کچھ دار ومدار ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے
چنانچہ حاجی ڈاکٹر نذر حسین صاحب صابری۔ ایم۔ ایس اپنی کتاب آئینہ سنداک
کے شروع میں لکھتے ہیں کہ کیا حیوانات اور کیا انسان۔ جس قدر مخلوق اس جہان
فانی میں موجود ہے اس میں بقائے حیات اُن کے اعضائے تناسل کی صحت پر منحصر
ہے اگر یہ اعضا نکمے و مبتلائے مرض ہوں تو یہ اپنا فعل اچھی طرح ادا نہیں کر سکتے
اور نہ ہی صحیح وسلامت وتندرست پیدائش ہوسکتی ہے۔ اور نہ ہی ترقی نسل انسانی
ہوتا بجز اس کے نہ ہی ان سے لذات وعیش وخوشی حاصل ہوسکتے ہیں اعضائے
تناسل ہی تمام جہان کی صحت کا سبب ہے [illegible]

واقع ہوتی ہے کہ ماں باپ کی بہ نسبت طبیعت بسا اوقات بہت سے عالموں یا فرقہ کی خلاف
عقل کی وجہ سے تو ... سنت۔ نظام سکندر ذہنیت کے بھی خاص طبعی باعث ہیں
جو امن معاشرت کی موافقت یا مخالفت کی وجہ سے رجوع ہوتے ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے افلاس یا غنا تا ہی اسکی محنت مشقت یا
سستی و غفلت کی وجہ سے ہے۔ غرضکہ ہر امر کے لئے جدا جدا قدرتی باعث موجود
ہیں۔ جو نوع انسانی کے اختلاف کا موجب ہو رہے ہیں۔ مگر ان کو سابقہ جنم کے
اعمال سے کوئی تعلق نہیں۔ جو قوم سنن الٰہی کی پیروی کرتی ہے خوشحال اور دولتمند
ہو جاتی ہے جو قوانین الٰہیہ سے منہ پھیرتی ہے خدا اُن کی حالت بدل دیتا ہے جیسا
کہ رگوید میں بھی یہ مذکور ہے کہ جب تک لوگ دھرم پر چلتے رہتے ہیں۔ تب تک سلطنت
بڑھتی رہتی ہے اور جب بداعمال ہو جاتے ہیں تو راج نیست و نابود ہو جاتا ہے۔
(منڈل اسکت ۹ منتر ۲)

اہل یورپ جو مسلمانوں سے دولتمند ہو رہے ہیں کونسے وید پر عمل کر رہے ہیں اہل امریکہ
کو وید کی تعلیم سے کیا تک سروکار ہے پھر جب مسلمان ایک جہان کے بادشاہ اور
ساری دنیا کے دولتمند تھے انہوں نے وید کی کیا پیروی کی تھی۔ اور اہل ہند جو وید
کی تعمیل کا دعوے کرتے ہیں ہمیشہ کیوں مفلوک بدحال۔ اور دوسری قوموں کے
دست نگر اور ماتحت ہیں۔ حالانکہ وید کی رچائیں اُن کی دولتمندی اور سلطنت
داری ہیں۔

غرضکہ یہ سب باتیں ہیں ان امور کے طبعی اور نیچرل اسباب ہو رہے ہیں جن کو
وید کی تعمیل اور تناسخ سے تعلق نہیں آریہ لوگ محض ایک اٹکل کے پیچھے پڑ رہے
ہیں جسکو صداقت اور یقین کے ساتھ تعلق تک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے
ولا تقف ما لیس لک بہ علم جس امر کا تجھے متعلق علم نہیں اور تیرے احاطہ
ادراک سے باہر ہے خواہ مخواہ اسبات کے پیچھے مت پڑ۔

۱ قدیم حکماء آب و باد و آتش و خاک کو مفرد سمجھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے انہیں عنصر
کہا کرتے تھے۔ حال کے حکماء کیمیا دانوں نے تجربہ اور مشاہدہ سے ان کا مرکب ہونا ثابت
کر دکھلایا جس سے دنیا کے خیالات ... معدنیات اور گیسز ... سے ۷۰ کے قریب
عنصر ثابت کئے گئے ہیں۔

تناسخ کا بطلان بُرہانِ یقینی سے

دُنیا کے تمام حکما۔ واطبا۔ فلاسفر۔ اور عقلا۔ اس بات پر متفق ہیں کہ جیسی کہ مادہ میں خاصیت ہوتی ہے اسی قسم کی اس سے کوئی مادی چیز بنتی ہے اور جیسی نطفہ میں تاثیر ہوتی ہے اسی قسم کا اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے انسان کا بدن عناصر اربعہ سے مرکب ہے بدن کی بناوٹ۔ مزاج کی گرمی خشکی۔ سردی۔ تری۔ اختلاط کا اختلاف۔ انہی اربعہ عناصر کی کمیت وکیفیت پر منحصر ہے۔ رحم مادر میں جیسا نطفہ پڑتا ہے اور نطفہ جو تاثیر وکیفیت رکھتا ہے اسی وصف اور مزاج اور طبیعت کا بچہ پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت غیر متبدل اور یہی آئین فطرت اور قانون قدرت ہے جس میں کسی دانشمند حکیم یا فلاسفر کو کبھی بھی اختلاف نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ اور نہ ہوسکتا ہے۔ ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا ولن تجد لسنت اللہ تحویلا

اس اصول حکمت کا قائل وموید بقول آریہ وید بھی ہے آریوں کے ہندی حکما اور علم ویدک کے موافق بھی جیسا نطفہ ہوتا ہے ویسا بچہ پیدا ہوتا ہے نطفہ بھلائی یا برائی سے نطفہ کے مزاج کی گرمی وخشکی یا تری۔ نطفہ کا ضعف یا قوت بچہ کی بھلائی یا برائی۔ مزاج کی خاصیت اور بدن کی ضعف وقوت کی مقتضی ہے۔ بلکہ انسان کے دماغی اور ذہنی قوے۔ دل وجگر کی خاصیت قوائے تناسل اور اعضا منیہ کی بناوٹ۔ ان کا قوت وضعف بھی نطفہ کی حالت مقتضیہ پر منحصر ہے جس قسم کا نطفہ ہوتا ہے اسی قسم کا بچہ قدرت الٰہیہ پیدا کردیتی ہے نطفہ کی تاثیر وخاصیت پر بچہ کی آئندہ جبلی حالت اور زندگی کا بہت کچھ دارومدار ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے چنانچہ حاجی ڈاکٹر نور حسین صاحب صابری ایم ایس اپنی کتاب آئینہ سہنداک کے شروع میں لکھتے ہیں کہ کیا حیوانات اور کیا انسان۔ جس قدر مخلوق اس جہان فانی میں موجود ہے اس میں بقائے حیات اُن کے اعضاء تناسل کی صحت پر منحصر ہے اگر یہ اعضا نکمے و مبتلائے مرض ہوں تو کیا تناسل اچھی طرح ادا نہیں کرسکتے اور نہ ہی صحیح وسلامت وتندرست پیدائش ہوسکتی ہے۔ اور نہ ہی ترقی نسل انسانی کا ہونا [illegible] ہر جان سے لذات وعیش وعشرت حاصل ہوسکتے ہیں [illegible] تمام جہان کی صحت کا سبب ہے [illegible]

گردہ صحیح اور معدہ جیسے اعضا قوی ہوں۔ قوت باہ قائم ہو۔ ہر مرض سے جسم محفوظ رہتا ہو۔

اور ڈاکٹر گنگا دین صاحب اپنی کتاب رہنمائے نوجوانان میں لکھتے ہیں:۔ کہ منی سفید مائل لیسدار چیز ہے اس کے وصف اور مقدار قسم خوراک پر منحصر ہے۔ جو کھائی جاتی ہے۔ اور نیز وصف خون پر جو اس سے غذائیت کے طور پر تیار ہوتا ہے جسقدر غذا مقوی ہو۔ مثلاً دودھ۔ گوشت۔ انڈے۔ پنیر۔ ملائی۔ وغیرہ۔ اسیقدر نطفہ مقدار میں زیادہ اور وصف میں عمدہ ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اعضائے غذائیت نے اپنا کام بخوبی انجام دیا ہو۔ یعنی غذا بخوبی ہضم ہو کر جزو بدن ہو گئی ہے مضبوط ہاضمہ والے آدمی کا نطفہ کمزور اور بیمار ہاضمہ والے آدمی کے نطفہ سے وصف میں بہت اعلیٰ ہوگا۔ جسقدر منی وصف میں اچھی ہوگی۔ اسی قدر مباشرت میں حظ زیادہ ہوگا۔ اور اولاد بھی زیادہ تنومند ہوگی۔ انتہے (صفحہ ۱۴)

اور ڈاکٹر اکبر بیگ صاحب اپنی کتاب صحت نمائے ازدواج کے صفحہ ۴۵ میں لکھتے ہیں کہ منی کا موثر ہونا کرم منی کی موجودیت پر ہے اور اولاد کی صحت و توانائی ماں باپ کی صحت و توانائی پر موقوف ہے۔ اور سوائے اس کے طرفین کو بوقت وقاع کے بھی صحت اور قوت کی حالت میں پایا جانا ضروری ہے اور ایام حمل و رضاع میں بھی قوانین صحت کو عمل میں لانا ضروری ہے اور لالہ آتمارام صاحب مہانند سکول اپنے رسالہ مسئلہ نیوگ میں لکھتے ہیں۔

علم فزیالوجی کے واقف کار بخوبی جانتے ہیں کہ انسانی دماغ کیس کس چیز سے مرکب ہے طوالت کے ڈر سے ہم یہاں اس امر پر بحث کرنی نہیں چاہتے۔ مگر یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ ۲۵ برس کی عمر تک آدمی کے بدن کے کل اعضا اور رگ و ریشہ درخت کیطرح نشوونما پاتے رہتے ہیں۔ پس اس خاص عمر سے پیشتر اگر کوئی اپنے ویریہ کو خارج کردے تو اسکی عمر طبعی ضرور گھٹ جائے گی بدن میں طرح طرح کے فتور مثلاً ضعف بصارت۔ درد کمر و سر۔ وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں ہمیشہ موقعہ پر اس کو قیاس کیجئے۔ کہ قدرت کا قانون کتنا اٹل ہے ہزاروں زندہ مثالیں اس بات کی گواہ ہیں۔ کہ بچپن کی شادی و ناقص تولید بہت نقصان کرتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ویریہ کی حفاظت کرنی [illegible] صحت کے خزانے میں بیبہا پر قابو پاتا ہے۔

جب آریہ ورت کبھی عروج کی چوٹی پر تھا۔ اور اُس وقت کے ماتا اور پتا
مہرشی پرش جنکو لوگ رشی منی کہکر اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ قدرتی اصولوں پر چلکر اپنی
زندگی کو ست کے پہلنے اور پروپکار کرنے میں لگاتے تھے۔ بچپن کی شادی وغیرہ
خلاف رسومات اُس زمانہ میں مفقود تھیں۔ اُن رشی منیوں کا یہ حال ہرگز نہ ہوتا
تھا۔ کہ عمر بھر شہوت کے غلام بنے رہیں بلکہ وہ شادی کو ایک مذہبی فرض سمجھ
کر ادا کرتے تھے۔ اور اسباب سے پورے آگاہ تھے کہ ویرج جیسے شے کی
رکھشا کرنے سے انسانی روحانی اور علمی ترقی بہت کچھ کر سکتا ہے۔ شریر شاستر کا
واقفکار بیشک اس بات کی داد دے گا کہ ۲۵ برس کی عمر سے ۵۰ برس تک
آدمی شادی کرنے کے قابل رہتا ہے اس خاص عمر سے پہلے یا پیچھے کبھی ویرج
ضائع نہ کرنا چاہئے۔ اور جو ایسا کرتے ہیں وہ موت کا سامان مہیا کرتے ہیں۔
انتہٰی ۔

اور آریہ میگزین اپنے رسالہ ماہ نومبر سنہ ۱۹۱۰ء کے صفحہ ۲۶ میں لکھتا ہے کہ عورت
ظرف کی صورت ہے اور تخم مرد کی صورت بے ظرف اور تخم کی آمیزش سے جیووں کی
پیدائش ہے۔ اور پھر اسی رسالہ کے صفحہ ۴۴ میں لکھتا ہے کہ نالایق اولاد کا پیدا کرنا
یا لایق اولاد کے پیدا کرنے کی تدبیر خاص ماتا پتا کے اختیار میں ہے اور وہ اسوقت
ہو سکتا ہے جب والدین ہمیشہ اپنے افعال اس قسم کے رکھیں جس قسم کی اولاد پیدا کرنے
کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔ اور انکی خواہش کا اثر بہت کچھ گربھ واس سے لیکر اس
وقت تک کہ بچہ شکم مادر سے برآمد نہیں ہوتا ہے۔ بچہ پر پڑتا ہے جیسا کہ مہرشی
دیانند فرماتے ہیں۔

ماں باپ کیلئے نہایت ضروری ہے کہ وہ حمل سے پہلے حمل میں اور اس کے بعد
منشی اشیاء۔ شراب۔ بدبودار۔ خشک۔ اور عقل خراب کرنیوالی چیزوں کو چھوڑ
دیں۔ اور جن چیزوں سے شانتی۔ صحت۔ طاقت۔ عقل۔ ہمت۔ اور نیک اطوار
حاصل ہو۔ ویسی چیزیں مثلاً گھی۔ دودھ۔ مٹھائی عمدہ اشیاء خوردنی و نوشیدنی
کا استعمال کریں۔ جس سے حیض اور منی سب نقصوں سے پاک صاف ہو کر نہایت
اعلیٰ صفات والے ہوں۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ [illegible])

جب مرد و زن کے جسم میں صحت آجاوے اور کسی قسم کا رنج نہ ہو [illegible]
یہ ناظرین دھیان کریں [illegible]

میں وہ عورت کی خوشنودی کا طریق صحت سے استعمال کریں اور حمل میں رکھیں
(ایضاً صفحہ ۱۳۱)

وہ برہم چریہ برت کو قائم رکھے۔ اس طریق پر جو مرد اور عورت حمل کریں گے ان کی اولاد اچھی اور مستحق ہوگی۔ اور اس میں طاقت اور توانائی بڑھتی ہوگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اولاد عمدہ قوی اور تندرست ہوگی۔ عورت یوں سنکلپ شودھن اور سیرت کا پسند ہوں کرے۔ جیسی اولاد جس قدر ہوگی۔ بہت اچھی ہوگی۔ (ایضاً صفحہ ۱۴۲)

اور وید مقدس میں ہے کہ فرزند تو ہر ایک عضو سے پیدا ہوا ہے ویریہ سے اور دل سے پیدا ہوتا ہے اس لئے تو میرا آتما ہے مجھ سے پیشتر نہ مر۔ بلکہ سو برس تک زندہ رہ۔

جس سے ایسے ایسے بڑے لوگوں اور نیک آدمیوں کے اجسام پیدا ہوتے ہیں اس بیج کو بے سوا وغیرہ کے برے کھیت میں بونا یا خراب بیج اچھے کھیت میں ڈالنا گناہ عظیم ہے۔ [illegible]

پس والدین جس قسم کے خیالات اپنی اولاد کے بنانا چاہیں بنا سکتے ہیں۔ مگر استری خوفناک ہے اور ہر وقت گندی باتوں کا خیال کرتی ہے تو گربھ استھان میں وہ اپنی سنتان کے من میں ایک مبہم چتر کھینچ سکتی ہے اگر استری بدمزاج اور جھگڑالو ہے اور اس کی طبیعت کا میلان بدی اور خونریزی کی طرف ہے۔ تو اولاد کو خونریز بنا دے گی۔

فرانس میں لنڈن کے محاصرہ کے وقت ۱۷۹۳ء میں ایک گولا بارود چلا کر باشندے خوف زدہ ہو گئے اور اس خوف کا اثر حاملہ عورتوں پر ایسا پڑا کہ ۹۲ بچوں میں سے ۱۶ بچے تو پیدا ہوتے ہی اور ۳۳ بچے ۸ یا ۱۰ ماہ کے بعد مر گئے۔ ۸ بالکل بیوقوف اور پانچویں برس سے پہلے مر گئے۔ باقیماندوں کا پورا حال معلوم نہ ہوا۔

[illegible] کی کرسی کے سامنے [illegible] ظالم اسیروں نے کیا جبکہ [illegible]

[illegible]

جاملہ تھی۔ کرشنک کے عمل پر اس نقطہ کا اثر ایسا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسی حاملہ
تھی پیدا ہوا وہ یہانتک ڈرپوک تھا کہ ننگی تلوار کے دیکھنے سے کانپ اٹھتا تھا۔

یورپ اور امریکہ میں اس قسم کے بہت سے تجربے ہوئے ہیں جنکا مفصل بیان اس
قسم کی تحریروں میں اسوقت مشکل ہے جس پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت میں
پیدا شدہ دین کا کام استری کے ہاتھ میں ہے خوبصورت و بدصورت۔ ظالم اور دھرماتما اولاد
مرد اور عورت کی کوششوں پر منحصر ہے۔

اور نہ صرف اسیقدر بلکہ عورت جس قسم کا دھیان کرے اُسی قسم کی اولاد پیدا ہوتی ہے
(آریہ میگزین) صفحہ ۲۶۔ بیٹا اور بیٹی کی پیدائش اور بعد پیدائش کے انکی حفاظت
اور دنیاوی مراسم ان سبھوں کا سبب اعلی عورت ہی ہے اولاد اور دھرم کا رسخ اور
آتم سیوا اپنا اور بزرگوں کا سمرگ یہ سب عورتوں کے اختیار میں ہے (صفحہ ۲۶)

ڈاکٹروں نے یہانتک ثابت کر دکھایا ہے کہ اگر کسی کے دادا میں خونریزی کی
عادت ہے تو وہ اسکے پوتے میں بذریعہ خون سرایت کر جائیگی۔ (آریہ میگزین صفحہ ۲۶)

اور جناب اینڈریو جیکسن ڈیوس صاحب نے ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے جسمیں
بخوبی ثابت کر دکھایا ہے کہ چور۔ بدمعاش۔ رہزن۔ ڈاکو۔ خونخوار۔ جاہل والدین کی
اولاد ضرور ہی ان بدصفات سے ملبوس ہوتی ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ انمیں ایسے ایسے
واقعات صحیح ہیں۔ جنکے پڑھنے سے ہر ایک سلیم العقل کہہ سکتا ہے کہ اگر والدین چاہیں
تو دھرمشی منی یوگی لڑکے لڑکیاں پیدا کر سکتے ہیں۔

تاریخ کے پڑھنے والوں نے ایک سنیاسی کا حال سنا ہوگا جس نے کہ سکندر جیسے بادشاہ
کی پرواہ نہ کی۔ اور اس کے قاصد کو کہا کہ جا سکندر کو کہدے کہ ڈنڈی گلا کٹا دیگا
مگر سکندر کی بیجا بات کبھی نہ مانیگا۔ کیا سکندر باوجود اتنی دولت و حشمت اور اقتدار
کے اس کو اپنی بات منانے میں کامیاب ہو سکا۔ وہ سکندر جس نے تمام دنیا کو فتح کر لیا
تھا کیا ایک تپسوی کے خیالات کو فتح کر سکا۔ جواب ہوگا کہ نہیں (آریہ مسافر میگزین صفحہ ۹)

مہذب ملکوں میں ابتک بہادر کی عمدہ خوبصورت تصویریں حاملہ استری
کے کمرہ میں لٹکائی جاتی ہیں۔ تاکہ استری کی نظر خوبصورت تصویروں پر پڑے جن کا
دھیان کرنے سے خوبصورت اولاد ہو۔ انتہٰی۔

یہ سب مثالیں جو اوپر مذکور ہوئی ہیں۔ آریہ مسافر میگزین نے رسالہ
ماہ نومبر میں لکھی ہیں۔ جو بلفظ یہاں منقول ہوئیں مگر بہت سی اور مثالیں تیار

موجود ہیں۔ جس سے اظہر من الشمس ہے کہ اولاد کا تندرست یا بیمار۔ خوبصورت یا بد
صورت ہونا صرف والدین کی احتیاط و اعتدال اور قانون ازدواج پر ٹھیک ٹھیک
عمل کرنے پر منحصر ہے"

حکیم امام الدین صاحب ایڈیٹر آئینہ طبابت نے اپنی کتاب حفظ صحت و بقائے نسل
انسان کے صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ قوت متخیلہ و متوہمہ یعنی خیال و وہم و خوشی و انبساط
رنج و غم کا اثر نیک و بد مولود پر بہنگام اجرائے فعل قوت متصورہ مدد کرتا ہے جس کے
باعث لڑکا لڑکی خوبصورت یا بدصورت پیدا ہوتے ہیں۔ اس واسطے صاحب اقتدار
کو لازم ہے کہ بہنگام مباشرت صورت نیک کا تصور کرے۔ اور ایسی تدابیر ملحوظ خاطر
رکھے کہ فرزند نرینہ خوبصورت ہی پیدا ہو۔ کیونکہ اکثر واقعات اس قسم کے منقول
ہیں ؎

پھر اس کے بعد انہوں نے دو تین صحیح قصے روایت کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ
ہے کہ ایک مالدار بڈھا قوت باہ میں بہت کمزور تھا۔ آخر عمر میں اس کو وارث
پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جس پر دوائیں کھانی شروع کیں۔ آخر روہو مچھلی کا حلوا
موافق کیا۔ قوت باہ پیدا ہوئی۔ ایک عورت سے نکاح کیا وہ عورت باردار
ہو گئی۔ عورت کی نظر اتفاقیہ ہمسایہ کے ایک خوبصورت نوجوان پر پڑ گئی۔ قوت
متصورہ نے اپنا کام کیا۔ اس کے ہاں بچہ شکل صورت میں بالکل اس جوان ہمسایہ
کے ہم شکل پیدا ہوا۔ چونکہ یہ لڑکا شکل و صورت میں بالکل اس نوجوان کے مشابہ
تھا۔ اس نوجوان نے کسی قدر عرصہ کے بعد اس لڑکے کو آہستہ آہستہ اپنی طرف مانوس
کرکے . . . . کچہری میں دعوے کر دیا۔ کہ یہ لڑکا

تناسخ کے ابطال پر ایک اور قطعی دلیل۔ ابطال تناسخ پر ایک اور زبردست دلیل یہ ہے کہ بعض حیوانات
کی نسل افزائش انسان کا اختیاری امر ہے گھوڑوں کی نسل کی ترقی جس قدر انسان چاہے کر سکتا ہے
بکریوں [illegible] بھیڑوں کی نسل بے انتہا کر سکتا ہے چنانچہ پنڈت دیانند صاحب نے بھی حساب لگا کر بتایا
ہے کہ گائے کی ترقی کہاں تک ہو سکتی ہے [illegible] جس قدر [illegible] کی
نسل کی افزائش چاہیں انسان کا اختیار ہے [illegible] انسان کے اختیار میں
ہے یہ تمام واقعے قطعی دلیل ہیں اس بات کی کہ حیوانات کی کثرت و قلت کسی [illegible] پر موقوف
نہیں بلکہ [illegible] انسان کی اختیاری تدابیر پر [illegible] اور یہ تناسخ کے ابطال پر ایسی قوی دلیل ہے جس
پر غور کرنے کے بعد تناسخ کا ماننے والا [illegible] نہیں رہ سکتا ؎

پیدا ہے۔ بڑھا اور نوجوان معہ ذن کچہری میں حاضر ہوئے۔ جوان تو شکل و صورت و خط و خال کی شباہت اپنے وجود نہ ہونے کا گواہ تھا۔ اور بوڑھے آدمی نے اپنا سارا قصہ کہہ سنایا۔ اور مچھلی کے حلوے سے بال بچہ پیدا ہونے کو حاکم کو یقین دلایا۔ حاکم نے بچہ کو ورشا یا عرق آلودہ ہونے کے بعد پسینہ بدن سے پونچھ کر سونگھا تو وہی مچھلی کی بو موجود تھی۔ بچہ کو پیر مرد کے حوالے کیا۔ جوان کو جھوٹا ٹھہرایا۔

نتیجہ۔ عورت کو چاہئے کہ بعد غسل اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھے۔ یا کسی خوبصورت لڑکے پہ نظر ڈالے۔ تاکہ لڑکا خوبصورت پیدا ہو۔

(دوسرا قصہ)

ایک عورت اپنے شوہر کی ہم بستری کے وقت سانپ سے ایسی خوفزدہ ہو گئی کہ تمام مراتب بوس و کنار وغیرہ طے ہو گئے۔ مگر اس کے دل میں سانپ کا ہی تصور تھا اور ایسا خوف سمایا کہ کسی طرح نہ جاتا تھا نہ گیا۔ آخر کار مدت معہودہ کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ جس کا سر آدمی کا سا اور دھڑ سانپ کا سا۔ وہ بچہ اپنی ماں کے پاس آ کر پستان سے دودھ پیتا اور گڑھے میں جا کر بیٹھ رہتا۔ ایک مہینے تک اسکی یہی حالت رہی جب بھوک لگتی ماں کا دودھ پی جاتا۔ اور پھر گڑھے میں جا بیٹھتا۔ آخر حاکم کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

نتیجہ

انسان کو چاہئے کہ بوقت مباشرت ایسی صورت کا تصور کرے۔ جو کسی بشر سے جو خوبصورت و نیک سیرت ہو۔ تو بات و تخیلات کو دخل دے دیں۔ کہ عاقلوں نے الوہم خلاق الثانی لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات سیاہ آدمیوں کے لڑکے گورے اور گوروں سے کالے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ حکایت مصنف کتاب ضیاء الابصار کی اسکی مصداق ہے اور وہ یہ ہے۔

حکایت

امام فخرالدین رحمتہ اللہ علیہ کے خوبصورت پیدا ہونے میں ان کے والد نے بیان کیا۔ کہ میں نے بوقت مباشرت نیک صورت کا خیال کیا تھا۔ جس کے باعث امام ایسے شکیل و جمیل پیدا ہوئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ اور بعض نے جھوٹ جانا۔ اسکی وجہ اور کچھ نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ لوگ خدا کی قدرت اور خیال کی قوت سے ناواقف ہیں۔

مقولہ مصنف

میں لکھتا ہے جس کا ذکر اگر کسی شخص کو قوت واہمہ کی کارروائی میں شک ہو تو اگر چاہے
تو کسی ماہر سے دریافت فرمالیں۔ یا خود تجربہ کرلیں۔ جیسا کہ سوداگر گھوڑیوں والے
گھوڑے پالتے ہیں تو ان کے سامنے دوسرا خوشرنگ گھوڑا کھڑا کرتے ہیں کہ جس کو
بچھیرا اسکی شکل وشباہت اور ویسے ہی نقش ونگار کا پیدا ہوتا ہے جسکو نہ گھوڑی کے
رنگ سے مناسبت ہوتی ہے اور نہ کوئی مشابہت دیگر سوائے زیادہ کے تیسرا
نہیں ہوتا۔ تو مطابق شکل مشبہ کے ظہور میں آتا ہے مثل اس پر بہت تجارب گھوڑا
بہت نہیں تو تھوڑا انتشا۔

مخفی نہ رہے کہ اثر فرحت وخوشی وشادی وخرمی کا بھی مولود پر ہوتا ہے یعنی
اگر وقت وقاع مرد وعورت شادان وفرحان مباشرت کیطرف متوجہ ہوں گے۔
اور سامان عیش وعشرت کا مہیا ہوگا۔ تو امید ہوتی ہے کہ فرزند خوبصورت جمیل
نفیس المزاج پیدا ہوگا۔ اور برعکس صورت میں برعکس۔ انتہے۔ قولہ۔

پھر آریہ مسافر میگزین اپنے رسالہ نومبر سنہ ۱۹۱۰ء کے صفحہ ۴۴ میں لکھتا ہے کہ جب حمل
ہو کر اولاد پیدا ہوتی ہے اگر ہوتا ہے تو عورت یا مرد کے بدزبان ہوتے ہیں۔ جھگڑالو اور
فسادی ہوتے ہیں کیوں نہ اس قسم کی اولاد بدزبان اور جھگڑالو پیدا ہوگی۔ اور دوسری
ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اگر عورت مرد سے محبت نہ کرے اور خاوند عورت سے محبت نہ
کرے۔ تو کسی طرح بھی اولاد پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور بیاہ کا مطلب بالکل خبط
ہو جائیگا۔ انتہے۔

اور پھر صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹروں کے تجربوں اور معمولی مشاہدوں نے اس
مسئلہ کی بخوبی تائید کر دکھائی ہے کہ انسانوں میں بہت سی بیماریاں موروثی ہوتی
ہیں اسی واسطے منوجی مہاراج ادھیاء ۳ میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ گئو اور بکری والے
دولت وغیرہ کی ان میں کثرت ہو تو بھی ان خاندانوں میں بیاہ نہیں کرنا چاہئے انتہے
جس سے ظاہر ہے کہ اگر ان قوانین کی تعمیل کیجائے تو پھر موروثی بیماریاں
ہرگز وقوع میں نہیں آسکتیں نہ موروثی صفات ذمیمہ اولاد میں منتقل ہو سکتیں اور
یہی وجہ ہے تمام موروثی امراض اور روحانی وجسمانی استقام کا موجب صرف قانون
ازدواج کی مخالفت ہے ورنہ بہ مصرف قدرت کے قوانین کی مخالفت دردناک
نقصان ضعف کا باعث ہیں نہ کہ روح کی عدم تعمیل یا پچھلے جنم کے گناہوں کی سزا۔

اور پھر آریہ مسافر میگزین اپنے رسالہ نمبر ... ماہ ستمبر سنہ ۱۹۱۰ء کے صفحہ ۹۰ میں

مناسب طور پر شادی کرنے اور بچپن کی شادی سے رکتے ہوئے گئے ہیں۔ کہ اس دنیا میں اصلی خوشی صرف اسوقت ہو سکتی ہے۔ جبکہ شادی کی پاک اور روحانی آئین کو ٹھیک ٹھیک چلایا جائے۔ یہاں اس مضمون پر مفصل بحث کی ضرورت نہیں ہے مگر اس امر کا اظہار کر دینا غیر موزوں نہ ہوگا۔ کہ ہماری مجلسی اصلاح کی تمام کوششوں کا کسی دوسری طرف رجوع ہونا محض بے سود اور رایگان ہے۔ کیا آپ کبھی توقع رکھ سکتے ہیں کہ موجودہ خلاف قانون قدرت۔ ان میل اور بے جوڑ شادیوں سے جو والدین سے بلا رضامندی فریقین زبردستی گانٹھی جاتی ہیں۔ سوامی جیسا بہادر اور اعلیٰ دماغ اولاد پیدا ہو سکے۔ ایں خیال است و محال است و جنون۔ تعلیم و تلقین۔ تربیت و صحبت۔ انسان کے صرف ظاہری اوضاع و اطوار کو ایک خاص ڈھانچے میں ڈھال سکتے ہیں۔ لیکن اس کے دیرپا عمیق اور سفلی کیریکٹر یعنی موروثی جبلی اوصاف پر جو ہمارے دل کے ساتھ روان رہتے ہیں جو ہم نے شیر مادر کے ساتھ پئے ہیں۔ جو ہماری ہڈیوں۔ شریانوں۔ خون اور رگ و ریشہ کے ساتھ وراثت میں ملے ہوئے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا بہت ہی کم اثر ہوتا ہے آپ یقین رکھئے کہ جس بیماری میں ہماری سوسائٹی مبتلا ہے۔ اس کا صحیح علاج فزیالوجیکل علاج ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک ہمارا جسم اور اس کی اندرونی و بیرونی ساخت آئین قدرت کے پورے طور پر مطابق نہیں ہوتی۔ تب تک ممکن نہیں کہ ہم عالی دماغ عالم اور دل گردے کے بہادر ہو سکیں۔ موقعہ مناسب کسی ذاتی نقصان یا خطرے کے وقت دامن صداقت ہاتھ سے نہ چھوڑیں و علیٰ ہذا۔ (مترجم)

اسی علاج سے تمام مجلسی خرابیوں کی بیخکنی ہو سکتی ہے یہ وہ علاج ہے جو انسانوں کو روز پیدائش ہی سے حمیدہ کر دیتا ہے اور یہ بات اس وقت میسر آسکتی ہے۔ جبکہ بجائے جابرانہ ترنگ آمیز اور رسمی شادیوں کے آئین ایزدی و قانون قدرت کے مطابق پاکیزہ مبنی بر صداقت اور عاقلانہ شادیاں کیجایا کریں۔ مگر ان قوانین کی احتیاط سے پابندی کی جائے۔ تو اس دنیا میں ایسی خوشی و خورمی اور صحت وری چاروں طرف نظر آنے لگے۔ کہ جو پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔

دنیا میں والدین بننا اور بچے پیدا کرنا ایک بھاری ذمہ داری ہے کہ جس کے برابر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہر ایک دانا اور سمجھدار آدمی

کے لئے ایک بچہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت اہم اور بڑے نازک فرائض ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اگر اس بچہ کے قوائے جسمانی صحیح و سالم نہ ہونگے۔ ٹھیک ٹھیک نشوونما نہیں ہوگی یا اس کی تعلیم و تربیت میں نقص رہ جائیگا۔ تو بقدر تعلق سب کو عذاب سہنا پڑے گا۔ مگر کتنے والدین ہیں جو اپنی اس ذمہ داری کو اس پیرایہ میں سمجھتے اور محسوس کرتے ہیں و کتنے ایسے بچے ہیں جو کہ والدین کی آئین قدرت کے مطابق شادیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ایسی شادیوں سے جو باہمی رضامندی مزاج و مذاق کی قابلیت اور دیگر اوصاف کی مناسبت اور صاف دلی سے ہوئی ہوں کتنے ان میں سے شہوت اندھا دھند حرکت اور بالکل اتفاقیہ صحبت کی پیدائش ہیں۔ انتہٰی۔

بات یہ ہے کہ نیک بخت۔ عقلمند۔ عالی دماغ۔ تندرست اور بشاش بچوں کے پیدا کرنے میں انسانی تدابیر کا یہاں تک دخل ہے کہ انسان ان قوانین قدرت کی ٹھیک پیروی کرے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہترین قسمت کے لئے مقرر فرما رکھے ہیں تو آئندہ نسلیں بالکل تندرست۔ صحیح و سالم۔ عالی دماغ اور دولتمند پیدا ہو سکتی ہیں چنانچہ اس مسئلہ کے بارہ میں طبی کتابیں بھر رہی ہیں۔ اور حال ہی میں کارخانہ پیسہ اخبار لاہور میں ایک کتاب اس نام کی چھپی ہے "کیا ہم نیک بخت۔ عقلمند تندرست اور بشاش بچے اپنی کوشش سے پیدا کر سکتے ہیں؟" اس کتاب کے مطالعہ کرنے سے خدا تعالیٰ کے وسیع قانون قدرت اور عظمت شان کا پتہ لگتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان ان قوانین کی تعمیل کرے اور آئین فطرت کا خیال رکھے تو ایک لڑکا بھی بد صورت۔ مریض۔ آوارہ اور نالائق پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے قوانین غیر متبدل مقرر فرمائے ہیں جس سے اولاد نرینہ یا مادینہ پیدا کرنا والدین کے اختیار میں ہو جاتا ہے اگر ان قوانین کی ٹھیک ٹھیک پیروی کی جائے تو انسان خود لڑکا یا لڑکی حسب ضرورت پیدا کر سکتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی کیسی قدرت واسعہ اور حکمت بالغہ پر دلالت کرتا ہے اور اس کے قوانین کی اعلیٰ درجہ کی خوبی یہ کہ اگر دنیا میں عورتیں یا مرد زیادہ ہو جائیں تو حسب ضرورت دوسرا فریق بھی اسی قاعدہ کے موافق قانون قدرت کی پیروی کر کے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ کتاب بڑھنے نسل انسان کے صفحہ [illegible] وغیرہ میں اور اکثر کتب طبیہ میں ایسے قوانین بیان فرمائے گئے ہیں تتمہ بجور [illegible]

رچپال صاحب شیدا ایڈیٹر سول ملٹری نیوز لدھیانہ نے ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ کیا ہے جس کا نام ہی اختیار تولید ہے جو دفتر پیسہ اخبار لاہور میں چھپی ہے اور کتاب صحت نسلِ ازدواج میں اس کے قواعد و اصول لکھے ہیں۔ پس اگر یہ قواعد واقعی ٹھیک اور وقعت کے قابل ہیں تو تناسخ کے بطلان میں شبہ ہی کیا ہے جو ہر ایک جاندار کی پیدائش سابقہ اعمال کے جنم کی وجہ سے قرار دیتا ہے۔

اوپر جس قدر بیان ہوا۔ اُس سے اظہر من الشمس ہے کہ ہر ایک لڑکے یا لڑکی کی پیدائش ان کا قوی یا ضعیف ہونا جسمانی۔ دماغی۔ اور ذہنی قوائے کی ساخت۔ مزاج کی حالت۔ طبیعت کا میلان۔ اعتدال یا بے اعتدالی صرف اس مادہ منویہ پر موقوف ہے جو انسان رحم عورت میں ڈالتا ہے اور اس کے بعد ان کے خون حیض کے اعتدال اور قوت اور عمدگی پر اور پیدا ہونے کے بعد اغذیہ و اشربہ اور قانون قدرت کے موافق مناسب احتیاطات پر یہ سنت اللہ غیر متبدل ہے اس میں کوئی فرقہ مستثنیٰ نہیں اور نہ کسی کی رعایت ہے کوئی آریہ یا عیسائی۔ یا مسلمان قوانین قدرت برابر اپنا کام کئے جاتے ہیں اور جیسا مادہ ہو اسی قسم کا قالب قدرت بنا دیتی ہے اب جب یہ حال ہے تو اس سے اظہر من الشمس ہے کہ وید کی تعمیل اور سابقہ جنم کے اعمال اور تناسخ کو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ جو شخص قوانین قدرت کا اتباع کریگا اپنی اولاد کی جسمی اور روحانی اور دماغی قوی کو عمدہ حالت میں بنا سکتا ہے اور جو شخص قوانین قدرت کو توڑیگا یا ان کا خیال نہ رکھے گا وہ واجبی نقصان اٹھائیگا۔ اس قانون الٰہی میں مطلق تبدیلی نہیں ہے اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا ہے۔

جو شخص جو فرد اور جو قوم قانون قدرت کی اتباع کرتی ہے برخوردار ہوتی ہے اور جو قانون قدرت کے برخلاف چلتی ہے اس کا خمیازہ بھگتتی ہے اس بات کے لئے زیادہ دلائل کی ضرورت نہیں ہے تجربہ اور مشاہدہ اس کا شاہد ہے۔ اور ویدک فلاسفی اسکی مؤید مگر ساری دنیا قیامت تک وید کی مخالف اور مکذب رہے اور عام قوانین قدرت کی اتباع کرتی رہے تو وہ برخوردار اور کامیاب رہیگی۔ اور اگر ساری دنیا سچے دل سے وید کی اتباع کرتی ہے مگر قوانین قدرت کا خیال نہ رکھے اور بے احتیاطیاں کرے

لے پنڈت دیانند جی نے جو ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ عورت کے جنم کے لائق اعمال سے عورت اور مرد کے جنم کے لائق اعمال سے مرد پیدا ہوتا ہے اس بیان سے یہ بات بالکل غلط اور تناسخ باطل ثابت ہوتا ہے +

حفظانِ صحت کے قوانین کا خیال نہ رکھے۔ قانون ازدواج کی خلاف ورزی کرے۔ کبھی تندرست اور صحیح الاعضاء اور کامل الخلقت نہیں ہو سکتی۔ غرضیکہ یہ بات ہی جدا ہے اسی کو کسی مذہب کی تعمیل یا عدم تعمیل تناسخ یا عدم تناسخ وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے +

خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب۔ (قانون قدرت) کے خلاف کرنے سے اکثر اسی دنیا میں سزا مل رہی ہے اور خدا تعالیٰ کی قولی کتاب (قرآن مجید) کی مخالفت کرنے سے قیامت کے دن سزا ہوگی۔ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک۔

پس انسانی نسل کا بدصورت یا بانجھ یا ناقص الخلقت وغیرہ ہونا خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کی مخالفت اور قانون قدرت کی خلاف ورزی کی وجہ سے تو ضرور ہے اور اسے کرموں کا پھل بھی کہا جا سکتا ہے لیکن اس کو تناسخ اور گذشتہ جنم کے اعمال کی سزا اور وید کی مخالفت وغیرہ سے کوئی بھی تعلق نہیں +

ماں کے پیٹ میں نطفہ موافق قانون قدرت کے استقرار پذیر ہو جاتا ہے اور بچہ بتدریج نشو و نما پانے لگتا ہے۔ مگر نہ اس وجہ سے کوئی روح ابھی ایک قالب کو چھوڑ کر دوسرے جنم میں پڑنے کے لئے متقاضی و متلاشی ہے اس لئے کسی عورت کو حمل ہوتا ہے بلکہ حمل پہلے قانون قدرت کے موافق ہوتا ہے اور تکمیل خلقت جنین کے بعد اسمیں روح پڑتی ہے جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے۔

پس پنڈت دیانند جی کا ستیارتھ پرکاش میں یہ لکھنا کہ روح اپنے اعمال کی تاثیر سے گھومتی ہوئی کسی پتے وغیرہ پر لگی ہوتی ہے اور حاملہ عورت اس کو کھا جاتی ہے ایک ایسا قول ہے۔ جسکی تصدیق قانون فطرت اور عقل اور نقل ہرگز ہرگز نہیں کر سکتی۔ جنین کے قالب میں روح پڑنے کے لئے جدا وقت مقرر ہے رحم میں نطفہ پڑنے کیلئے جدا قانون قدرت ہے یہ کیا ضرور ہے کہ جسوقت کوئی عورت حاملہ ہو اسیوقت کوئی شخص مرے یا خدا کو مارنا پڑے۔ تاکہ ایک حاملہ عورت اُسے کھائے اور نیا بچہ پیدا ہو۔ یا جسوقت کوئی شخص مرے ضرور اُسی کے بعد کوئی شخص اپنی عورت سے مباشرت کرے اور اس کو خواہ مخواہ قانون قدرت چاہے یا نہ چاہے حمل ہو جائے یہ دونوں باتیں مسلمہ خیالات کا نقشہ ہیں۔

ف یہ جو قرآن کریم میں لکھا ہے قل کل من عند اللہ کہدے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ بوجہ علت العلل مقدر اور وضع قانون مالک یوم الدین ہونے کے ہے +

خدا تعالےٰ مبدء فیض ہے جس وقت کوئی عورت باردار ہوگی۔ اور جنین روح
انسانی کا مستحق ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس پر روح کا افاضہ ہوگا۔ (وجود روح کے
حدوث کی یہی بدیہی دلیل ہے) یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ اگر کسی عورت کو حمل ہو گیا ہے اور
مدت معینہ کے بعد جنین میں روح پڑنے کا وقت پہنچا ہے اگر کوئی شخص ابتک مرا نہیں یا
کسی حیوان نے اپنا حیوانی قالب چھوڑا نہیں تو اس حمل کو ساقط کر دے اگر ایسا ہوتا
تو دنیا میں نئی روحوں کی انتظار میں خدا تعالیٰ کو ہزارہا حمل ہر روز ساقط کرنے پڑتے اور
دنیا میں سخت گڑبڑ پڑ جاتا۔ قانون قدرت بالکل بیتا مذ ہو جاتا اور کمال بدامنی پھیل جاتی۔

ایسے سوا ہم بڑے زور سے دلائل فلسفہ اور براہین طبیہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہرگز کسی
جنین میں سابقہ قالب کی روح پڑ ہی نہیں سکتی۔ اس لئے کہ جو نطفہ زید کی بیوی ہندہ کے
رحم میں قرار پا گیا ہے اسکی تاثیر خاصیت زید اور ہندہ کی مزاج و طبیعت کے موافق ہے
انہی کے اخلاق۔ مزاج۔ طبیعت۔ شکل و صورت اور قوائے وغیرہ سے اس نے حصہ لینا
ہے جو غذائیں وہ کھا رہے ہیں انہی کے تاثیر کے موافق اس جنین کے مزاج کا اٹھان
اور طبیعت کا میلان ہوگا۔ اگر نطفہ قوی اور معتدل ہے تو بچہ بھی قوی اور معتدل المزاج
اور صحیح القوٰے پیدا ہوگا۔ اور اگر نطفہ کی خاصیت افراط تفریط کی طرف مائل ہے
تو بچہ بھی کمزور اور ناقص الخلقت یا ضعیف القوٰے پیدا ہوگا۔ خواہ اس میں کوئی سی
روح پچھلے جنم کی ڈالدی جائے۔ بچہ کی نفسانی و مزاجی کیفیت نطفہ اور غذا کے
موافق ہوگی۔ نہ کہ روح کے اعمالی مقتضیہ حالت کے موافق۔ چونکہ آریہ کے قول کے
موافق خدا نیستی سے ہستی نہیں کر سکتا۔ نہ کسی چیز کا سبھاؤ اور خاصیت بدل سکتا
ہے اس لئے نطفہ کی مزاج و طبیعت کی تاثیر و خاصیت ہرگز نہیں بدل سکتی خواہ روح
کیسی ہی بُری یا بھلی ہو۔

پس اگر اس نطفہ کی حالت قوی اور معتدل ہے تو مرے ہوئے بکر کی روح
اسمیں ڈالنے سے بچہ کمزور غیر معتدل المزاج نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس روح کا تقاضا ہے اور اگر نطفہ
کمزور و ضعیف اور غیر معتدل ہے تو خالد کی نیک روح اسمیں ڈالنے سے بچہ قوی اور معتدل المزاج
نہیں ہو سکتا۔ خواہ لاکھ کوشش کیجائے۔ غرضیکہ بدن کی بناوٹ اور مقتضیہ حالت
روح سے اپنی مزاج و طبیعت کے موافق اعمال سرزد کرائے گی۔ یہ ہرگز
نہیں ہو سکتا کہ روح بدن سے اپنے اعمالی حالت کے موافق افعال و اعمال سرزد کرائے۔
بدن روح کی سواری یا آلہ ہے جسد خاکی ہے سواری بالکل ردی اور نکمی ہو یا

اور وہ بالکل نکمے۔ اور از کار رفتہ ہوں۔ تو سوار اور کاریگر کیسا ہی عمدہ اور قابل کار ہو کچھ نہیں کر سکتا۔

پس اسی طرح پر بُری بناوٹ کے بدن میں اچھی روح کچھ نہیں کر سکتی اور نہ ہی اچھی بناوٹ کے بدن میں بُری روح خواہ مخواہ افعال مناسبہ صادر کر سکتی ہے پس تناسخ کا سارا تار و پود اکھڑ گیا۔

اصل یہ ہے کہ دنیا میں ہر ایک جنین کی مزاجی و نفسانی کیفیت اس نطفہ کی تاثیر پر منحصر ہے جو باپ کی طرف سے رحم مادر میں پڑا۔ پھر اس غذا پر جو ماں کے خون حیض سے اس نے حاصل کی۔ پس جب ہر ایک جنین کی مزاجی و نفسانی حالت ذہنی و دماغی قوتیں صدور افعال و اعمال کی طاقت تخم پر منحصر ہوئی۔ جس میں کسی عقلمند کسی حکیم اور کسی فلاسفر کو ایک دم کے لئے بھی قائل نہیں ہو سکتا۔ اور اس میں کسی ایسی روح کا داخل ہونا جو اپنی اعمالی حالت کی وجہ سے ایسی ترکیب بدنی کے مغائر روحی و نفسانی کیفیت ذہنی اور دماغی قوائے اور صدور افعال کی مقتضی ہے ممکن ہی نہیں۔ جنین کے بدن کی ترکیب نطفہ کی تاثیر و خاصیت کے موافق روح میں پھنسنے سے پہلے ہی بن چکتی ہے جس کے افعال اعمال کیفیت روحی و نفسانی نطفہ کی خاصیت کے موافق آئندہ زندگی میں ہونیوالی ہے اسمیں غیر شخص کی روح جسکی اعمالی حالت اور قسم کی ترکیب بدنی کی مقتضی ہے کسطرح پڑ سکتی ہے پس یہانتک ہمارا خیال ہے کسی جنین کے قالب میں دوسرے شخص کی روح[1] تو ہرگز ہرگز پڑ ہی نہیں سکتی۔ اور نہ حقیقۃ

---

[1] اگر توالد و تناسل کے ذریعہ سے انسان و حیوان کی پیدائش نہ ہوتی بلکہ جسطرح اسنے اول اول ابتدا میں مکھیوں اور حیوانات کو خشک مٹی سے پیدا کر کے بنا کر دکھا دیا ہمیشہ اسیطرح کیا کرتا۔ یعنی جیسی روح پہلے جنم میں اعمال کرکے آتی ویسا قالب حیوانی یا انسانی مٹی سے بنا دیا کرتا۔ مگر بذریعہ توالد و تناسل تو تناسخ ممکن ہو سکتا لیکن پیدا ہوئے کبھی ایک شخص کی روح جسکی اعمالی حالت خاص ترکیب بدنی کی مقتضی ہو اس جنین میں جا پڑے جسکی ترکیب بدنی پہلے سے تیار ہو چکی ہو اور اسکی بدنی بناوٹ اور نفسانی مزاجی کیفیت صرف اس نطفہ کی تاثیر و خاصیت پر منحصر ہے جو صلب پدر سے رحم مادر میں داخل ہوا اور جسکی نفسانی مزاجی حالت اسی نطفہ پر پوری موقوف ہے یا اس غذا پر جو ماں کی طرف سے بذریعہ خون حیض سے ملتی ہے ختم کو یا اولی الالباب۔ مثلاً انسان منی کے کیڑے سے پیدا ہوتا ہے اور اگر کسی میں کرم منی نہ گیا۔ اگر کرم منی کا جنم نہ لے تو انسانی پیدائش کی کیا صورت ہے [illegible]

تناسخ ہی ٹھیک ہو سکتا ہے۔

قانون قدرت پر غور کرنے والے۔ علت و معلول کے سلسلہ پر نگاہ ڈالنے والے طب و حکمت کے رموز سمجھنے والے خوب جانتے ہیں اور تجربہ اور مشاہدہ سے دیکھتے ہیں کہ قانون قدرت میں مادہ منویہ کی یہاں تک تاثیر نہیں کہ ایک بچہ کی شکل و شباہت عموماً اپنے ماں باپ بعض وغیرہ ماں باپ اور قرابتیوں کی شکل کے ساتھ مشابہ ہوتی ہے اور اخلاق اور ذاتی اوصاف میں بھی اپنے ماں باپ کے اوصاف کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے اس بچہ کا مادہ پیدائش (نطفہ) ماں باپ کے نطفہ کا مجموعہ ہے اسی طرح اس بچہ کی عادات و اخلاق صورت شکل اور جسمی حالت عموماً ماں باپ کے اخلاق و اوصاف اور صورت و شکل سے حصہ لیتی ہے۔ باپ کا نطفہ غالب ہے تو صورت و شکل وغیرہ میں اس کے ساتھ غالب مشابہت رکھے گا۔ بچہ کا لڑکی یا لڑکا ہونا بھی انہی خاص قدرتی اسباب کی وجہ سے ہے پس جب اولاد کی صورت و شکل خلق و سیرت میں ماں باپ کی صورت و سیرت کی مشابہت برابر قایم رہتی ہے اور بچوں کا بدصورت یا خوبصورت یا خاص شکل و شباہت کا ہونا بھی والدین کی صورت و سیرت اور قدرتی حالت پر منحصر ہے اور جیسے ماں باپ عموماً ویسی اولاد ہوتی ہے یوروپین کی گوری اور افریقین کی کالی (بشرطیکہ آب و ہوا تغیر نہ ہو جائے) یا کوئی اور قدرتی باعث غالب نہ آجائے) تو ظاہر ہے کہ بچوں کی مختلف حالتیں ان کا خوبصورت یا بدصورت ہونا۔ ان کا بیمار یا تندرست رہنا۔ یہ سب امور بھی ماں باپ کے نطفہ کے خاصہ و حالت پر منحصر ہیں۔ نطفہ میں بلغمی مادہ زیادہ ہوگا تو بچہ کا مزاج بلغمی ہوگا۔ صفراوی زیادہ ہوگا تو مزاج صفراوی۔ یبوست کا مادہ زیادہ ہوگا تو مزاج یابس۔ وعلی ہذا۔ مادہ انسانی (نطفہ) خدا تعالیٰ کے غیر متبدل و غیر متغیر قانون کے موافق جس صورت۔ سیرت۔ خاصیت اور حالت کی پیدائش کا مقتضی ہوگا۔ خدا تعالیٰ ویسا ہی بچہ پیدا کرے گا۔ وہ مادہ کی مقتضی حالت کو ہرگز نہیں بنائیگا۔ نہ وہ کسی طرح کا جبر کرے گا۔ فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا۔ ولن تجد لسنت اللہ تحویلا۔ تو ہرگز قانون الٰہی کو بدلتا ہوا نہ پائیگا۔ اور تو کبھی خدا تعالے کے ازلی طریقہ کو پلٹتا ہوا نہ دیکھے گا۔

جنین کی بدنی حالت رحم مادر میں مختلف بدلتے ہوئے سنت اللہ کے موافق جب ایک خاص درجہ پر پہنچیگی۔ جو نطفہ روح کے لئے مقتضی ہے مبدء فیض اس پر

ملہ بشرطیکہ قانون قدرت اس کے موافق عمل کرے۔

مدد یا افاضہ کریگا۔ لیکن جنین کی بدنی حالت کی نسبت خدا تعالےٰ ہرگز جبر نہیں کریگا۔ کیونکہ یہ اسکی حکمت اور عدالت کے برخلاف ہے مادہ آفرینش جنین جس صورت و شکل اور خلق و سیرت کے بچہ کی پیدائش کا مقتضی ہوگا۔ کارکنان قضا و قدر ویسا ہی بچہ بنا دینگے۔

مگر جنین کا مادہ آتشک زدہ ہے۔ اور نطفہ میں آتشک پیدا کرنیوالے اجزا موجود ہیں تو کارکنان قضا و قدر اس بیج کے موافق ویسا بچہ بنا دینگے۔ والدین کے نطفہ میں سل یا دق یا نقرس یا اشتراہ وغیرہ امراض پیدا کرنیوالا مادہ موجود ہے تو بچہ میں بھی وہ اجزا برابر رہینگے۔ اگر برص کا مادہ موجود ہے تو بچہ مبروص ہوگا۔ جذام کا مادہ موجود ہے تو جذامی۔ کسی عضو کی پیدائش کا مادہ نطفہ کے اجزا میں شامل نہیں (اس لیے کہ والدین نے غذائیں ویسی نہیں کھائیں۔ جو اس خاص عضو کی پیدائش یا اسکی تکمیل پیدائش کی مقتضی ہوسکیں) تو لڑکا ادھورا۔ اندھا۔ لولا یا لنگڑا ہوگا۔ اور بعض اوقات حالت حمل میں جو قاع کی وجہ سے اسکی آنکھ یا کسی عضو کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ تو لڑکا اس طرح اپاہج ہو جائیگا۔ غرضکہ بچہ جس طرح ماں باپ کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ قانون قدرت کے سلسلہ علت و معلول کے موافق ٹھیک اسی طرح سے بچہ کو پیدا ہونا چاہئے تھا۔ اور اسی قسم کا بچہ پیدا ہوتا ہے خدا جبراً نہ بدصورت اور بیمار پیدا ہونے کے لائق کو خوبصورت اور تندرست بنا دیتا ہے نہ تندرست اور خوبصورت پیدا ہونے والے کو بدصورت یا بیمار کر دیتا ہے۔ کہ یہ اسکی مشیت اور انصاف کے برخلاف ہے۔

حکمت الٰہیہ اسی بات کی مقتضی ہے اور تجربہ اور مشاہدہ اس بات کا شاہد ہے کہ خدا تعالےٰ کے مقررہ قانون کسی کے بدلانے سے بدل نہیں سکتے۔ ولن تجد لسنت اللّٰہ

تنبیہ ۱۹۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ پچھلے جنم میں روح کے جس قسم کے اعمال ہوں اُن اعمال کے موافق رحم میں جسم کا ڈھانچہ کمزور یا صحیح یا ناقص وغیرہ پیدا ہوتا ہو۔

ایسا ہرگز ممکن نہیں اس لئے کہ انسانی بدن کا ڈھانچہ اسکی قوت و ضعف

صفات وخواص بعض اس مادہ منویہ اور غذا پر موقوف ہیں جو ماں باپ کے نطفہ کے تیار ہونے سے لیکر رحم میں پہنچنے اور پھر بچہ کے رحم سے پیدا ہونے تک کھاتے ہیں اور بچہ کی شکل اور صورت اور رنگ اور نقوش یا تو مادہ منویہ پر موقوف ہے یا ان قوانین قدرت پر جو اس بات میں دخل رکھتی ہیں اور قوت مصورہ کے ممد یا مخالف ہیں۔

جب یہ صورت ہے تو کبھی کوئی روح تناسخ کے طور پر کسی ایسے جسم میں ہرگز داخل ہو ہی نہیں سکتی۔ جسکو مادہ کی تاثیر اور جسم کی شکل وصورت۔ قدرتی امت اس کے خلاف کی مقتضی ہے (جیسا کہ اوپر تفصیل کیگئی ہے۔

زبان عرب میں اصطلاحاً پیدائش کیلئے دو الفاظ مستعمل ہوتے ہیں ایک تولد دوسرا تواتر۔ ماں باپ سے پیدا ہونا تولد کہلاتا ہے اور بلا مواصلت والدین کے پیدا ہونا تولد۔

اس اصطلاح کی توضیح پنڈت دیانند صاحب کی کتاب ستیارتھ پرکاش سے خوب ہوتی ہے پنڈت صاحب معروف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۸۰ میں لکھتے ہیں " اناج سے ویرج ویرج سے جسم بنتا ہے۔ شروع آفرینش میں مخلوقات مواصلت سے پیدا نہیں ہوئی۔ کیونکہ پرماتما جب مرد وعورت کے اجسام بیکرتی میں جیووں کا ملاپ کردیتا ہے۔ تب مواصلت سے پیدائش ہوتی ہے۔

اور پھر صفحہ ۲۸۵ میں لکھتے ہیں " آغاز آفرینش میں جیو کے اجسام وغیرہ کو ایشور بناتا ہے بعد ازاں بچے وغیرہ پیدا کرنا جیو کا کام ہے۔

پس ایشور کیطرف سے جو اجسام بلا مواصلت والدین بنتے ہیں اس قسم کی پیدائش کا نام تولد ہے۔ اور ماں باپ کی مواصلت سے جو اجسام پیدا ہوتے ہیں اس قسم کی پیدائش توالد ہے۔

اب فلسفہ حقہ کے رو سے تولد کے بغیر ایسی پیدائش ممکن ہی نہیں جیسی ایک انسانی روح کے اعمال کے مقتضی جسم دھار سکے۔ تولد ہی میں اللہ تعالی اعمال کے موافق جسم دے سکتا اور کرموں انوسار جسم میں قوت وضعف اور پیدائش کی تکمیل ونقصان کر سکتا ہے بغیر تولد کے توالد کے رو سے اجسام کا کرموں انوسار جسم بننا ممکن ہی نہیں کیونکہ توالد کے ذریعہ سے اجسام انسانی کا قوت و ضعف۔ نطفہ کی تاثیر اور ماں باپ کی تربیت وغیرہ پر بھی موقوف ہوتا ہے اور خدا علام نہیں کہ مادہ منویہ کی تاثیر تو اور قسم کے جسم انسانی کی مقتضی ہو۔ اور خدا تعالے روح کے اعمال کے موافق جسم کو اور طرح پہ بگاڑ دے یا سنوار دے۔

کہ اجسام انسانی کو نقصان یا کمال۔ قوت یا ضعف۔ وغیرہ اعمال روح کے نتیجہ ہوتا تو مادہ منویہ کی خاصیت اور تاثیر جنین کی نگہداشت یا عدم احتیاط بڑی یا چھوٹی عمر میں شادی کرنا اجسام انسانی پر کچھ اثر نہ ڈال سکتا۔ بلکہ ہر حال میں قالب انسانی اعمال روح کا تابع ہوتا۔ اور اولاد کے قوانین معاشرت کے آئین و جنین کی غور و پرداخت وغیرہ کسی قسم کا اثر پیدائش نہ ڈال سکے۔

لیکن طب کی کتابوں اور حکماء کے اقوال اور پنڈت دیانند صاحب کے عقائد سے اظہر من الشمس ہے کہ جنین پر گذشتہ اعمال کا کوئی اثر نہیں بلکہ جنین کی قوت و ضعف کمال و نقصان وغیرہ سب مادہ منویہ اور قانون ازدواج کی مخالفت یا موافقت اور پیدائش موجودہ کا نتیجہ ہے۔

پنڈت دیانند صاحب کتاب ستیارتھ پرکاش ترجمہ لالہ رادھا کشن صفحہ ۱۰۳ میں لکھتے ہیں۔ آٹھویں۔ نویں اور دسویں برس میں بیاہ کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ سولہویں برس سے چوبیسویں برس تک مرد کی منی پختہ۔ جسم کا تندرست۔ عورت کا رحم پورا اور جسم بھی زور آور رہتا ہے اور عمدہ اولاد پیدا ہوتی ہے۔

اسی صفحہ کے حاشیہ میں لکھا ہے مناسب وقت سے کم عمر مرد کے لئے حمل ٹھیرانا جہاں تک دھنونتری جی طبی کتاب سشرت میں منع کرتے ہیں۔

پچیس برس سے کم عمر کے مرد سے سولہ برس سے کم عمر کی عورت کو حمل ٹھیرے وہ مضغہ ہی میں پڑ جاتا ہے یعنی پورے وقت تک رحم میں رہ کر پیدا نہیں ہوتا (۱) اگر پیدا ہو تو بہت عرصے تک زندہ نہیں رہتا۔ یا اگر زندہ رہے تو اس کے اعضا کمزور ہونگے۔ اس سبب سے کم عمر عورت میں حمل نہ ٹھیرایا جائے۔

ایسے ویسے شاستروں کے قواعد اور قوانین قدرت کے مشاہدے اور غور و فکر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سولہ برس سے کم عمر عورت اور پچیس برس سے کم عمر کا مرد کبھی حمل ٹھیرانے کے قابل نہیں ہوتا۔ ان اصولوں کے برعکس جو کرتے ہیں تکلیف اٹھاتے ہیں۔ انتہیٰ بلفظہ

پھر پنڈت صاحب موصوف ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۰۱ میں لکھتے ہیں مرد ویریہ وان اور عورت ویریہ اکرشن کا جو قاعدہ ہے اس کے مطابق عمل کریں۔ جہاں تک بنے وہاں تک برہم چریہ کے ویریہ تو بے فائدہ نہ ضائع کریں۔ کیونکہ اس ویریہ یا بیرج سے جو جسم بنتا ہے وہ بے نظیر اولاد ہوتا ہے۔

پھر پنڈت صاحب موصوف صفحہ ۱۰۰ میں لکھتے ہیں جو خاندان نیک خیال سے محروم اچھے آدمیوں سے میل وید کے مطالعہ سے روگردان ہوں جن کے جسم پر بڑے بڑے بال ہوں۔ یعنی جن میں بواسیر۔ تپ دق۔ دمہ۔ کھانسی۔ بدہضمی۔ مرگی۔ سفید جزام۔ اور لا علاج جزام ہو۔ ان خاندانوں کے لڑکے یا لڑکی کے ساتھ بیاہ نہ ہونا چاہئے۔ (ادھیا ۳ اشلوک ۷) کیونکہ یہ سب نقص اور بیماریاں بیاہ کرنے والے کے خاندان میں بھی داخل ہو جاتی ہیں اس لئے اچھے خاندان کے لڑکے اور لڑکیوں کا آپس میں بیاہ ہونا چاہئے۔ انتہٰی۔

پھر پنڈت صاحب صفحہ ۱۰۴ میں لکھتے ہیں لڑکے اور لڑکی کے اختیار میں شادی ہونی اچھی ہے اس میں مخالفت کم ہوتی ہے۔ اور اولاد عمدہ ہوتی ہے۔

پھر پنڈت دیانند صاحب ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۱۱۸ میں لکھتے ہیں جب حمل کا یقین ہو جائے تب سے ایک سال تک مرد و عورت کبھی صحبت نہ کریں۔ کیونکہ اس طریق سے اولاد عمدہ اور پھر دوسری اولاد بھی ویسی ہی ہوتی ہے ورنہ ویریہ بے فائدہ ضائع ہونے سے دونوں کی عمر کم ہو جاتی ہے اور کئی اقسام کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں لیکن آپس میں گفتگو وغیرہ محبت آمیز سلوک دونوں میں ضرور رہنا چاہئے۔

مرد ویریہ کو قائم رکھے۔ اور عورت حمل کی حفاظت کرے اور کھانا پہننا اس قسم کا کرے کہ جس سے مرد کا ویریہ خواب میں بھی زائل نہ ہو۔ اور حمل میں لڑکے کا جسم نہایت عمدہ۔ خوبصورت۔ صحیح۔ توانا اور طاقتور ہو کر دسویں مہینہ میں پیدا ہو۔ خاص کر اس کی حفاظت۔ چوتھے مہینہ سے اور اس سے زیادہ توجہ کے ساتھ آٹھویں ماہ کے بعد کرنی چاہئے۔ جب اولاد پیدا ہو تب عورت اور لڑکے کے جسم کی حفاظت بہت احتیاط سے کرے۔ انتہٰی۔

مذکورہ بالا بیانات ستیارتھ پرکاش سے اظہر من الشمس ہے کہ انسان کا قالب روح کے اعمال سابقہ کے موافق ہرگز نہیں بنتا بلکہ یہ سارا امر ماں باپ کی احتیاطات اور قانون قدرت کی مخالفت یا موافقت پر منحصر ہے اگر اعمال پر منحصر ہوتا۔ تو برہمن کی شادی سے کبھی ایسے بال بچے نہ ہوتے۔ جو قسمت کے مارے اور اللہ کے پھٹکارے ہوں۔ بلکہ ہمیشہ اور ہر حال میں بچے سابقہ اعمال روح کے موافق جنم لیتے اور اس

قسم کی شادیوں میں نطفہ ٹھہرتا ہی نہ پاتا۔ کیونکہ اعمال انسانی اس قسم کے توالد کا اقتضا ہی نہیں کرتے۔ اور یہاں سے خود کرنیوالوں کے لئے تناسخ کا بطلان ایسا ظاہر ہے کہ اور کسی دلیل کی حاجت نہیں۔

اور جب توالد کے ذریعہ سے انسانی قوالب ارواح کے سابقہ اعمال کے موافق بنتے ہی نہیں تو توالد کے رو سے ان کا پیدا ہونا اور سزا جزا پانا اظہر من الشمس ہے اور یہ توالد بلا مواصلت صرف نشاء اخری یعنی قیامت ہی کو ہوگا۔ جس کے مسلمان لوگ قایل ہیں اور یہاں سے قیامت کا وجود ایسا بدیہی الثبوت ہوگیا۔ کہ جس میں عقلمند کے لئے کسی دوسری دلیل کی ہرگز حاجت نہیں۔

دُنیا کے مُصائب اور تکالیف کے اسباب اُن کے وجود کی حکمت اور حقیقت

دنیا کے مصائب اور تکالیف امراض و آلام۔ اوجاع و اسقام کے بواعث کیا ہیں؟

ہماری اسی جنم کی بداحتیاطیاں۔ بداعتدالیاں۔ بدپرہیزیاں۔ اور قانون قدرت کی خلاف ورزیاں کوئی تکلیف اور کوئی مرض نہیں۔ جس کا باعث اسی جنم میں موجود اور معلوم نہ ہو سکے۔ کسی کو تپ ہوئی۔ تو اس کا باعث اسی جنم میں موجود ہے۔ ہیضہ ہوا تو اکل و شرب کی بے احتیاطی اس کا سبب ہوئی۔ سل۔ دق۔ آتشک۔ یا سوزاک کا مرض چمٹ گیا۔ تو اس کے باعث اسی جنم میں آشکارا اور ظاہر ہیں۔ غرضکہ تمام اسقام و آلام کے موجبات اس جنم کی بداحتیاطیاں اور بدپرہیزیاں۔ بے عقلیاں۔ اور حدود الٰہی کے خلاف ورزیاں ہیں۔ چنانچہ پنڈت لیکھرام نے بھی مجبور ہو کر بجز اس قسم کے روگوں کے اور تمام امراض و آلام کو اسی قسم کی بے احتیاطیوں اور قانون قدرت کی خلاف ورزیوں کا نتیجہ مان لیا ہے۔

اور تعالےٰ قرآن شریف میں صاف فرماتا ہے وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر۔ تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے تمہارے کرموں کا پھل اور کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ اور خدا کی شان رحمت تو یہ ہے کہ وہ تمہاری اکثر شامت اعمال سے درگزر کرتا ہے اور ہر خطا کے بعد پیدا ہوا مستحق نہیں۔

بے احتیاطیوں اور بداعتدالیوں کو خیال میں بھی نہیں لاتا۔ وہ گذرہی کرتا رہتا ہے۔ اور پھر فرمایا وما اصابک من مصیبۃ فمن نفسک۔ تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے تمہاری ہی ذات کیطرف سے ہے یعنے تمہارے ہی کرموں کا پھل ہے بے احتیاطیوں۔ بدپرہیزیوں اور قانون قدرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے۔

اور پھر فرمایا وما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک تم کو جو بھلائی پہنچتی ہے سو اللہ تعالے کیطرف سے ہے۔ کیونکہ وہ سب سکھوں اور نعمتوں کا داتا ہے۔ اگر اسکی حدود کو توڑا نہ جائے۔ تو ہمیشہ سکھ ہی سکھ پہنچاتا ہے اور جو برائی پہنچتی ہے تمہاری جان کیطرف اور شامت اعمال کی وجہ سے ہے۔

اور پھر فرمایا ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ یعنی تم اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ پڑو۔ یعنی قانون قدرت اور سنن الٰہی کی خلاف ورزی کرکے اپنی ہلاکت کے موجب آپ نہ ہو جاؤ۔ آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ انسان کو جسقدر سکھ۔ راحت اور آرام پہنچ رہا ہے اللہ تعالی کیطرف سے ہے اور جسقدر دکھ تکلیف اور امراض اور اسقام پہنچتے ہیں اس کی کرتوتوں کا نتیجہ اور کرموں کا پھل ہے اگر وہ تقوے احتیاط اور جادۂ اعتدال پر قایم رہے۔ حدود الٰہی کو ہمیشہ زیر نظر رکھے۔ سنت الہیکا اتباع کرے۔ تو ہرگز کسی دکھ۔ درد۔ اور مصیبت میں گرفتار نہ ہو۔

پس جسقدر مصائب و آلام دنیا میں ہم کو ستاتے ہیں وہ ہمارا اپنا ہی کیا دھرا ہے وہ خیر محض اور ارحم الراحمین ہرگز نہیں چاہتا۔ کہ ہم تکالیف۔ آلام اور مصائب و اسقام میں مبتلا ہوں۔ بلکہ اس نے بڑے زور کے ساتھ روکدیا ہے کہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔ اپنی جانوں کو آپ ہلاکت میں نہ ڈالو۔

یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی تمام تکالیف امراض اور آلام ہماری ہی کرتوتوں کا نتیجہ اور کرموں کا پھل ہے کلام ربانی نے ایسا ہی ظاہر فرمایا ہے۔ اس حیص میں وید یا کسی دوسری کتاب نے کچھ اس سے بڑھکر نہیں بتایا۔

لیکن سوال تو یہ ہے کہ خدا تعالی نے دنیا میں امراض و آلام تکالیف و اسقام کا وجود رکھا ہی کیوں۔ کیوں نہ انسان کی بناوٹ ایسی بنائی کہ دکھ درد کا احساس ہو ہی نہ سکتا۔ اور وہ دکھ درد کا نام بھی نہ جانتا۔

اسکا جواب یہ ہے کہ سکھ اور آرام کا قدر بتلانے اور اپنی رحمت کاملہ کا مزا چکھانے کیلئے سکھ کی شناخت اور قدر بمقابلہ دکھ ہی کے ہے۔ یعرف الاشیاء باضدادھا

چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اگر دکھ نہ ہوتا تو سکھ کا بھی نام اور قدر کچھ نہ ہوتی عافیت کی قدر کس کو ہے مصائب زدہ۔ راحت کی دکھی کو۔ تندرستی کی بیمار کو۔ جو شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو بعد اُس سے چھوٹنے کی قدر اور راحت اس کو بدرجہا بڑھکر ہوتی ہے بمقابلہ اس شخص کے جو کبھی اس مصیبت میں گرفتار نہیں ہوا۔ اسی لئے حکمت الہیہ نے مجموعہ عالم میں مصائب و تکالیف۔ آلام و اسقام کا بھی وجود رکھا ہے تاکہ راحت و آرام کی قدر اضعافاً مضاعفہ بڑھ جائے۔ اور انسان ابدی دکھوں سے چھوٹنے اور جاودانی راحت و آرام کا طالب ہو۔

قرآن شریف میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اہل جنت جب بہشت میں داخل ہونگے۔ تو اللہ تعالی کا شکر بجا لائیں گے جس نے ان کو ہر قسم کے دکھوں سے نجات دی۔ اور اس طرح انکی راحت اور آرام بدرجہا بڑھ جائیگا۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے وقالوا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب۔ اور بہشتی بہشت میں کہیں گے۔ سب خوبیاں اور تعریف اس اللہ کو جس نے ہمارا دکھ درد کھو دیا۔ یقیناً ہمارا رب بخشنہار اور قدردان ہے جس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو ابدی گھر میں رہنے کے لئے لا داخل کیا۔ اسمیں ہم کو نہ کوئی دکھ ہے اور نہ ہی کوئی تکان اور ماندگی ہے۔

پس اہل جنت بھی جنت کی قدر ان دکھوں اور تکلیفوں کے مقابلہ سے کرینگے جو دنیا میں ان کو وقتاً فوقتاً پہنچتی رہیں۔

مصائب دنیا کی وجہ تو یہ ہوئی اساس میں سر یہ ہے کہ جب حکمت الہیہ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اپنی صفات کاملہ عدل و رحم وغیرہ کا مظہر کامل ٹھیرایا۔ اُس کو خود مختاری کی سی نعمت عطا فرمائی۔ آزادی کا تاج زیب سر کیا۔ ذات ربانی اپنی صفات کاملہ کا مظہر ہوا۔ اور انسان بالمقابل آئینہ کیطرح مظہر تو اس امر کے ظہور کے لئے ضروری تھا کہ کچھ حدود و قوانین انسان کیلئے ایسے مقرر کئے جاتے جن پر چلنے سے وہ مورد رحم اور ان کی عدم تعمیل سے مظہر عدل ہوتا۔

اس عدل اور رحم کے ظہور کیلئے یہ ضرور تھا کہ انسان کے جسم اور قلب کی بناوٹ ایسی وضع کی ہوتی۔ کہ ان صفات کاملہ کا وہ بخوبی جلوہ گاہ ہو سکتا۔

سعدی نہیں قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید

حکمت الٰہیہ نے اس امر کے ظہور کے لئے اُس کے جسم اور قلب کی بناوٹ ایسی وضع پر
خلق کی کہ طبیعت کے ملائم امور سے اُس میں سکھ کا احساس ہوتا ہے اور نا ملائم امور کے ظہور
سے دکھ کا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی حدود اور سُنن کا اتباع کرتا ہے تو سکھی اور مورد
رحم ہوتا ہے اور جس وقت سُنت الٰہیہ سے روگشی کرتا اور حدود الٰہی کو پھاندتا ہے تو
بمظہر عدل ہو کر دکھ میں مبتلا ہوتا اور سزا پاتا ہے۔ یہ ہے دکھ اور سکھ کی حکمت اور سر
کچھ شک نہیں کہ انسان کو دکھ مشیت الٰہی سے ہی ہوتا ہے۔ یعنی اسی کے قوانین اور
حدود سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہی۔ لیکن خدا تعالیٰ کسی کے دکھ میں مبتلا ہونے سے
راضی نہیں ہے وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی شخص حدود الٰہی کو پھاندے یا دکھ
میں مبتلا ہو (ولا یرضٰی لعبادہ الکفر) اُس نے عام نوٹس دیدیا ہے نبئ عبادی انی انا
الغفور الرحیم۔ تم میرے بندوں کو اطلاع دیدو کہ میں بخشنے والا مہربان ہوں اگر میرے قوانین
کو توڑو گے تو ہمیشہ مغفرت اور رحمت کے مورد ہو گے وان عذابی ھو العذاب الیم
اور میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے۔ میری مقررہ حدود سے تجاوز کرو گے تو [illegible]
کے پھیر میں آجاؤ گے۔

خدا تعالیٰ کا اپنی پاک کتاب میں جا بجا ارشاد ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ میری
ہدایتوں کی پیروی کرو میری سُنتوں کا خیال رکھو۔ میرے قوانین اور حدود کو مت
توڑو۔ میں تم کو دنیا و دین میں کامیاب اور برخوردار کرونگا۔ لیکن انسان [illegible]
عطیہ الٰہی کو بے جا طور پر استعمال کرنے اور حدود الٰہی کو پھاندنے سے دکھوں [illegible]
مصیبتوں کا نشانہ بنتا ہے وما ظلمنا ھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون
اور ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے لیکن وہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان اللہ لیس
بظلام للعبید خدا بندوں پر ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔

تمام محرمات الٰہی اور منہیات زہر اور سانپ ہیں۔ اُن کے پاس بھٹکنے سے اللہ
تعالیٰ کی طرف سے سخت ممانعت ہے اور تمام امور معروف اور احکام شرعی نوشدارو
اور شہد ہیں جو آئندہ زندگی کیلئے آبحیات اور اکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے دنیائے ظاہر میں جو سانپ بچھو۔ زہر اور درندے پیدا کئے ہیں
اُن کے وجود کا سر اور حکمت بھی یہی ہے تاکہ آئندہ آنیوالی دنیا کے اندر اُن کو [illegible]
خودی کا ایک نمونہ قائم کرے جس طرح اس دنیا میں ان سانپوں زہروں اور
درندوں کے پاس جانے سے ہلاکت دنیوی کا ڈر ہے اسی طرح محرمات اور منہیات

کے سانپوں اور زہروں کے قریب بھٹکنے سے ہلاکت اُخروی کا خوف ہے۔
شیطان بھی ہلاکت اُخروی کے لیئے ایک بڑا سانپ ہے اور آسمانی کتابوں میں
اسکو اژدہا کہا گیا ہے۔ خدا تعالےٰ کی ہدایت ہے کہ سانپ کے قریب بھی نہ بھٹکو۔
سانپ کے پیدا کرنے سے خدا تعالےٰ پر کوئی حرف نہیں آسکتا بلکہ وہ ایک ہدایت ہے
اس امر کی کہ جس طرح پر اس سانپ کے منہ میں انگلی دینے سے دنیا میں ہلاک
ہوتے ہیں۔ اسی طرح محرمات الٰہی کے سانپوں کے قریب جانے سے اُخروی ہلاکت
کے مستوجب ہونگے۔
لیکن اُس سانپ سے ڈسوانا اور اُس کے قریب جانا یہ البتہ انسان کا اپنا قصور ہے
احتیاط نہ کرنے اور سانپ کے مُنہ میں انگلی دینے کا کیا نتیجہ ہے۔ یہی کہ وہ ڈسیگا اور
انسان ہلاک ہو جائیگا۔ زہر کے کھانے کا کیا پھل ہے۔ انسان اپنے تئیں ہلاک کریگا
اور دنیاوی زندگی سے محروم ہو جائیگا۔ یہ اللہ تعالےٰ کا قانون ہے کہ زمین ہر شے
کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ آگ جلا دیتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے تئیں کوٹھے
پر سے گرا دے یا اپنے تئیں آگ میں ڈال دے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ انسان مر
جائیگا یا چوٹیں لگینگی یا آگ میں پڑے تو اپنے تئیں جلائیگا یا ہلاک کر ڈالیگا ایسا
ہی سڑی بُری روٹی وغیرہ کے کہانے اور طبیعت کے مخالف غذاؤں کے استعمال
سے امراض کو بلائیگا۔ بدکاری اور زناکاری سے آتشک اور سوزاک خرید لیگا
یہ تمام امور اس بات کے آگاہ کرنیوالے ہیں کہ شرائع الٰہی سے تجاوز کرنا بھی ہلاکت
اُخروی کا موجب ہوگا۔
اس کے برخلاف ایک پرہیزگار اور محتاط آدمی ان سب آفات و بلیات امراض
و آلام سے محفوظ و مصؤن رہیگا۔ موافق غذاؤں کے کھانے اور مناسب ورزش کرنے
سے تندرست اور عمدہ سے عمدہ حالت میں رہیگا اور اپنی طبعی عمر پر پہنچیگا۔
بات یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان جیسا کرتا ہے ویسا بھر لیتا ہے ملائم اسباب کے
استعمال سے قانون قدرت کے موافق تندرست اور سکھی رہتا اور مخالف امور
کے استعمال سے بیمار اور دُکھی ہو جاتا ہے یہ تمام امور اس بات کی رہنمائی کرتے ہیں کہ
خدا کی سچی شریعت کی اتباع یا انحراف ہی اُخروی نجات یا ہلاکت کا موجب ہے۔
مذکورہ بالا بیانات سے ظاہر ہے کہ دنیا کے مصائب کی حکمت اور حقیقت یہ ہے تاکہ
آنیوالی دنیا کے سزا جزا کا نمونہ ٹھیرے اور ہر شخص معلوم کرلے کہ جسطرح دنیا کے ظاہری

میں قوانین قدرت کے توڑنے اور حدود الٰہی کو پھاندنے سے خدا تعالےٰ کی طرف سے الیم
و شدید سزا ملتی ہے اور سُنّت الٰہیہ کی پیروی سے راحت اور کامیابی نصیب ہوتی
ہے اسی طرح عقبےٰ میں بھی شریعت الٰہی کی تعمیل سے جزا اور عدم تعمیل سے سزا نصیب ہوگی
۔ اس کے سوا دنیا کے مصائب کی ایک حکمت یہ بھی ہے تاکہ انسان خدا سے غافل
اور محض دنیا میں منہمک نہ ہو جائے۔ خوشحالی میں انسان اکثر خدا سے غافل ہو جاتا
ہے اور تکلیف کے وقت اضطراراً اُسکی طرف رجوع کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے
تکالیف کا وجود دنیا میں اس لئے رکھا ہے تاکہ انسان خدا تعالےٰ کی طرف جھکا رہے
اور اُسکو بھول نہ جائے موت کے وجود کی بھی یہی حکمت ہے تاکہ انسان اپنی ہستی کو
واجب نہ سمجھ لے اور ہمیشہ خدا تعالےٰ کی طرف جانے کو آمادہ و تیار رہے ۔ کسی نے
سچ کہا ہے ؎ موت نے کر دیا ناچار و گرنہ انسان + ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قایل ہوتا
یہ حکمت اس وقت خوب سمجھ میں آتی ہے جب ایک لحظہ کیلئے یہ فرض کر لیا
جائے کہ دنیا کے اندر کسی تکلیف اور مرض کا نام و نشان نہیں۔ تمام دنیا تندرست
دولت مند آسودہ اور خوشحال ہے۔ سب کو روزی یکساں مل رہی ہے۔ کسی کو
کسی پر فضیلت نہیں۔
تو نتیجہ کیا ہوگا۔ دنیا کی دنیا فسق و فجور میں مبتلا۔ دولت کی دلدادہ۔ خدا فراموش
دین سے غافل۔ دنیا میں منہمک۔ امن و امان کا باب مسدود۔ دنیاوی فتنہ و فساد
اور خانہ جنگیاں موجود۔ کما قال اللہ تعالیٰ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض
ولکن ینزل بقدر ما یشاء اور سعدی کہتا ہے ؎ پدر را عسل بسیار است اما پسر
گرمی دار است۔
پھر دنیا کی تکالیف کی ایک وجہ انسان کا سدھار اور درستی ہے تاکہ وہ تکالیف سے متنبہ
ہو کر آئندہ کیلئے عبرت پکڑے اور اپنی حالت سنبھالے جس طرح راہ میں ٹھوکر
کھانیوالا آئندہ کے لئے سنبھل کر پاؤں رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تکالیف کو ایک طبیب
حاذق اور حکیم کامل کے عمل سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو مریض کی بہتری اور
سدھار کے لیے کبھی اُسکو کڑوی دوا پلاتا ہے اور کبھی اسکی فصد لیتا ہے اور کبھی
بیمار کے زخم کو شگاف دیتا اور کبھی شاید اس کے کسی عضو کو کاٹ بھی ڈالتا ہے
مگر ایسا کرنے سے کوئی شبہ نہیں کر سکتا کہ طبیب اپنے بیمار کے ساتھ عداوت
رکھتا ہے۔ اسی طرح جو تکلیفیں دنیا میں انسان کو پہنچتی ہیں اس حکیم کامل دہر

طبیب حاذق کی طرف سے۔ یہ تو کبھی غضب نہیں کیا جا سکتا کہ بلا وجہ ہیں بلکہ ہر ایک تکلیف میں کوئی نہ کوئی انسان کا فائدہ ہی مضمر ہے۔ ظاہر میں تکلیف ہے اور باطن میں آرام۔ ابتدا میں ایذا ہیں اور انجام میں راحت۔

شفیق باپ اپنے پیارے بیٹے کو۔ منصف اور رحم دل بادشاہ۔ اپنی عزیز رعیت کو تادیب یا پند یا اصلاح یا کسی دوسری مصلحت سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تکلیف دیتا ہے اسکو کوئی شخص کبھی نہیں کہتا کہ جور و ظلم پر مبنی ہیں نہ انکے شکایت کی جاتی ہے نہ فریاد مگر خدا کی طرف سے جو تکالیف پہنچتی ہیں انکی آریوں کو سخت شکایت ہے اور معاذ اللہ وہ خدا کو ظالم بے رحم وغیرہ کے لفظ سے خطاب اور تناسخ کے حضور میں جا پہنچے ہیں۔ حالانکہ ان کی تکالیف کو تناسخ سے کوئی تعلق نہیں اُن کے وجود اور اسباب اس دنیا میں صاف ظاہر ہو رہے ہیں۔

سب سے بڑا فائدہ جو مصیبت سے انسان کو پہنچتا ہے یہ ہے کہ مصیبت دل میں بالتخصیص عجز و انکسار کی صفت پیدا کرتی ہے اور خدا کو یاد دلاتی ہے اور حقیقت میں بندہ مصیبت کے وقت خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ مصیبت نہیں بلکہ رحمت ہے۔

لیکن خدا کو یاد کرنا اور اسکی طرف رجوع کرنے کے یہ معنے نہیں کہ انسان شکایت کرے اُسکو ظالم جابر کہے یا اُس سے ناراض ہو جائے بلکہ اُس کے یہ معنے ہیں کہ اسکی رحمت پر پورا بھروسا اور اعتماد کر کے سچے دل سے یقین کرے کہ جو کچھ ہوا خوب ہوا بہتر ہوا مناسب ہوا اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ یہ ہے درجہ رضا و تسلیم کا اور اسی کا نام صبر جمیل ہے۔

بعض دفعہ انسان پر خدا کی طرف اُس کے قوت ایمان کی آزمائش اور دنیا کے سامنے اُس کا کامل ایمان ظاہر کرنے کے لئے امتحان کے طور پر بلیات نازل کیجاتی ہیں تاکہ اس کے راستباز و وفادار بندوں کی دنیا میں عزت و کاملیت ظاہر ہو اور صرف زبانی دعوی کرنے والے الگ چھانٹ جائیں جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔

و لیمحص اللہ الذین آمنو۔ تاکہ اللہ تعالے اُن لوگوں کو جو ایمان دار ہیں نکھار دے اور یہ فرمایا ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اولئک علیہم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون۔ ہم تمہیں امتحان

[illegible]ہی کرینگے - تھوڑے خوف - بھوک - مالوں - جانوں اور ثمرات کی کمی سے اور خدا کی معیت
پر صبر کرنے والوں اور مستقل رہنے والوں کو خوشخبری دیدے کہ جب انکو مصیبت پہنچتی ہے
تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اودھر ہی جانا ہے - اُن لوگوں کو خدا کی تحسین و
آفرین اور رحمتیں ہیں اور اُن لوگوں نے خدا کی ٹھیک راہ پالی -

پھر ایک جگہ فرمایا ہے احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا
وھم لا یفتنون - کیا لوگ منہ سے اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے
اور وہ امتحان الہی میں نہ پڑینگے - نہیں بلکہ وہ ضرور اس طرح پرکھے جائیں گے -
جسطرح سنار سونے کو کٹھالی میں ڈالکر پرکھتا ہے اور آخرکار صدق و خلوص کا
امتحان پاس کرنے والے اور رہ جانے والے صاف ممتاز ہو جائینگے - اس قسم
کی تکالیف اور ابتلایات خصوصاً انبیاء اور بزرگان دین پر زیادہ نازل ہوتی
ہیں تاکہ انکے پرلے درجے کا اخلاص - صداقت اور وفاداری اور شکر و صبر ساری
دنیا کو معلوم ہو جائے - یہ تکالیف ہی تکالیف نہیں - بلکہ اس کا انجام اللہ
تعالےٰ کی غائت رحمت اور مغفرت ہوتی ہے - تمام مصائب اور بلیات
جیسے قحط وبا وغیرہ اللہ تعالےٰ کی مشیت سے بعض دفعہ ایسے اوقات میں
نازل کی جاتی ہیں - جب انسان خدا کی طرف سے بہت غافل - سرکش اور مغرور ہو
جاتے ہیں بلکہ اُن امور سے بھی جو نظام دنیا کے لئے ضروری ہیں - روکش اور بالکل
منحرف ہو بیٹھتے ہیں - ایسی حالت میں تمام وبائیں اور بلائیں خدا کی طرف سے
بھیجی جاتی ہیں اور دنیا کے لئے سخت تنبیہ [illegible] تہدید ہوتی ہے - ایسی حالت
میں اگر انسان خدا کی طرف کامل توجہ اور کامل خلوص سے رجوع کرے وہ مصیبتیں
رفع کی جاتی ہیں - متعفن ہوائیں منتشر کی جاتی ہیں - وبائیں دور کیجاتی ہیں مینہ
برسایا جاتا ہے - قحط کو دور کیا جاتا ہے -

بعض تکالیف خدا کے عاشق اور صادق بندے اپنے محبوب کو خوش کرنے کے لئے
اپنے اوپر آپ گوارا کر لیتے ہیں جسطرح نوافل [illegible] اور وہ لوگ جو دنیا کی بادشا
ہتوں پر لات مار کر فقر اختیار کر لیتے ہیں - راتوں کو اٹھکر تہجد پڑھنے والے خدا کی یاد میں مصیبتیں
سہنے والے وغیرہ -

اہل [illegible] یا ان پر بعض دفعہ اُن کے چند ایک گن[illegible] کی وجہ سے ہی ایسے امراض
تمام [illegible] یف و [illegible] دنیا [illegible] وارد کر دئے جاتے ہیں [illegible] پاک صاف اور [illegible]

سونے کی طرح نکھر کر عالم عقبیٰ کی طرف منتقل کریں۔
تکالیف و مصائب کے نزول کے اسباب مفصل اُن کے ٹھیک اصول اور تمام حکمتیں اور مراتب کتاب ہی سے ظاہر ہو رہے ہیں جو غور کے ساتھ مطالعہ کرنے سے منکشف اور مبرہن ہوتے ہیں۔

خدا تعالےٰ نے کسی کو لولا۔ لنجا۔ لنگڑا۔ اندھا۔ کانا۔ کوڑھی اور مبروص اور آتشک زدہ کیوں بنا دیا ہے کیا اس سے عدل الٰہی قائم رہ سکتا ہے؟

بادی النظر میں اس قسم کے بیماروں کو دیکھنے سے ایک بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے بیمار اور معذور اور خاص کر جنم کے اندھے اور اپاہج کیوں پیدا کر دیئے اور ایک سطحی نظر کا انسان اس سے دھوکا کھا جاتا ہے کہ خدا کے عادل و منصف اس طرح کے بیمار اور جنم کے دکھیا کیوں پیدا کرتا ہے اس کا باعث شائد گذشتہ جنم کے اعمال اور تناسخ ہی ہے اور شائد وید کا مذہب سچا ہے۔
لیکن غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ انوکھی منطق بالکل غلط ہے۔ اصل امر کو گذشتہ جنم کے اعمال یا وید کی تعمیل سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب اسی جنم کا نتیجہ اور خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب (قانون قدرت) کی خلاف ورزی کا ثمرہ ہے۔
دنیا میں جس قدر لولے لنگڑے اندھے [illegible] وغیرہ نظر آ رہے ہیں۔ اُن میں سے اکثر تو پیدائشی ہیں جو خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب کی مخالفت کرنے کی وجہ سے گرفتار امراض ہیں۔ انہوں نے یا اُن کے والدین نے ہی کسی نہ کسی صورت میں قانون قدرت کی خلاف ورزی کی ہے۔ چنانچہ ان کے اسباب ہر جگہ اس جنم میں موجود اور معلوم ہو سکتے ہیں۔ قانون قدرت کی خلاف ورزی اور عدم احتیاط ہی ایک جرم ہے جس کی پاداش میں وہ گرفتار ہوئے۔ باقی رہے جنم کے اندھے اور اپاہج۔ اُن کی نسبت یہ گذارش ہے کہ بیشک یہ بھی کسی نہ کسی صورت میں قانون قدرت کی خلاف ورزی کی سزا بھگت رہے ہیں اور بلا ریب یہ اعمال ہی کے نتائج بھگت رہے ہیں لیکن پچھلے جنموں کے نہیں اگرچہ اعتقاد الیاں۔ بربر بیماریاں کرم ہیں اور تمام بیماریاں بشا اعتقاد الیوں قانون قدرت کی مخالفت سے ہوتی ہیں جیسا کہ آریہ کا اعتقاد ہے

ثبوت تناسخ صفحہ ۱۱۲- تو ایا ہجوں اور ہر ایک قسم کے بیماروں اور دکھیوں کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یا اُن کے والدین نے کہیں نہ کہیں ضرور سخت بے اعتدالیاں اور قانون قدرت کی مخالفت کی ہے۔ بہت سے لُولے۔ لنگڑے۔ اندھے۔ کانے۔ مجذوم و مبروص تو اسی جنم میں سخت بدپرہیزیاں اور قانون قدرت کی مخالفت کرنے سے موجود ہو گئے ہیں۔ کوئی اندھا ہے تو لولا۔ لنگڑا۔ مبروص و مجذوم ہے تو ہر ایک مرض اور دکھ کی وجہ کوئی نہ کوئی اسی جنم میں موجود ہے جو اصول طب کے موافق ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکتی ہے۔ کسی نے ٹیکا نہیں لگوایا۔ چیچک نکلی۔ اندھا ہو گیا۔ کسی کی ایک آنکھ چھِد گئی یا کوئی اور وجہ ہو گئی کانا ہو گیا۔ خاص خاص قسم کی غذاؤں میں پرہیز اور احتیاط نہ کرنے سے برص یا جذام ہو گیا۔ فاحشہ عورت کی صحبت سے آتشک ہو گیا۔ سوزاک والے آدمی کے ساتھ لٹے جلنے سے سوزاک ہو گیا۔ غذاؤں میں عدم احتیاط کی وجہ سے بعض اشخاص کی طبیعت متعدی امراض کے قبول کرنے کے قابل ہو گئی تھی متعدی مرض چپٹ گیا جسکی وجہ سے مر گیا یا اپاہج اور روگی ہو گیا پس کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے بہت سے امراض اور روگ تو اسی جسم کی بداحتیاطیوں، بدپرہیزیوں اور بے اعتدالیوں سے ہیں۔ جنہیں احتیاط اور پرہیز کرنے اور اعتدال کے خیال رکھنے اور اصول طب و حفظان صحت پر عمل کرنے سے نہایت کمی بلکہ یہ بیماریاں کافور ہو سکتی ہیں۔

اب رہ گئیں جنم کی بیماریاں اسکی وجہ بھی ظاہر ہے۔ بہت سے روگ تو موروثی ہیں۔ ایک شخص آتشک یا دق میں مبتلا ہے۔ ایسی حالت میں عورت سے ہمبستری کی۔ منی کا مادہ جو رحم میں گیا اُس بیماری کا اثر ساتھ لے گیا۔ بچہ بھی آتشک میں مبتلا ہو گیا یا کسی وقت دق میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ غرض کہ بہت سی بیماریاں تو سُنت الٰہی کے موافق خدا تعالےٰ کے قانون سے مخالفت کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ حالت حمل میں وقاع کے اندر بے احتیاطی ہو گئی لڑکے کے کسی عضو کو ضرر پہنچ گیا اور ویسا بچہ

ف جب سے ٹیکا لگوائے جانیکا رواج ہوا ہے چیچک کیوجہ سے جو اندھے کانے وغیرہ ہوتے تھے اب اسمیں نہایت ہی کمی ہو گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے جنم کے ساتھ ان باتوں کو کوئی تعلق نہیں اگر ٹیکا لگوانا بالکل فضول ہوتا اور جنہوں نے پہلے جنم میں کوئی ایسے کرم کئے ہیں انکو اندھا ہونا ہوتا تو انکو ضرور چیچک نکل آیا کرتی اور اندھے ہو جایا کرتے۔ چیچک میں کمی آنا کوئی ضرور نہیں تھا۔

پیدا ہوا کسی شخص کے نطفہ میں متناسب الاعضا بچہ پیدا ہونے کی تاثیر نہیں ہے لڑکا ایاہج یا ہیڑول پیدا ہوگیا منی کے ضعف وخرابی کی وجہ سے بچہ میں خاص اثر پیدا ہو گیا۔ غرضیکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے تمام امراض اور روگ اور دکھ قانون قدرت کی مخالفت اور بداعتدالیوں ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں مگر ان کے اسباب طبعیہ اسی جنم کے اندر معلوم ہوتے ہیں پہلے جنم کے کرموں اور ویدکی تعلیم کے ساتھ انکو کوئی تعلق نہیں خواہ کوئی شخص وید کو مانے یا نہ مانے قانون قدرت کی مخالفت یا موافقت کی وجہ جو نتائج طبعیہ برآمد ہونیوالے ہیں وہ کسی صورت سے رک نہیں سکتے۔ یہ بیماریاں اور دکھ قانون قدرت کی مخالفت یا موافقت کی وجہ سے بیش یا کم ہوسکتے اور ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ تعلیم وید سے انکو کوئی تعلق نہیں۔ جن قوموں میں وید کا کوئی نام تک نہیں جانتا۔ ان میں بھی قواعد طب اور حفظان صحت پر عمل کرنیوالے بیماریاں کا فور اوسان کی مخالفت کرنے سے بیماریاں عام شائع ہوتی رہتی ہیں۔ افریقہ کا کوئی حبشی یورپ میں جا بسے تو مرور زمنہ کے بعد اس کی نسل پر بھی یورپ کی آب ہوا اثر ہوکر آخرکار اس رنگ سے رنگین ہو جائیگا۔ یورپ کا کوئی آدمی افریقہ کے کسی سخت گرم ملک میں سکونت اختیار کرے مرور ایام کے بعد آب ہوا کا اثر ہوتے ہوتے آخرکار وہ بھی ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد کا مصداق ہوجائیگا۔ جس قسم کی آب ہوا میں انسان جا رہے قانون قدرت کے موافق اُسکا اثر ہونا ضروری ہے۔

پس کچھ شبہ نہیں کہ دنیا کے امراض اور دکھ شکھ کو پچھلے جنموں کے پاپ پن کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں۔ ہر ایک مرض اور دکھ کے باعث اسی جنم میں موجود اور معلوم ہوسکتے ہیں۔

پس اگر کوئی شخص مبروص ہے یا مجذوم یا آتشک زدہ ہے تو اپنی یا اپنے والدین کی بد احتیاطیوں اور بداعتدالیوں کی وجہ سے صحیح اور تندرست کو قوانین حفظان صحت و علم وطب پر عمل کرنے کی وجہ سے ان اللہ لیس بظلام للعبید خدا کسی پر ذرا بھی ظلم کا روادار نہیں۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی جو شخص قوانین قدرت کی موافقت کرتا ہے صحیح اور تندرست رہتا ہے جو شخص ان قوانین کو کسی نہ کسی صورت میں توڑتا ہے۔ ہمیشہ دکھی اور روگی رہتا ہے خدا کی حکمت تلف نہیں ہوسکتی وما ظلمناھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔

اللہ تعالیٰ کا عدل یہی ہے کہ جو شخص اُس کے قانون کو توڑے سزا پائے۔ اگر

کوئی شخص لولا۔ لنگڑا یا اندھا ہوگیا ہے تو اُس نے یا اس کے والدین نے کسی نہ کسی صورت میں قانون قدرت کو توڑا ہے اگر ایک شخص نے بُرا بیج یا وقت سے آگے پیچھے یا نامناسب طور پر بویا ہے تو یہ قصور بونے والے کا ہے۔ پیدا کرنے والے کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر اور مبدء فیض ہے وہ اپنے قانون قدرت کے موافق اگر وہ بیج ذرا بھی پھوٹنے یا نشوونما پانے کے قابل ہوگا۔ اُسے زمین سے ضرور اُگا دے گا۔ وہ اپنے فیض سے کسی کو کسی صورت سے محروم نہیں رکھتا نہ رکھنا چاہتا ہے مگر یہ اُسی بیج یا بیج ڈالنے والے کا قصور ہے مبدء فیض اور خالق کا ذرا قصور نہیں ہے ؎ باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ٭ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ٭ وہ انسان کے ہر ایک فعل پر اپنے قانون قدرت کے موافق ایک نتیجہ مترتب کر دیتا ہے وہ اپنے قانون اور سنت کو وہ کبھی اور کسی صورت میں نہیں توڑتا۔ انسان کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اُسے ارادہ اور اختیار دے رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے موافق عمل کرے اور اس کے اصولوں کو نہ توڑے۔ مباشرت میں اعتدال برتے۔ قوانین طب کے موافق چلے۔ کثرت جماع۔ جلق۔ اغلام۔ زناکاری۔ آتشک کی وجہ سے اپنے بیج کو خراب نہ کرے۔ اور بیج بونے کے لئے وقت اور موسم اور اندازہ کا خیال رکھے۔ اللہ تعالیٰ تو جیسا فعل انسان سے صادر ہوگا۔ اسی قسم کا نتیجہ اس پر مترتب کر دیگا اور یہی اللہ تعالیٰ کا عین عدل و انصاف ہے کہ جیسا بیج بویا جائے ویسا درخت پیدا کر دے۔ بُرے بیج سے اچھا پھل یا اچھے بیج سے بُرا پھل پیدا کر دینا یہ واقعی خلاف کے عدل و انصاف کے خلاف ہے لیکن یہ ہرگز عدل الٰہی کے خلاف نہیں جیسا بیج ہو ویسا درخت پیدا کر دے جیسی نطفہ میں تاثیر ہو ویسا انسان پیدا کر دے۔ جیسی خوراک ہو ویسا اثر پہنچا دے۔ جس نے کسی مرض کی وجہ سے مناسب کوئی [illegible] اُسے گندہ یا ناقص بچہ بنا دے بلکہ بالکل سنت اللہ کے موافق اور عین عدل الٰہی ہے جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ اور اختیار دے رکھا ہے قدرت کے قوانین و اصول سے آگاہ کر دیا ہے تو اب جو شخص ان قوانین کو توڑیگا وہ ضرور ضرور خمیازہ بھگتے گا۔ یہی اللہ تعالیٰ کا نظام قدرت اور عدل الٰہی ہے۔

بیشک اگر سلسلہ توالد و تناسل ہے تو یہ انسان کو مناسب غذاؤں کے کھانے معتدل [illegible] پیدا کرنے جیسی [illegible] کے موافق وقت پر مباشرت کرنے اور ہر طرح اعتدال و احتیاط کی [illegible]

[illegible] کی ایک کل [illegible] جیسی [illegible] پہنچ جاتی ہے [illegible] نہیں [illegible] مناسب [illegible] نہیں پہنچتی [illegible] کریں ٭

طرف سے ہدایت نہ ہوتی۔ اور انسان کا مادہ تو یہ بھی مطلق اختیار نہ تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ مادہ
منویہ مقتضیہ حالت جنین کے بطن مادر میں اولاد پیدا کر دیا کرتا یا زمین سے آدمی پیدا کر دیا
کرتا جیسے اہل اسلام کے موافق حضرت آدم کو پیدا کیا یا آریہ کے قول کے موافق ابتدا میں
آدمیوں کو بلا مواصلت پیدا کیا اور پھر جسم کے دولے بنے انڈے وغیرہ پیدا کرتے۔ تو بعضہ تناسخ
پر ایک طرح کی دلیل ہو سکتی۔ یا خدا تعالیٰ کے عدل و انصاف پر حرف آسکتا۔ لیکن جبکہ منی
کی مقتضیہ حالت کے موافق انسان کا جسم تیار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کلوا واشربوا
ولا تسرفوا فرمایا ہے اور طیبات نہ معتدل غذاؤں کی ہدایت فرمادی ہے اور بد پرہیزیوں
بداعتدالیوں اور بد احتیاطیوں سے بکار از بند منع کر دیا ہے تو اب جس قدر نقائص خلقت بشری
میں نظر آرہے ہیں قانون قدرت کی خلاف ورزیوں سے تناسخ کو صریحاً باطل کر رہے ہیں

آتش زدہ لوگوں اور موروثی امراض والوں اور قدرت کے قوانین کو توڑنے والوں نے تو گناہ کیا۔ لیکن انکی اولاد نے کیا گناہ کیا کہ ان میں بھی یہ امراض موروثی طور پر چلی گئیں۔

اللہ تعالیٰ حکیم ہے اسکی حکمت تلف نہیں ہو سکتی۔ اس نے دنیا کیلئے جو عدل و قانون مقرر کر
رکھے ہیں۔ ان کے برخلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نہ اس نے جو افعال اخلاق کے متعلق مقرر
کئے ہیں وہ بدل سکتے ہیں اگر ایک آتشک زدہ آدمی کے نطفہ میں آتشک کا مادہ موجود ہے
تو ضرور ہے کہ اس نطفہ سے جو بچہ پیدا ہو۔ اس میں بھی اس کے آثار پائے جائیں۔ اسیطرح اور
جہاں جہاں قانون قدرت کے برخلاف کیا گیا ہے ضرور ہے کہ اس کا کہیں نہ کہیں نتیجہ ظاہر
ہو۔ اللہ تعالیٰ کو نہ کسی سے رشتہ داری ہے نہ دشمنی نہ کسی کیواسطے وہ اپنے قانون کو
توڑ سکتا ہے نہ جبر کرتا ہے آتشک زدہ آدمی نے کیوں یہ کار کی۔ کیوں خدا تعالیٰ کے قانون
کے برخلاف کیا جس شخص نے قانون کو توڑا۔ ضرور ہے کہ اسکی سزا بھی اس کو ملے جب
تک کہ اس کے جسم میں مادہ آتشک سرایت کئے ہوئے ہے وہ بھی دکھ پائے اور اسکی
اولاد کو بھی اسکی سزا بھگتنی پڑے۔ کہ وہ بھی اس کے ساتھ تعلق اور قرابت رکھنے کی وجہ

سے سزا کے قابل ٹھیری تو خود اولاد کی تکلیف بھی ایک طرح پر والدین کی تکلیف ہے والدین
ہرگز نہیں چاہتے کہ ان کی اولاد تکلیف اور دکھوں میں مبتلا ہو۔ والدین اپنے اوپر تکلیف
گوارا کر سکتے ہیں۔ لیکن اولاد کی تکلیف اُن کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اولاد کی خوشی
سے والدین کو خوشی اور ان کے رنج سے ان کو بیدا رنج ہو سکتا ہے۔ پس اولاد کو اگرچہ
بیگناہ ہے۔ لیکن ماں باپ کی تکالیف کو بڑھانے کے لئے اور اس نتیجہ کو پُر خطر اور عبرتناک
بنانے کے لئے قدرت نے اس مرض کو متعدی اور موروثی رکھا تا کہ اس قسم کی کرتوتوں
سے اور فطرت اللہ کے برخلاف کرنے سے لوگ سخت اجتناب کریں۔ اور آئندہ اس قسم کی
حرکات سے باز آئیں۔

نیچر میں اس کے ہزار ہا نظائر موجود ہیں جنہیں کئی امراض متعدی دوسروں کو جن کا
مادہ اس مرض کے قبول کرنے کے لائق ہوتا ہے چمٹ جاتے ہیں۔ ہیضہ کی وبائیں اور
طاعون کی وبائیں یہ امراض متعدی نہ اسی تحریک اور مقتضی مرض حالت پر دوسروں
کو لگ جاتے ہیں۔ اطباء نے بیسیوں امراض متعدی بیان کئے ہیں۔ جو اس طرح پر برابر
دوسروں کو چمٹ جاتی ہیں۔ بیسیوں موروثی امراض ہیں جو دو تین پشتوں تک چلی گئی
ہیں اور اس کو کسی قوم کسی فرقہ۔ کسی مذہب اور کسی ملک سے تخصیص نہیں۔ خواہ وہ وید
کا پیرو ہو یا نہیں۔ یہ قوانین قدرت اپنا اثر اور نتیجہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور
سوائے احتیاط اور بد احتیاطیوں سے بچنے کے اور کسی طرح پر رک نہیں سکتے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ موروثی اور متعدی امراض کا وجود وید کی تعمیل یا عدم تعمیل
پر منحصر نہیں۔ بلکہ قوانین ہیں جو لگائے اور قواعد حکمت کے برخلاف کرنے پر یہ نتائج اور
آثار مترتب ہوتے ہیں اگر انسانی جماعت اس قسم کی کرتوتوں اور بد احتیاطیوں
اور بے احتیاطیوں سے پرہیز اور اجتناب کرے تو سب طبعی موت سے مرا کریں۔ اور
قسم قسم کے دکھ یہ امراض ہرگز ان کا دامن پکڑنے نہ پائیں۔

ناقص الخلقت۔ اندھے بہرے۔ جو کسی نہ کسی طرح پر قانون قدرت کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کو مواخذہ کرنا انصاف کی نہیں

ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ کسی شخص کا جنم کے بعد یا کور مادر زاد پیدا ہونا یا کسی اور طرح پر ناقص الخلقت ہونا کسی نہ کسی صورت سے قانون قدرت کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہے اور صرف اس کے یا اس کے والدین کی غلط کاریوں۔ بد پرہیزیوں اور بد احتیاطیوں کا نتیجہ ہے انسان کی غلط کاریوں اور قانون قدرت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ضرور تھا کہ ایسا ہی ہو۔ ورنہ حکمت الٰہی تلف ہوتی ہے اور انصاف الٰہی قائم نہ رہتا۔ کہ جن لوگوں نے قانون قدرت کی مطابقت کر کے اچھا بیج (نطفہ) پیدا کیا ہے۔ ان کی پیداوار (اولاد) کو کمال و جمال اور حسن فطرت میں ان لوگوں کے مساوی کر دیا جائے جنہوں نے قانون الٰہی کی اپوزٹ کر کے بُرا بیج (نطفہ) حاصل کیا ہے یا پیداوار (بچہ) پیدا ہونے کے بعد اس کی حفاظت اور احتیاط کما ینبغی نہیں۔ افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون۔

ان کا اپاہج اور ادھورا پیدا ہونا تو بیشک خدا تعالےٰ کی کمال حکمت اور عین انصاف کے موافق ہے۔ اب سوال یہ رہا کہ پھر اللہ تعالےٰ ان لوگوں سے دنیا یا عالم عقبیٰ میں مواخذہ کیوں کرتا ہے۔ اور کیونکر کریگا۔ جبکہ وہ فطرتاً ناقص الخلقت ہیں اور اپنے نقصان فطرت کی وجہ سے شریعت الٰہی پر پورا عمل نہیں کر سکتے +

سو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے لوگ خلقت اور پیدائش میں ناقص ہیں ایسا ہی اُن پر شریعت الٰہی کی کامل تعمیل کا بوجھ بھی نہیں ڈالا گیا۔ اور نہ اُن سے شریعت الٰہی کی کامل تعمیل کا مواخذہ کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها اللہ تعالےٰ کسی جان کو مکلف نہیں کرتا۔ مگر اسی قدر جتنی اس کی استطاعت ہے اور پھر فرمایا فاتقوا اللہ ما استطعتم یعنی جہاں تک تم کو استطاعت ہے وہاں تک تقویٰ اختیار کرو۔ کہ ہر ایک شخص کے لیے اُس کی استطاعت کے موافق تقوےٰ اختیار کرنا ہی حق تقاتہ (خدا تعالےٰ سے ڈرنے کا حق ہے)

شریعت الٰہی میں ہر ایک شخص سے اس کی فطرت حالت اور استطاعت کے مطابق باز پرس ہے جو شخص نصاب کا مالک نہیں۔ اس سے اس بات کی باز پرس نہیں ہوگی کہ اس نے زکوٰۃ یا صدقہ فطر کیوں نہیں دیا۔ پرلے درجہ کے بوڑھے یا بیمار سے روزہ کی باز پرس نہیں ہوگی۔ غرض جب آدمی سے [illegible] استطاعت نہیں کیا جائیگا۔ [illegible] سے ان باتوں کی بابت مواخذہ نہیں ہوگا جو [illegible] سے متعلق ہیں۔ بہر حال [illegible] باز پرس نہ ہوگی [illegible] سے تعلق رکھتی ہیں [illegible]

بات کا مطالبہ نہ ہوگا کہ تم نے باآواز بلند خدا کو کیوں یاد نہیں کیا۔ یا علم کیوں نہیں پڑھا پڑھایا۔ شریعت الٰہی میں لولوں لنگڑوں۔ اپاہجوں مریض اور مسافر ان سب کے لئے بیجا بجا رعائتیں کی گئیں ہیں اور ان کو اکثر احکام کے ادا میں مجبور سمجھکر معذور رکھا گیا ہے۔ لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج۔

• تو یہ بات ہے کہ مفلس سے حج۔ زکوٰۃ کا مطالبہ کرنا۔ اپاہج سے جہاد میں نہ جانے پر مواخذہ کرنا واقعی ظلم ہے اور انصاف الٰہی سے بعید۔ لیکن ہر ایک شخص سے اس کی اطاعت کے موافق مواخذہ کرنا ہرگز ظلم نہیں ہے قوانین عدالت میں بھی ایسے شخص کے لئے جو کمزور سیا بیمار۔ یا مجبور و معذور ہوں رعائتیں رکھی گئی ہیں۔ اور ہر ایک قانون میں مستثنیات ہیں پس اس طرح اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں سے جو کسی عمل کے بجالانے کی بالکل قدرت اور طاقت نہیں رکھتے۔ مواخذہ نہیں کرے گا اور صرف استطاعت پر اخذ کریگا۔ اور یہی عین انصاف ہے۔

بالکل یہاں بھی مرفوع القلم ہیں۔ اور وہاں بھی مرفوع القلم۔ کم سن بچوں کو جہاں بھی مستثنے رکھا گیا ہے۔ عقبیٰ بھی وہ مستثنے ہوں گے۔ ہر ایک شخص سے اس کی حالت اور استطاعت کے موافق مواخذہ نہ ہوگا۔ حیوانات جن کو عقل نہیں۔

یکلخت مرفوع القلم ہیں۔ دیوانے جو حیوانوں کی مثال ہیں وہ بھی بازپرس سے بری کسی شخص سے اس کی استطاعت سے زیادہ مواخذہ یا مطالبہ نہیں ہوگا۔ جو لوگ جس حد تک شریعت الٰہی کے نیچے آسکتے ہیں۔ اور جہاں تک تعمیل احکام الٰہی کی ان سے امید کی جاتی ہے وہاں تک ان سے مواخذہ ہوگا۔ اور استطاعت کے موافق حساب عین عدل ہے۔

دیوانوں۔ بچوں اور حیوانات کا کیا انجام ہوگا۔ اگرچہ ان کے انجام کی حقیقت تو اللہ تعالےٰ کو معلوم ہے لیکن ظلم کسی پر مطلق نہیں کریگا۔ دیوانے اور بچے مرفوع القلم ہیں اپنے فضل و رحم سے اللہ تعالیٰ ان کے نقصان کو واضح پورا کردیگا اور اپنے سایہ عاطفت کے نیچے جگہ دیگا۔ ان کی نسبت شریعت الٰہی میں ان کی فطرت و حقیقت کے موافق فیصلے ہے۔

جن لوگوں کے پاس کتاب الٰہی یا احکام الٰہی نہیں پہونچے۔ اُن کا کیا حشر ہوگا؟ ✦ ✦ ✦

جب تک قانون نافذ نہ ہو اور عام طور پر پھیل نہ جائے کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کی وجہ سے زیر مواخذہ نہیں ہو سکتا۔ نہ مجرم ٹھیر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قانون (قرآن شریف) نافذ ہو چکا ہے اور عام طور پر قریباً ساری دنیا میں پھیل چکا ہے اس لئے کوئی شخص اس کی خلاف ورزی میں قانون الٰہی کے نہ پہنچنے کا عذر نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اس سے واقفیت پیدا کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے نافذ ہونے اور عام طور پر پھیل چکنے کے بعد قانون کی عدم واقفیت پیدا کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے۔ حکم خدا جو عام طور پر نافذ اور شائع ہو چکا ہے ہر شخص کا فرض ہے کہ اس سے واقفیت پیدا کرے۔ واقفیت پیدا کر کے اس کی تعمیل کرے۔ اس کی ہدایتوں کا خیال رکھے۔ اس سے بغاوت نہ کرے۔ ورنہ حاکم حقیقی کا باغی ٹھیر کر حبس دوام (جہنم ابدی جیلخانہ) کا سزایاب ہوگا۔ اور اس کا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔ عدم تعمیل احکام اور جرموں پر معمولی سزائیں ہوتی ہیں لیکن بغاوت کی سزا ابدی ہلاکت اور دائمی حبس کے سوا کسی قانون میں اور کچھ نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا حاکم ہی نہیں مانتا نہ اس کے حکموں کی پرواہ کرتا ہے (کافر) یا اصلی حاکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے حاکم کی اطاعت کا دم بھرتا ہے (مشرک) یا اوپر سے ظاہرداری کے طور پر اصلی حاکم کی اطاعت کا دم بھرنا اور دل میں کسی غیر شخص سے ملا ہوا ہے (منافق) وہ کسی صورت میں اصلی حاکم کی عنایت کے زیر نظر نہیں ہو سکتا۔ نہ اس پر کچھ رعایت ہو سکتی ہے۔

پس کچھ شبہ نہیں ہے کہ خدا سے بغاوت کرنیوالے اور اس کے حکموں کی پرواہ نہ کرنے والے۔ کافر۔ مشرک۔ منافق۔ حبس دوام کے مستحق ہونگے۔ اور قانون کی عدم واقفیت۔ نفوذ قانون اور عام اشاعت کے بعد اُن کے لئے کوئی عذر صحیح نہیں ہے۔

ہاں اگر فی الواقعہ کہیں قرآن شریف نہیں پہنچا۔ اور وہ کوکسی صورت میں بلاواسطہ یا بواسطہ اتنا بھی پتہ نہیں لگ سکا۔ کہ قرآن بھی کوئی قانون الٰہی کی کتاب دنیا میں موجود ہے۔ تو ان کی نسبت شریعت الٰہی میں خاص رعایت ہے تعمیل ... ان کا خاص طور پر امتحان ہوگا بصورت تعمیل حکم پاس کر دئے جائینگے۔ اور بہشت ابدی ... حاصل کرینگے۔ بصورت عدم تعمیل کے فیل کر کے حبس دائمی کا حکم انکے لئے نافذ کیا جائیگا۔ مگر ظلم کسی پر نہیں ہوگا۔ ان اللہ لیس بظلام للعبید۔ خدا کسی پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں

ہر ایک انسان عمرِ طبعی پر پہونچنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے

ان اللہ لیس بظلام للعبید۔ خدا تعالیٰ کسی پر ظلم اور زیادتی کا روادار نہیں وہ اپنی ساری مخلوق کو ایک نظر سے دیکھتا۔ اور سب پر یکساں اپنی رحمت اور فیضان رکھتا ہے۔ خواہ قابلہ ہو یا نہ بھی۔ وہ اپنا فیضان کرنے کو ہر وقت اور ہمیشہ طیار ہے۔ اس کے قوانین مقررہ پر برابر عمل کیا جائے دین اور دنیا میں ہرگز نقصان نہیں ہوسکتا۔

تواریخ سے ثابت ہے کہ قدیم زمانہ میں عمریں بھی بڑی ہوتی تھیں۔ لوگ قد آور وجیہ و شکیل بھی ہوتے تھے اور بیماریاں بھی ان میں شاذ و نادر دخل پاتی تھیں لمبے لمبے کانے گنجے۔ اور اپاہج بھی شاذ و نادر پائے جاتے تھے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی کہ وہ لوگ بلوغت کے بعد شادیاں کرتے۔ منی کو ضائع نہ کرتے۔ زناکاری اور بدکاری کا ان میں رواج نہ تھا۔ قسم قسم کی ورزش ان کا شیوہ تھا۔ ہمیشہ سکھی اور خوش رہا کرتے تھے۔

لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ نسلوں میں کمی آگئی۔ عمریں گھٹ گئیں۔ بیماریوں نے ڈیرہ جمایا۔ اپاہج بڑھ گئے۔ قد کوتاہ ہوگئے۔ آرام و آسائش کافور ہوگئے۔ اور دنیا اور تنگی اور نظر آنے لگ گئی۔ اس کا سبب بھی ظاہر ہے بچپن میں شادیاں کردی جاتی ہیں جنکی نسل دن بدن گھٹتی اور کمزور ہوتی جاتی ہے زناکاری۔ جلق۔ اغلام عام پھیل گیا آتشک اور سوزاک کے امراض بڑھ گئے۔ موروثی اور بدنی جڑ پکڑ گئے۔ ورزشوں کی طرف سے پہلو تہی کیگئی ہے اس کا نتیجہ جو ہونا چاہئے سو ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہ اپنے قلوب کی حالت آپ نہ بدل دے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت ظلم یا جبر کے طور پر نہیں بدل دیتا۔ بلکہ عدل اور انصاف کے ساتھ جب کوئی قوم اس کے قوانین دینی یا دنیاوی پر عمل کرتی ہے۔ وہ دینی یا دنیاوی حالت میں اُن کے ساتھ رہتا ہے لیکن جب کوئی قوم اس کے قوانین مقررہ سے انحراف اور اسکی سنتوں سے روگشی کرتی ہے وہ بھی ان لوگوں سے علیحدہ ہوجاتا ہے۔ اور پھر ان کو توفیق خیر نہیں دیتا خدا تعالیٰ کو کسی کی چاپلوسی رعایت یا قرابت نہیں جو لوگ اسکی سنتوں پر عمل کریں حدود مقررہ سے

تجاوز نہ کریں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتا ہے۔ دینی پہلو ہو یا دنیاوی ہندو ہوں یا مسلمان۔ عیسائی ہوں یا یہود اسکی نظیر کیلئے یہود کی حالت کا نظارہ کافی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی چاہیتی قوم تھی۔ لیکن جب جب خدا کے احکام اور قوانین سے انحراف کرتی رہی اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کرتا رہا۔ اور انکی بری گت بناتا رہا۔ لیکن جب کبھی وہ راہ راست پر آ جاتی۔ پھر اِن کے ساتھ ہو کر ترقی اور تہذیب کے فلک الافلاک پر ان کو چڑھاتا رہا۔ اور انکو منصور مظفر اور مقبول عوام بناتا رہا۔

تو بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی شخص یا خاص قوم کے ساتھ خویشی یا قرابت نہیں ہے وہ کسی کی خواہ مخواہ رعایت نہیں کرتا۔ اور نہ کسی کو تباہ اور ہلاک یا کمزور اور سست کرتا ہے۔ ہاں جو لوگ اس کے قوانین اور حدود مقررہ کی رعایت رکھتے ہیں۔ ان کا ساتھ دیتا ہے اور جو اس کے قوانین کو توڑتے حدود سے تجاوز کرتے ہیں ان کو تنزل اور پستی کے تحت الثریٰ میں گرا دیتا ہے۔

قہر بلا مبادلہ

یا تصرف مالکانہ

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ

(خدا جو کچھ کرتا ہے اس سے پوچھ ہرگز نہیں ہو سکتی اور لوگوں سے بازپرس ہونے والی ہے)

ہم اس دنیا میں قانون قدرت کی نگاہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بے انتہا ایسے نظائر موجود ہیں جن میں اکثر حیوانات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے قہر بلا مبادلہ ہو رہا ہے دنیا میں۔ لاکھوں۔ شیر۔ بھیڑیے۔ ریچھ۔ چیتے۔ وغیرہ جنکی غذا میں حیوانات کا گوشت ہے کروڑ ہا شکاری پرندے۔ باز۔ عقاب۔ شاہین وغیرہ جنکی خوراک ہی پرندوں وغیرہ کا گوشت ہے سمندر کے کروڑوں جانور وہ سب کے جانور نگلتا ہے

ناشتہ بناتے ہیں۔ جنس جنس کو کھا کر گذارہ کرتے ہیں۔ ایک قسم کی مچھلیاں دوسری قسم کی مچھلیوں کو نگل جاتی ہیں۔ اسی طرح یہ گوشت خور جانور دوسری قسم کے جانوروں کی بیجا ترقی کو روکتے ہیں اور دنیا میں جانوروں کا ایک ہی قسم کا اندازہ قائم رکھتے ہیں۔ اگر یہ شکاری جانور گوشت خور حیوانات۔ دوسری قسم کے جانوروں کو اپنی خوراک نہ بنائیں تو دنیا میں یہ جانور اس حد تک بڑھ جائیں کہ ان کا بقا انسان کی زندگی کے لئے بھی سخت حارج ہو جاتا - سارا سمندر اس قسم کے حیوانات سے بھر جائے۔ کوئی جگہ جہازات چلانے کو نہ رہے۔ کاربونیٹ کی زیادتی سے انسان کے لئے دم لینا دوبھر ہو جائے تو بات یہ ہے کہ یہ سب انتظام اور سارا نظام اسی رحیم و کریم خدا ہی نے کیا ہوا ہے۔ جو رب العالمین اور دیالو و کرپالو ہے اور یہ قہر خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن جانوروں پر بلا مبادلہ ہے انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس نظارہ قدرت کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا دنیا میں مالکانہ تصرف ہے۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید وہ جو کچھ چاہے وہ کرتا ہے اور جو ارادہ کرے ویسا حکم کرتا ہے لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون وہ جو کچھ کرے اُسپر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا اور لوگوں پر اعتراض ہو سکتا ہے۔

ہاں مالک پر کون گرفت کر سکتا ہے۔ مالک حقیقی اور متصرف تحقیقی کے یہی تو معنے ہیں کہ وہ ہر طرح تصرف و اختیار رکھے۔ جو چاہے کسی کو مارے چاہے زندہ رکھے دوسرے شخص کی چیز میں تصرف کرنا ظلم ہوتا ہے۔ اور اپنے ہاتھ کی بنائی چیز کو خواہ کوئی شکل قائم رکھے۔ چاہے مصلحۃً توڑ دے کوئی اسپر حرف نہیں رکھ سکتا۔ یہ آریہ ہی کا حکم ہے کہ وہ خدا پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور اسپر گرفت کرتے ہیں کہ اُس نے دنیا کے حالات میں کیوں اختلاف کیا۔ سب کو امیر کیوں نہ بنا لیا۔ ہر ایک کے ساتھ ایک ہی قسم کا سلوک کیوں نہ کیا۔ چھوٹے بچوں پر موت کیوں وارد کی۔

صاحب خدا متصرف حقیقی اور مالک تحقیقی ہے۔ اُس کا اختیار ہے جو چاہے کرے مالک پر کون حرف رکھ سکتا ہے۔ خالق پر کون گرفت کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ادب ہرگز اس بات کا مقتضی نہیں کہ اُسپر کسی قسم کا اعتراض نہ کیا جائے۔ آریہ کا مالک پر اعتراض۔ ظلم ظلم ظلم۔ شرم شرم شرم۔

یہی مالک ہونے کے معنے ہیں کہ جو چاہے اپنی ملک کے ساتھ سلوک کرے اُسکا ہے تو وہ متصرف پہچانا جاتا ہے کہ چاہے اپنی چیز کو قائم رکھے۔ چاہے مٹا دے

کرے۔ بھلا بتاؤ تو اگر اسکی مالکیت کا تقاضا نہیں تو یہ سارے جانور دوسرے جانوروں کو کیوں ہلاک کرتے ہیں شکاری جانوروں کو کیا سمجھ ہے کہ کس کو کھائیں اور کس کو رکھیں اور جو جانور کھائے جاتے ہیں انہوں نے ان شکاری جانوروں کا کیا گناہ کیا ہے کہ دن رات کروڑہا مارے جاتے اور دوسرے جانوروں کا ناشتہ ہوتے ہیں۔ خود انسان پر کیوں موت وارد کیجاتی ہے اور باتیں تو گناہوں کے بدلہ میں ہوتی ہیں۔ موت کس گناہ کے بدلہ میں ہے جو ہر ایک رشی منی اور گیانی سے گیانی اور نیک سے نیک شخص پر بھی وارد کی جاتی ہے جس سے ہر ایک شخص ڈرتا اور انسانی روح کانپ رہی ہے کیا یہ قہری نشان اور تصرف مالکانہ کا نظارہ نہیں ہے۔ پس آپ تی جیح دراحت۔ موت وحیات کو تصرف مالکانہ کا نتیجہ کیوں نہیں سمجھتے انسان سر پر بال رکھتا ہے اسمیں کثرت سے جوئیں پڑکر اسکو سخت ستاتی ہیں یہ کس جرم کی سزا ہے سات جوؤں کا انسان نے کیا گناہ کیا ہے سر کے بال کتروا کر باہر پھینکتا ہے سب جوئیں مر جاتی ہیں۔ جوئیں کو یہ کس جرم کی سزا ملی۔ دن رات پانی میں ہم ہزارہا کیڑے نوش جان کرتے ہیں۔ سو کیڑوں کو یہ کس قسم کی سزا ہے کیڑوں نے ہمارا کیا گناہ کیا تھا اگر کیڑوں پر رحم کرکے ہم پانی پینا چھوڑ دیں خود مرتے ہیں۔ ہمکو یہ کس جرم کی سزا ملی۔ بیک ناگاہ ہمارا پاؤں سانپ پر پڑجاتا ہے۔ وہ اپنے بچاؤ سے ہمکو کاٹ جاتا ہے اور ہم مر جاتے ہیں ہمکو یہ کس جرم کی سزا ملی۔ ہم نے اس سانپ کا کیا گناہ کیا تھا اور ہم نے آپ کیا گناہ کیا ہے۔ غرض کہ یہ ساری مثالیں تناسخ کی مبطل اور راہ اگون کی دشمن اور خدا کے تصرف مالکانہ کی مثبت ہیں ؛

آریوں کی غلطی اور مغالطہ کا نظارہ

پنڈت لیکھرام صاحب ثبوت تناسخ میں لکھتے ہیں۔ خدا نے بعض آدمیوں کو افریقہ جیسی جلتے ریگستان میں پیدا کیا۔ بعض کو معتدل ممالک میں بجز تناسخ کے یہ ممکن نہیں۔

فاما الجواب

کیا آپ کو یقین ہے کہ اگر لوگ وید کے پورے متبع ہوجائیں تو پھر افریقہ میں کوئی شخص پیدا نہ ہوگا اور سرزمین افریقہ بالکل انسانوں سے خالی ہوجائے گی۔ یہ خیال

توفلسفۂ حقہ کے بالکل برخلاف ہے اگر ایسا ہی ہوجائے تو پھر وہ انسان کہاں سما سکینگے
اور کیونکر باقی سطح زمین میں سما سکتے ہیں تو میں بغیر وید پر عمل رہنے کے آپ کو ایک تجویز
بتاتا ہوں جس سے سب لوگ اس سزا سے بچ سکتے ہیں اور پھر کوئی بھی افریقہ کے
جلتے ریگستان میں پیدا نہ ہوگا نہ کوئی حبشی وہاں نظر آئیگا وہ یہ ہے کہ سب اہل افریقہ
دیگر ممالک میں چلے آئیں کچھ پشتوں کے گذرنے کے بعد دیگر ممالک کی آب و ہوا
کی تاثیر سے اُن کی اولاد بھی دیگر براعظموں کی طرح گوری چٹی پیدا ہو۔ نہ گرمی اور
نہ ریگستان کی تپش سے اُنکو کچھ تکلیف ہوگی۔ ایسی ایسی سادہ لوحی اور بھولے پن
کی باتیں کرکے آریہ لوگ دیگر قوموں کو دھوکا دیتے اور تناسخ کی طرف مائل کرتے ہیں
لیکن کوئی اہل عقل اُن کی اس قسم کی باتوں کو مان نہیں سکتا جو طفلانہ کہانیوں سے
زیادہ وقعت نہیں رکھتیں اور سراسر علم حقہ اور حکمت صحیح کے برخلاف ہیں۔

مغالطہ دینا آریوں ہی کا کام ہے وہ نہیں جانتے کہ جیسی سرزمین ہوتی ہے اور
جس قسم کی آب و ہوا ہوتی ہے۔ آب ہوا اور ملک کی تاثیر سے ویسی مخلوقات وہاں
پیدا ہوتی ہے اور اسی قسم کی آب ہوا اُن لوگوں کو بھاتی ہے اور وہی فطرت اللہ کے
موافق عین انکی مزاج وطبیعت کے موافق ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں کو دل
آریوں سے بڑھ کر شکر ہوں۔ کیونکہ شکر کا معیار قلب کے احساس پر ہے نہ ظاہری حالت
جو شخص مدت تک جس ملک میں رہے اس ملک کی آب ہوا آہستہ آہستہ
اثر کرتے کرتے اپنے رنگ میں رنگین کر لیتی ہے یہ کیا بھولا پن ہے کہ خدا تعالے نے بعض
لوگوں کو افریقہ کے جلتے ریگستان میں پیدا کیا۔ بعض کو بہشت جیسے ملک میں اسکا
موجب پچھلے جنم کے اعمال ہیں۔

اللہ تعالے نے جس شخص کو جس ملک میں پیدا کیا ویسے ہی سامان زیست بھی
اُس کیلئے مہیا کر دئے ہیں۔ ہر ایک کے لئے ملک کی حالت اور باشندوں کی فطرت کے
موافق سامان مہیا کرنا عین انصاف الہی ہے۔ اسمیں قدرت کی طرف سے ظلم کیا ہے
وہ لوگ اگر اسکو ظلم سمجھتے ہیں تو وہاں سے دیگر ممالک میں چلے آئیں۔ کوئی روک نہیں ہے
پھر کوئی شخص وہاں پیدا نہ ہوگا نہ اس قسم کی سزا بھگتے گا نہ
وید کی تصدیق تب ہوتی ہے جب کہ تمام افریقہ کے گرم ممالک کے لوگ دیگر ممالک
میں چلے آویں اور پھر بھی بسبب تولد وہاں انسان پیدا ہو جائیں لیکن اگر سب
لوگ وہاں سے چلے آئینگے باوجود اس پھر کوئی شخص پیدا نہ ہوا تو اسمیں کیا شک ہے

کہ تناسخ کا ماننا محض ایک افسانہ دیرینہ اور بازیچہ طفلاں ہے۔

پھر پنڈت صاحب موصوف بحث تناسخ کے صفحہ [illegible] سطر ۸ پر تحریر فرماتے ہیں جب یہ ثابت ہے کہ لڑکے قانون قدرت یا کسی قانون کی خلاف ورزی میں گرفتار ہیں پس حمل میں یا پیدا ہوتے ہی انہوں نے خلاف ورزی کیا کی؟

مولوی صاحب ایمان سے کہنا۔ سوائے تناسخ کے اسکا کوئی جواب ہے؟

فاما الجواب

بھولے پنڈت! مغالطہ دینا آپ کا ہی کام ہے۔ خدا آپ کو راہ راست دکھائے۔ صاحب! اگر لڑکے نے قانون قدرت کی خلاف ورزی نہیں کی تو اس کے ماں باپ نے تو کی۔ لڑکے اپاہج پیدا ہونیکے باعث ضرور قانون قدرت کی خلاف ورزی ہے خواہ والدین کی طرف سے ہو۔ خواہ کسی غیر کی طرف سے۔ پیدائشی امراض کا سارا موجب قانون قدرت کی خلاف ورزیاں ہیں۔ خواہ کسی کی طرف سے ہوں۔

آپ کی اس تحریر سے تو سارے اطبا، حکما، و فلاسفر حیران ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بچہ کا اپاہج یا لولا۔ لنگڑا یا ناقص الخلقت وغیرہ ہونا قانون ازدواج کی خلاف ورزی اور فعل مباشرت میں افراط تفریط کا نتیجہ ہے اگر قانون ازدواج کی خلاف ورزی نہ کی جائے تو کبھی قیامت تک ایک آدمی بھی اپاہج پیدا نہیں ہو سکتا۔ پیدائشی امراض کو سابقہ جنموں کے گناہوں اور وید کی مخالفت سے ذرا بھی تعلق نہیں اگر ساری دنیا وید کی متبع ہو جائے تاہم قانون ازدواج کی مخالفت سے بچے لولے۔ لنگڑے۔ ناقص الخلقت ضعیف دماغ ضرور پیدا ہونگے اگر ساری دنیا وید کی مخالف اور مکذب ہو جائے اور قانون ازدواج پر ٹھیک ٹھیک عملدرآمد کرے تو ایک بچہ بھی ناقص الخلقت اور اپاہج نہیں ہو سکتا۔ اس امر کو سابقہ جنم اور تناسخ سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ صرف قانون ازدواج کی خلاف ورزی کے نتائج ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب اپنی کتاب معین الحکیم میں زیر لفظ جماع کے لکھتے ہیں کہ تاریخ ثابت کرتی ہے کہ ایک وقت وہ تھا جبکہ اندھے۔ لولے۔ بہرے۔ ناقص القویٰ ضعیف الفطرت بچے ہی نہیں پیدا ہوا کرتے تھے اور اگر ہوتے بھی تھے تو اس قدر کم تعداد [illegible] کے برابر تھے جیسا تاریخ سے پتہ نہیں لگتا ان کی تمام زندگی امراض سے [illegible] عمر [illegible] ہے۔

زائد بچے ناقص الفطرت اور ضعیف القویٰ پیدا ہوتے ہیں جو طفولیت ہی میں ضائع ہو جاتے ہیں اور اگر زندہ رہے تو ہمیشہ کے لئے اپنی ذات اور اپنے والدین اور اقربا پر وبال جان رہتے ہیں۔ کبھی کوئی مرض ہے کبھی کوئی دکھ ہے۔ غرض ٹھیک ہمیشہ کیلئے صحیح و تندرست رہنا ہونا ایک شاذ و نادر امر رہ گیا ہے۔

• ادھر عورتوں کا حال سنو کہ بے ادبی اور خلاف ورزی قوانین جماع کی وجہ سے ہمیشہ ہسپتالوں یا طبیبوں کے دروازوں پر پڑی رہتی ہیں۔ ہاضمہ اور اشتہا کا ہمیشہ فاسد رہنا۔ عام ضعف۔ اختلاج قلب۔ صداع۔ دوران سر۔ تکان اور سستی لاحق رہنا ایک معمولی بات ہو گئی ہے۔ ان تمام امراض کی اگر تحقیق کی جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ یہ تمام نتیجہ جماع کی بے ادبیوں کا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہر ایک امر کیلئے قدرتی اسباب رکھے ہیں اور خاص خاص قوانین مہیا کئے ہیں۔ انہی اسباب کے مہیا کرنے اور انہی قوانین پر کاربند ہونے سے وہ امر ٹھیک ٹھیک سرانجام پاتا ہے اور اگر ذرا بھی ان اسباب میں افراط و تفریط ہو جائے یا قوانین و سنت اللہ کی مخالفت ہو جائے تو وہ امر ٹھیک سرانجام نہیں ہوتا۔

فعل مباشرت جو دنیا میں سب سے عجیب و غریب ہے وہ بھی ہر ایک انسان سے خاص خاص آداب چاہتا ہے اگر کوئی بشر ان آداب کو ترک کرے تو اس کام میں سخت سخت سزائیں قدرتی طور پر بھگتنی پڑتی ہیں۔ یہ مضمون ایسا وسیع ہے کہ صرف اسی کیلئے ایک بڑا دفتر چاہیے۔

اگر تناسخ ٹھیک ہو تو سوائے آریوں کے دنیا میں اور کوئی شخص انسانی قالب میں نہیں پایا جانا چاہئے

ظاہر ہے کہ تناسخ کا مسئلہ صرف ویدوں کا ایجاد ہے۔ وید کا مقولہ ہے کہ جو شخص وید کی تکذیب کریگا اور اُسکے کلام پر ایمان نہیں لائیگا وہ مہا پاپی اور دشٹ اور ملیچھ ہے۔ بلکہ وید کے رو سے باقی تمام اقوام کفر و شرک میں مبتلا ہیں جو حقیقی توحید وید ہی [illegible] ہیں باقی سب ویدا اس کی حقیقی توحید سے منحرف اور منکر وید ہیں۔ وید مہا پاپیوں (منکرین وید) حکم کی مخالفت کرنے والوں کیلئے مختلف قسم کے جانوروں کے قالب اور قسم قسم کی سزائیں اسی دنیا میں مقرر کرتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ

دنیا میں ۔ ۷ کروڑ بدھ (جو وید کو پاؤں میں روندتے ہیں) اور کروڑہا عیسائی جو تصلیب کے قائل اور وید کے مکذب ہیں ۔ کروڑوں مسلمان ۔ یہودی وغیرہ جو وید کے سخت دشمن ہیں اور اسکو خیالات کا مجموعہ خطاب دیتے ہیں ۔ چونکہ یہ لوگ وید کی مخالفت کی وجہ سے گناہوں کا مجسم مجموعہ ہیں ۔ اس لئے اگر انہیں زیادہ سزا بھی ہوتا ہم کم از کم کئی جنموں تک آدمی کا قالب ہرگز نہیں پا سکتے ۔ اب مزید یہ کہ یہ سب کے سب مدت سے حیوانات کے قالب میں آ گئے ہوتے اور آگے کوئی شخص مسلمانوں یا عیسائیوں وغیرہ کے گھر میں پیدا نہ ہوتا بلکہ سوائے چند آریوں کے اور کوئی فرقہ والا آدمی انسانی قالب میں نہ پایا جاتا سب کے سب مختلف قسم کے حیوانات ہو گئے ہوتے ۔

فرض کرو کہ دنیا کی آبادی سوا ارب ہے ۔ جس میں آریئے صرف دس کروڑ ہیں تو چاہیے تھا کہ زیادہ سے زیادہ سوا سو سال تک صرف معدودے چند آریئے موجود رہتے اور دیگر تمام اقوام حیوانات کے قالب میں ۔ اگر دنیا میں سوائے ایک ارب ۱۵ کروڑ حیوانوں اور دس کروڑ آریوں کے اور کوئی نظر آتا بلکہ آریوں میں سے بھی بعض نجات پا کر اُن کی آبادی بہت کم ہوتی رہتی اور اکثر انہیں بھی حیوان بنتے دنیا میں ایک بشر بھی نظر نہ آتا لیکن ایسا نہ تو کبھی آجتک ہوا ۔ نہ ہو رہا ہے اور نہ کبھی ہوگا ۔ اس سے اظہر من الشمس ہے کہ آریوں کا خیال بالکل باطل اور قانون قدرت کے برخلاف اور مسئلہ تناسخ بالکل غلط اور نا قابل قبول ہے ۔

تناسخ کی سزا سے بچنے کی ایک احسن تجویز

ہم آریوں کو تناسخ سے بچنے کی ایک نہایت احسن تدبیر بتاتے ہیں اگر وہ اس پر عمل کریںگے تو یقین ہے بلا نیک اعمال کئے وہ تناسخ کی سزا سے چھوٹ جائیںگے ۔ اور آئندہ کو کتا اور بندر وغیرہ بننے سے نجات پائیں گے اور ہمیشہ انسانی جونوں میں جنم لیا کریںگے ۔

وہ تدبیر یہ ہے کہ سارے آریئے ملکر یہ کام کریں کہ دنیا کے کل کتوں بلوں اور بندروں وغیرہ کو مروانا شروع کر دیں یہاں تک کہ اُن کی نسل منقطع ہو جائے بکریوں اور گائے وغیرہ جانوروں کا فیصلہ تو مسلمان کر ہی رہے ہیں آریئے یہ کریں کہ ان جانوروں کی آئندہ نسلیں نہ پیدا ہونے دیں یعنی کسی مرغی وغیرہ جانور کو انڈوں پر بیٹھنے نہ دیں ۔ سروں اور کپڑوں کو ہمیشہ صاف رکھیں تا کہ نہ جوئیں پیدا ہونے پائیں ۔ نہ کوئی آریہ جوں کا جنم لے سکے ۔ گندہ چیزوں اور

گندگی کا فوراً انتظام کریں تاکہ اسمیں کیڑے نہ پڑنے پائیں۔
ریشم کے کام بند کرادیں تاکہ ریشمی کیڑوں کی نسل ترقی نہ پائے۔ جوتا پہننا چھوڑ دیں
تاکہ لوگوں کو چوپاؤں کی نسل بڑھانے کی ترغیب نہ ہو۔
مینڈکوں مکھیوں وغیرہ سب کی نسلیں چن چن کر منقطع کردی جائیں۔ حتے کہ ان مسوخہ
جانوروں میں سے کسی کا تخم تک نہ رہے۔ اس کے بعد یقین ہے کہ کوئی آریہ ان مسوخہ
قوالب میں ہرگز داخل نہ ہوگا سب کے سب انسان ہی کی جون میں آیا کرینگے۔
اس انتظام کے بعد اگر کوئی آریہ ان مسوخہ قوالب میں آگیا یا خدا نے ان کا تخم دنیا
میں پھر بھیج دیا تو جان لینگے کہ تناسخ سچا ہے ورنہ تناسخ کے ابطال اور افسانہ اطفال
ہونے میں تامل ہی کیا ہے؟۔

کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایسے اصول و قواعد بیان کئے ہیں جنسے انسان کی تقدیر یعنی اسکی جسمانی و روحانی و اخلاقی حالت بہترین ہو سکے؟

سارا قرآن شریف اس قسم کی ہدایات و ارشادات سے بھرا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ
کا یہ فرمانا کہ وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم یعنے تمہیں جو
دکھ پہنچتا ہے۔ نص ہے اس بات پر کہ جسمانی یا روحانی حالت کا بگاڑنا ہمارے اپنے ہی
ہاتھ میں ہے۔ ہم اپنی کرتوتوں اور بے اعتدالیوں اور افراط و تفریط ہی سے اپنی روحانی
و جسمانی حالتوں کو بگاڑ لیتے ہیں۔ خداوند کریم کا ایسا منشا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہو سکتا
اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة اپنے ہاتھوں
ہلاکت میں مت پڑو۔ صاف ظاہر کر رہا ہے کہ تمام اسباب جنسے ہمارا جسم یا روح ہلاکت تک
اور تکلیف اٹھاتی ہے۔ ہم اپنے ہاتھوں سے ہی پیدا کر لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت
کو توڑنے اسکی فعلی اور قولی کتاب کی بات کا خیال نہ رکھنے سے ہم مصیبت میں ڈالتے
اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال لیتے ہیں۔
اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان و اتوا البیوت من ابوابها
تم گھروں میں اُن کے دروازوں کی راہ سے داخل ہو ہدایات کر رہی ہے کہ ہر بات میں

اس کے اسباب مناسب کی رعایت رکھو۔ ہر حال میں قوانین قدرت کا خیال رکھو۔ ہر امر کو اس کے اسباب ذرائع صحیحہ سے تلاش کرو۔ قوانین قدرت کی پیروی کرو۔ خدا تعالےٰ کی فعلی اور قولی کتاب کی ہدایات پر کاربند ہو۔ تب ان مقاصد و نتائج کو حاصل کر سکو گے۔

اور اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ قل احل لکم الطیبات۔ تو کہدے کہ تمہارے لئے وہی چیزیں حلال ہیں جو طیبات ہیں اور جو بدن کی جسمانی و روحانی حالت کو بگاڑیں نہیں۔ تمام تر انسان کی جسمانی و روحانی و اخلاقی حالت کی درستی کی بنیاد ہے فرمان الٰہی ویحرم علیہم الخبائث یعنی لوگوں پر ناپاک اور مضر صحت چیزیں حرام کرتا ہے۔ حکمت اور طب کی جان ہے۔

اللہ تعالےٰ کا یہ حکم کہ ثیابک فطہر والرجز فاھجر تم اپنے کپڑوں کو صاف رکھو اور پلیدی سے بچتے رہو۔ ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین یقیناً اللہ تعالےٰ کو وہی لوگ پسند ہیں جو روحانی ناپاکیاں چھوڑنے والے اور جسمانی پلیدیوں سے بچنے والے اور پاک و صاف ہیں۔ انسان کو صاف و ستھرا رہنے کی ہدایت کرتا اور ہر ایک قسم کی ناپاکی اور گندگی سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان کہ قل سیروا فی الارض۔ زمین میں چلو پھرو۔ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ زمین میں چل پھر کر خدا کا فضل یعنے روزی تلاش کرو۔ ہر قسم کی مناسب ریاضتوں اور ورزشوں اور ہر امر میں جد و جہد اور سعی و کوشش کی ہدایت کرتا ہے۔

اور اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر وسرابیل تقیکم باسکم ظاہر کر رہا ہے کہ گرمی اور ہر تکلیف کے بچاؤ کے لئے مناسب لباس بناؤ۔ قد انزلنا علیکم لباساً یواری سواٰتکم وریشا لباس کی ہدایت اللہ تعالےٰ نے اس لئے کی کہ اس سے انسان کی ستر گاہ کی محافظت اور ہر طرح کی زیب و زینت اور بدن کی حفاظت رہے۔

اور اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان والمرسلات عرفاً یعنی ہر قسم کی صحت بخش ہوائیں ہی پسندیدہ ہیں۔ یہ ہدایت کرتا ہے کہ بند اور فاسد اور متعفن ہوائیں جو مضر صحت ہیں ان سے بچو اپنے مکانات ایسے بناؤ جنہیں نرم اور صحت بخش ہواؤں کا دخل ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ نساءکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم وقدموا
لانفسکم واعلموا انکم ملاقوہ وبشر المؤمنین۔ تمہاری عورتیں (شہوت
رانی کا ذریعہ نہیں) بلکہ یہ تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں جیسے تم چاہو اپنی کھیتی میں آؤ
اگر کھیتی کو بونے کے لئے نہیں۔ بلکہ اصلاح اور کھیتی کا اصل مقصد پیدا ہونے والی اولاد صالح
کے حصول کے لئے اور اپنی جانوں کے لئے اعمال نیک آگے بھیجو۔ یعنی اپنے لئے اولاد
صالح تندرست پیدا کرو۔ جو آئندہ کے لئے اعمال صالحہ کے ذخیرہ کا موجب ہوں اور
قانون ازدواج میں اعتدال سے نہ بڑھو۔ اور خیال رکھو کہ تم نے یقیناً اس سے ملنا ہے
اور افراط تفریط کی جوابدہی کرنی ہے اور مومنوں کو جو قوانین الٰہی سے تجاوز نہیں
کرتے بشارت دیدے۔ کہ انکی دینی و دنیوی حالت درست ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ
تمہیں اولاد صالح عطا فرمائیگا۔

ہدایت کرتا ہے کہ قانون ازدواج کی مخالفت نہ کرو۔ اس میں افراط تفریط کی طرف
مائل نہ ہو۔ اور ٹھیک ٹھیک ازدواج کے بارے میں قانون قدرت کی پیروی کرو۔
عورتوں کو صرف شہوت رانی کا آلہ نہ سمجھو۔ . . شرت سے بچو خاص خاص
اوقات میں جب اولاد کے پیدا ہونے کا امکان ہو۔ مباشرت کرو۔ اغلام۔ مباشرت
حالت۔ جلق وغیرہ افعال ذمیمہ جو حرث کے نتیجہ کے خلاف ہے پرہیز کرو۔
اور ہر بات میں قانون قدرت کی پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ کی فعلی اور قولی کتاب کی
ہدایات کا خیال رکھو۔

ابدی جنت اور ابدی دوزخ ؟

تمام مذاہب حقہ اس بات پر متفق ہیں کہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ دنیا آخرت
کی کھیتی ہے جس قسم کے اعمال کے بیج اس دنیا میں انسان بو جائے۔ اسی قسم کے
درخت اور ثمرات اس دنیا میں اس کو مل رہیں گے۔ اخلاق اور [illegible]
بیج و ثمر ہے۔ جہاں سے جس قسم کے اعمال خیر یا شر انسان ساتھ لے جائیگا
وہاں اسی قسم کے ثمرات اس پر مترتب ہونگے مرنے کے وقت اعمال حسنہ
یا اعمال سیئہ کا تخم جیسا بھی اس کی فطرت میں داخل ہو چکا ہوگا وہ دار
جنت یا جہنم ہے اسی قسم کا نتیجہ اور ثمرہ کھانے کو ملے گا [illegible]

اور خواہشات نفسانی کی آگ کا نتیجہ اس دنیا میں نار جہنم اور زقوم وغیرہ کی شکل
میں متشکل ہو کر ملے گا۔ اور یہاں اعمال نیک تقوے اور عبادات کا ثمرہ ویسے
جنات کی شکل میں متشکل ہوگا۔ جنکے نیچے ندیاں بہہ رہی ہیں۔

ان اللہ لیس بظلام للعبید۔ خدا کسی بندہ پر ذرہ بھر ظلم کا روادار
بھی نہیں۔ خدا کی طرف سے کسی پر زیادتی اور ظلم نہیں ہوگا۔ جس قسم کے اعمال
انسان دنیا میں کر رہا ہے اسی قسم کے اعمال متشکل ہو کر وہاں انسان کے سامنے
آجائیں گے۔ اور اپنے ہی ہاتھ کا کیا وہاں بھگت لیگا۔ کفر اور اعمال بد وہاں
اس کو ایک ظلمانی وجود بخشیں گے۔ اور خدا تعالے کی قہری تجلی کی آگ میں
پھینکے جانے کا موجب ہونگے۔ اور ایمان و اعمال نیک ایک نورانی وجود
کے ملنے کا موجب ہونگے۔ اور خدا تعالے کے فضل اور رحم کے ظل ظلیل کے نیچے
جگہ ملنے کا باعث ہونگے۔

خدا تعالے کی شریعت کا صراط مستقیم اس دنیا میں ایک پل صراط
کی شکل میں متشکل ہوگا۔ جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز اور ایسا باریک
ہے جیسے ایک خط ہے کہ جس سے بڑھکر باریک ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس صراط
پر مومن۔ کافر۔ منافق سب کو وہاں چلنا ہوگا۔ مومن چونکہ دنیا میں صراط
مستقیم پر ٹھیک چلتے ہیں اس پل صراط پر سے نہایت جلد اور نہایت سرعت
کے ساتھ گزر جائیں گے۔ ایمان کا نور ان کو عبور میں نہایت مدد دے گا۔
کافر لوگ چونکہ دنیا میں صراط مستقیم سے بچلے رہے اس لئے وہاں بھی ان کیلئے
اندھیرا ہو جائے گا۔ جو راستہ نہیں سوجھے گا۔ اور کٹ کٹ کر دوزخ میں گرتے
چلے جائیں گے۔ منافق مومنوں کے نور سے حصہ لینا چاہیں گے چونکہ وہ دنیا میں
دو رخے ہوا کرتے اور کسی قدر مومنوں سے ملے رہتے۔ اور کسی قدر کافروں سے
اسی لئے مومنوں کا نور ان پر کسی قدر پڑے گا۔ اور اس نور سے حصہ لینا چاہیں
گے۔ مگر ان کے اور مومنوں کے درمیان ایک دیوار حائل ہو جائے گی۔ اور

صراط مستقیم کو خط مستقیم سمجھئے جو دو نقطوں کے درمیان باریک سے باریک متصور ہوتا ہے
پس صراط مستقیم خط مستقیم ہی کی شکل کا ہونا چاہئے۔ اور [illegible] خط مستقیم
نہیں سمجھا [illegible] ہو جائیگا۔

یہ لوگ بھی کٹ کر دوزخ میں جا گریں گے۔

غرض یہ ہے کہ جس قسم کی اپنی حالت بنا کر انسان دنیا سے لے گیا ہے اُسی حالت کے موافق وہاں اُس سے برتاؤ ہوگا۔ وہاں کوئی سزا یا جزا باہر سے نہیں آئے گی۔ بلکہ اپنے ہی اعمال خیر یا اعمال شر جہنم و گلزار جنت کی شکل میں متشکل ہو کر ابدی سرور یا ابدی دکھوں میں پڑنے کا موجب ہوں گے۔ اور اندر کی چھپی ہوئی شہوات کی آگ عالم ظاہر میں ظہور پکڑ کر سخت عذاب اور دکھوں کا موجب ہوگی۔ اور مومنوں کے ایمان و اعمال جنات تجری من تحتها الانهار کی شکل میں متشکل و متمثل ہو جائیں گے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

یہ مسلّم ہے کہ جس قسم کی حالت انسان دنیا سے بنا کر جائے گا۔ سدا اسی میں رہے گا۔ کافروں اور منکران خدا کے دل میں چونکہ خدا کی معرفت کا نور نہیں ہوگا۔ اس لئے وہ ابدی حرمان کی آگ میں جلتے اور ہمیشہ کے لئے ظلمانی اور دکھوں کی حالت میں رہتے چلے جاتے اور عذاب سہتے ہوں گے۔ مومنوں کے دلوں میں چونکہ معرفت الٰہی کا نور موجود ہے اس لئے وہ نورانی جسم کے ساتھ ہمیشہ کے لئے وصال الٰہی سے متلذذ اور سچا روحانی سرور میں مسرور ہوں گے۔ کسی قدر اعمال بد جو دنیا کے انسان سے ظہور میں آئے اس کے بدلے میں کچھ مدت حرمان کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ مگر یہ آگ اُن کے لئے بمنزلہ ماں کے ہوگی (فامّہ ھاویۃ) چند روز کی سزا و تربیت کے بعد وہ بھی ابدی سرور میں ڈالے جائیں گے۔ اور بجز بڑے باغیوں سرکشوں خدا کے منکروں کے اور باغیوں کے ابدی دکھوں میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ باغی اور خدا کے منکر کبھی اور کسی سکھ کے مستحق نہیں۔ اور اس لائق ہیں کہ اپنی حالت فاسدہ اور ظلمانی قلب کی وجہ سے دائماً ابدالآباد ہمیشہ کی حرمان کی آگ میں جلتے رہیں۔

کہا جاتا ہے کہ محدود دنیا کے محدود اعمال کی جزا قیامت کے دن غیر محدود کیوں ملے گی۔ یعنی اعمال تو غالباً ۲۰-۳۰-۴۰ برس تک کئے گئے ہیں۔ تو اس کے بدلے میں ہمیشہ کا جہنم یا سدا کی جنت کیونکر نصیب ہوگی۔ خدا تعالیٰ کے انصاف سے یہ بالکل بعید ہے کہ محدود اعمال کے ابدی پھل یا [illegible]

سو اس کے جواب میں یہ گزارش ہے کہ محدود اعمال کے بدلے غیر محدود جزا کو
ایک سمجھنا بہشت والوں کی نسبت کوئی ظلم نہیں ہو سکتا بلکہ تھوڑے سے اعمال اور
بساعت قربات کا بدلہ ابدی جنت خدا تعالیٰ کا ایک فضل عظیم اور رحمت
سمجھنی چاہئے کہ اس نے تھوڑے سے اعمال کے بدلے غیر ممنون جزا عطا
فرمائی۔ مگر کوئی حاکم ایک آدھ خدمت پر ہی راضی ہو کر ہمیشہ کے لئے نواختہ و
سرفراز کرے تو اس حاکم کو کوئی غیر منصف اور ظالم نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ یہ اس کا
خاص فضل و رحمت شمار ہونی چاہئے۔ [illegible] مومن کو جس نے محدود
دنیا میں محدود اعمال کئے ہیں۔ ابدی جہنم نصیب نہیں ہوگا۔ بلکہ اعمال کے موافق
سزا ہو کر وہ بھی اصلی ایمان کی برکت سے خدا تعالیٰ کے ابدی فضل میں داخل
ہو جائیگا۔ پس جزائے خیر کا ابدی ہونا کسی طرح بھی محل اعتراض نہیں ہو سکتا۔
بلکہ خدا تعالیٰ کا فضل و رحم خاص سمجھنا چاہئے۔ ہاں وہ سزا جو کفار اشرار اور
منافقین کے حق میں ہے کہ اس عالم میں ہمیشہ کے لئے ملے۔ البتہ اس پر اعتراض ہو سکتا
ہے کہ جب ان کی شرارت اور بغاوت ۱۵۔۲۰۔ یا ۴۰ سال ہی ہے۔ تو
پھر جہنم میں ہمیشہ کیوں رہیں گے

سو اس کا جواب یہ ہے کہ [illegible] پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے کہ وہ خدا کی سلطنت
میں [illegible] سے منکر و منحرف تھے اور شرارتوں۔ سرکشیوں [illegible]
[illegible] ہیں۔ اس لئے جس قسم کی حالت دنیا سے لیکر گئے ہیں ویسی ہی حالت
کے موافق وہاں ان سے سلوک ہوگا۔ بغاوت سرکشی اور طغیانی کی سزا کسی حاکم
کے ہاں بجز ابدی ہلاکت اور دائمی جیلخانہ کے نہیں ہے۔ تمام گورنمنٹیں باغیوں
اور مفسدوں کو قتل یا دوام حبس کی سزا دیتی ہیں۔ خواہ کسی شخص کی عمر ۲۰ یا ۴۰
یا کتنی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اگر یہ ممکن ہوتا کہ [illegible] منافق [illegible] تو [illegible] مجرم کو دوام حبس کی سزا
[illegible] احکم الحاکمین
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہمیشہ کے لئے اس دنیا میں زندگی بسر کریں گے۔ وما ظلمنٰھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔

• یہ دنیا کے اعمال محدود بھی نہیں ہیں بلکہ غیر محدود اعمال کے حکم میں ہیں۔ ایک انسان جو خدا تعالے پر ایمان لاتا۔ اسکی سچی اطاعت کرتا۔ اور اس کے حکموں کو سچے دل سے بجا لاتا ہے یقیناً اسکی یہی منشا ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالے اُسے ہمیشہ کے لئے اس دنیا میں زندہ رہنے دے۔ تو ہمیشہ ہی لاانتہا وفاداری اور صدق دل سے خدا تعالے کے رستہ پر قدم مارتا ہے اور بلاشبہ اگر ہمیشہ سکے لئے اللہ تعالے اس بندہ کو زندہ رکھے تو وہ ہمیشہ ہی لاانتہا وفاداری اور صدق سے خدا تعالے کے احکام پر عمل کرتا رہے۔ پس اگر اللہ تعالے نے اس بندہ کو دنیا سے اٹھا لیا تو اس بشر کا کیا قصور ہے۔ اس نے تو اپنے دائمی صدق اور ابدی وفاداری کا ثبوت دیدیا۔ اور اس دائمی صدق اور ابدی وفاداری کی جزا یہی ہے کہ خدا تعالے اس کو ابدی سکھوں میں ڈالے اور دائمی راحت وجنت اس کو مرحمت کرے۔

اس کے برخلاف خدا کا منکر ابدی بیوفائی اور دائمی حرمان سے خدا تعالے کے ساتھ سلوک کرتا ہے وہ اس سے اس دنیا میں محجوب رہتا۔ اور کبھی ایمان اور نیک اعمالوں کے پاس بھٹکنا نہیں چاہتا۔ کفر۔ فسوق۔ عناد اور طغیان میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور خدا تعالے سے نہایت دور اور محجوب ہو جاتا ہے۔

پس کچھ شبہ نہیں کہ اگر اس قسم کی فطرت کے آدمی کو خدا تعالے ہمیشہ کے لئے بھی زندہ رکھے تو کبھی بھی وہ خدا تعالے کی رضا کی راہ پہ قدم نہیں مارے گا اس نے اپنی دائمی شرارتوں سے دائمی بیوفائی کا ثبوت دیا ہے اور اس لئے ضرور ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے حرمان کی آگ میں پھینکا جائے۔

غرضکہ دنیا کی نیک اعمال اور بداعمال کفر اور ایمان دوام کے حکم میں ہیں۔ مؤمن ابدی جزا کا مستحق ہوتا ہے اور جس قسم کی فطرت معصیت کی حالت انسان اس دنیا [illegible] ہے اس [illegible] کے موافق اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے جس کے [illegible] خدا بھی معرفت [illegible] نہیں ہوتا وہ کبھی [illegible] کے پیچھے [illegible] نہیں [illegible] جیسے [illegible] ان کے [illegible] نہیں کر سکتا [illegible]

اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار مطیع اور متقی۔ آدمی کو دوزخ سے کیا سروکار۔ یہ ایسی صاف اور صریح صداقت ہے کہ اسکی نسبت زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مرنے کے بعد شریر اپنی شرارت میں بے انتہا ترقی کرے گا۔ اور سعید اپنی بے انتہا سعادت میں۔ اور یہ بہشت کچھ اپنے ہی اعمال دنیاوی کا انعکاس اور ثمرہ ہے خدا کی طرف سے کوئی ظلم نہیں۔

آریہ لوگ ابدی نجات سے قطعاً منکر ہیں اور وہ مسلمانوں کے اس عقیدہ پر جو ابدی بہشت اور جنت طعن کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اگر غور سے دیکھیں تو معلوم کر جائیں کہ خداوند تعالیٰ نے جو روح انسانی میں ابدی نجات اور دائمی سکھ کی اضطراری کی پیاس لگا دی ہوئی ہے۔

کس طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ روح کو ایک فطری تقاضا لگا کر پھر روح کو اس تقاضے کے موافق وہ نعمت جسکی روح طالب ہے نہ دے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام فطری تقاضے پورے ہوتے ہیں۔

جب خداوند تعالیٰ کی بہشت میں وہی لوگ داخل ہونگے جو اس کے سچے مطیع اور اس سے سچی محبت رکھنے والے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک اپنے سچے عاشق اور طالب صادق محب کو کبھی اپنے دار الوصال سے نکال بھی دے سچے عاشق کی سچی محبت محبوب کے قرب وصال میں ابدالاباد کے لئے بڑھتی جانی چاہئے تھی۔ یا کمبخت کو اس بہشت سے کبھی نکالے جانے کا باعث ہونی چاہئے۔ آریہ لوگ جو مکتی کو موقت اور محدود قرار دیتے ہیں۔ اس کی فلاسفی تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ خدا کی معرفت اور محبت حاصل ہوتے کس طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص پھر خدا کے قرب خانہ خاص سے نکالا جائے۔ اور اسفل السافلین دنیا میں آگرے اور پھر ہمیشہ کے لئے گتا۔ بندر۔ سور وغیرہ بنتا چلا جائے۔ اور کبھی اس تناسخ کے بندھن سے نجات نہ پائے۔ آریہ لوگ ایسا بول منہ سے بول کر گویا خود اپنی ابدی ہلاکت کے لئے اٹل فتوے لگا رہے ہیں۔ معاذ اللہ اگر ان کا خدا بھی عقل عطا اور سمجھ لیں کہ خدا ایسا ظالم ہرگز نہیں کہ اپنے ایک مقرب کے دل میں محبوب حقیقی کی معرفت اور محبت کا نور ہوتے ہوئے پھر اسے ظلمت خانہ دنیا میں پھینک دے اور اپنے سچے عاشق کی سچی محبت۔ سچے عرفان اور سچے عشق کی کچھ بھی قدر نہ کرے۔ ایسا کرنے والا خدا تو سخت نفرت اور بیزاری کے قابل ہے۔ اور پہلے درجہ کا ظالم

اعظم ہے ذکر اس کی سچی محبت۔ سچا گیان کسی عاشق کو ہو سکتا ہے نجات کی اصلی غرض اور حقیقت تو وہ لذت اور سرور ہے جو انسان ماسوائے اللہ سے بکلی قطع کرکے اللہ تعالے کی محبت میں محویت حاصل کرکے پاتا ہے اور یہ مسلم بات ہے کہ محبت بجز معرفت نہیں ہوتی۔ چونکہ جنت میں تمام نعمتوں کی سرتاج نعمت ذکر الٰہی ہے اور اللہ تعالے کی رضا۔

پس یہ سلسلہ وسیع اور غیر محدود ہونا چاہئے کیونکہ یہ محبت اور معرفت بڑھتی جائیگی۔ پھر انسان کیونکر خیال کر سکتا ہے کہ وہاں سے کبھی نکل آئیگا۔ بلکہ وہاں سے نکل سکتا ہی نہیں۔ (وما ھم بمخرجین) پس یہ کیسی سچی بات اور روح کو تسلی دینے والی ہے کہ اسلام نے وہ مکتی بتائی ہے جو فطرت کے تقاضے کے موافق ہے اور جس میں ابدالآباد رہنا ہوگا۔

پھر غور کرو کہ اعمال صالحہ کی اصلی تقسیم یہ ہے کہ الطاعة لامر اللہ والشفقة علی عباد اللہ یعنی یا تو تعظیم و اطاعت الٰہی کے لئے ہوتے ہیں یا شفقت علی الخلق کے لئے اور جنت میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ تعظیم الٰہی کے متعلق یہ بات ہے کہ بہشت میں تجلیات الٰہی سامنے دیکھکر بہشتی پکارتے ہونگے۔ دعواھم فیھا سبحانک اللھم وتحیتھم فیھا سلام وآخر دعواھم ان الحمد للہ رب العلمین۔ تمام خدا تعالے کی تحمید و تقدیس میں مصروف ہونگے۔

اور خلقت کے متعلق امور کی بابت یہ بات ہے کہ وہاں کسی کو کسی سے پرخاش ہی نہیں۔ نہ ان جھگڑوں کا ذکر جو باہمی تمدن یا تدبیر منزل کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین۔ ہم ان کے سینوں سے تمام کینے نکال دینگے۔ سب کے سب بھائی ہو جائیں گے۔ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے۔ پس جبکہ حقوق الٰہی اور حقوق عباد سب جنت میں علی وجہ الکمال ادا ہونگے۔ اور لغو اور تاثیم کا وہاں ذکر نہیں۔ (لا لغو فیھا ولا تاثیم) تو جنت سے نکلنے اور دنیا سے ادنیٰ جگہ آنے اور سفلی حالت اختیار کرنے کے لئے کونسی وجہ رکھی ہے ✣

ابدی جہنم کی نسبت بعض علماء

اسلام کی ہے رائے

ہاں جہنم کی ابدیت کل مذاہب اسلام کے رو سے صرف خدا تعالیٰ کے منکروں
مشرکوں۔ متکبروں۔ اور اہل بغاوت کے لئے ہے اور اس میں فنا بھی بے انصافی
نہیں سلطنت کے باغیوں اور سرکشوں اور مفسدوں کو سزا۔ ہر قوم ہر مذہب
اور ہر گورنمنٹ کے نزدیک قتل۔ ہلاکت یا دوام حبس (ابدی جیلخانہ) ہی ہوتا ہے
پھر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے دین۔ آئین۔ اور سلطنت کے باغی خدا تعالیٰ
کے ابدی جیلخانہ (جہنم دائمی) میں داخل نہ ہوں۔ لیکن اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی
رحمت عظیمہ نے مجرمین کو عجیب طرح کی امید دلائی ہے جو بقول چند علمائے
اسلام قرآن شریف کے بعض لطیف اشارات سے ظاہر ہو رہی ہے اور خدا تعالیٰ
کی بشارت دینے والی کتاب میں ان بیہودہ اشقیا کے لئے بڑی گنجائش اور عجیب
طرح کی تسلی مل رہی ہے اور ظاہر ہو رہا ہے کہ جہنم کی ابدیت خدا تعالیٰ کی ابدیت
کی طرح نہیں۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اشقیا اور مجرمین (قابل سزائے ابدی)
کو کافی اور پوری مدت سزا کے بعد فنا کر سکتا یا جہنم سے باہر بھی نکال سکتا ہے جیسا کہ
اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی سورہ ہود میں فرماتا ہے فاما الذین شقوا ففی النار
لہم فیہا زفیر و شہیق خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما
شاء ربک۔ ان ربک فعال لما یرید۔ لیکن جو لوگ اشقیا ہیں ان کا ٹھکانا
دوزخ میں ہوگا۔ ان کے لئے اس میں چلانا اور دھاڑنا ہے جب تک کہ آسمان
و زمین ہے مگر یہ کہ تیرا پروردگار چاہے (تو اس عذاب کو موقوف بھی کر سکتا ہے۔
اس لئے کہ تیرے رب پر کوئی جابر نہیں) وہ جو کچھ چاہے کر سکتا ہے۔ یہیں پر رب
نے عجیب طرح پر اشقیا کو اپنی رحمت کی امید دلائی ہے کہ اہل دوزخ
سے چاہے تو وہ عذاب اٹھا بھی سکتا ہے۔ مگر اہل جنت کے ذکر کے بعد
اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔ واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین
فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک عطاء
غیر مجذوذ۔ اور لیکن جو لوگ سعید ہیں سو وہ جنت میں داخل
ہوں گے۔ اور اس میں ابدالآباد رہیں گے۔ جب تک آسمان
[illegible]

تملک یہ تیرا پروردگار چاہے تو تصرف مالکانہ کے لحاظ سے اُن کو فنا بھی کرسکتا ہے
مگر اس کے لئے حکم ہوچکا کہ عطاءً غیر مجذوذ۔ اُنپر عطا الٰہی کا خاتمہ اور انقطاع
نہ ہوگا اور ابدالآباد کیلئے وہ جنت میں رہینگے۔ ان ھذا لرزقنا ما لہ من
نفاد۔ یہ ہماری عطیہ رحمت ہے جسکو انقطاع نہیں۔ اہل دوزخ کے ذکر کے
بعد اللہ تعالے فعال لما یرید لایا ہے۔ یعنی جو کچھ چاہے کرسکتا ہے اہل
دوزخ کو بھی نجات دے سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضؓ کی ایک مرفوع حدیث
میں بھی آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ جناب رسول مقبول نے اس آیت کو
پڑھا اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالےٰ چاہے کہ بعض اشقیا کو آگ میں سے نکالکر جنت
میں داخل کرے تو کرسکتا ہے اور ابن جریر اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ
نے قتادہ رضؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فاما الذین شقوا الخ کو پڑھکر
کہا کہ ہم سے انس رضؓ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بعضے لوگ آگ
میں سے نکلیں گے اور ہم نہیں کہتے جیسے کہ اہل خروراء (ایک موضع کا نام ہے یہاں
سے خارجی نکلے) کہتے ہیں کہ جو شخص آگ میں داخل ہوا وہ ہمیشہ اسی میں رہیگا
لیکن اہل جنت کے ذکر کے بعد اللہ تعالےٰ نے الفاظ عطاءً غیر مجذوذ
ذکر فرمائے ہیں جس سے اللہ تعالےٰ کی رحمت بے پایان کا پتہ ملتا ہے کہ انکی نعمت و
عطا کبھی ختم نہیں ہوگی۔

ایک جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے اہل دوزخ کے ذکر میں لابثین
فیہا احقابا (اس میں قرنوں رہینگے) فرمایا ہے اُس سے بھی اللہ تعالےٰ کی
رحمت کا پتہ ملتا ہے کہ اہل دوزخ کو ایک مدت مدید تک اپنے قہر کا مزہ چکھا کر
آخرکار ان کو رحمت کے سایہ کے نیچے لے آئیگا اور سورہ قارعۃ میں جو اللہ
تعالےٰ نے فرمایا ہے فامہ ھاویہ یعنی اشقیا و عصاۃ کی ماں ہاویہ ہوگی
اس سے بھی پتہ ملتا ہے کہ جس طرح ماں بیٹے کو محض تربیت کے لئے سزا دیتی
ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ اشقیا اور نافرمان لوگوں کو دوزخ میں محض
ان کی تربیت و اصلاح کے لئے سزا دیگا اور آخرکار مادر مشفق کی طرح
کفر و عصیان کی میل سے پاک و صاف کرکے رحمت کے ظل ظلیل کے نیچے
جگہ دیگا۔

تاہم فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں ایک جگہ فرمایا ہے کہ ایک گروہ

اس آیت لابثین فیہا احقابا سے دلیل لی ہے۔ عذاب کے متناہی و منقطع ہونے پر۔ اس لئے کہ گناہ ظلم متناہی ہے اس پر عذاب بے انقطاع کرنا ظلم ہے اور اللہ تعالے ظلم سے پاک ہے۔ اسکا جواب اگرچہ ابن حجر مکی نے بڑا کافی دیا ہے کہ کفر پر ہمیشہ عذاب دینے میں کچھ ظلم نہیں۔ کیونکہ کافر پختہ ارادہ رکھتا ہے کہ ہمیشہ جبتک زندہ رہیگا۔ کفر پر مصر رہیگا۔ پس عذاب دائم گناہ دائم پر ہی ہوا اور عذاب دائم گناہ دائم کے موافق سزا ہوئی تھی لیکن تاہم قرآن شریف سے رحمت الہی کی عجیب شان نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالے کی رحمت غضب پر کیسی سبقت رکھتی ہے۔

ابن عمرؓ سے امام احمد نے یہ روایت ثابت کی ہے کہ لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد وذالک بعد ما یلبثون فیہا احقابا یعنی ضرور جہنم پر ایک ایسا دن آئیگا جسمیں اس کے دروازے بجتے ہونگے اس میں کوئی نہ ہوگا اور یہ اس مدت کے بعد ہوگا جب اس میں ٹھیر چکینگے قرنوں۔ اگرچہ اس روایت کی اسناد میں ایک راوی غیر ثقہ ہے لیکن بہت سے لوگوں نے اس قول کو ابن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے اور ابن تیمیہ اسلام کے ایک جید عالم نے فرمایا کہ یہی ہے قول حضرت عمرؓ و ابن عباسؓ و انس رضی اللہ عنہم کا اور حماد بن سلمۃ علی بن طلحہ ابوالبختی اور جماعت مفسرین کا اور علاوہ اس کے اور کئی صحابہ اور تابعین نے بھی اس قول کو روایت کیا ہے پس سے اس روایت کو بڑی تائید اور قوت پہنچتی ہے۔

بہرحال اسمیں کچھ شک نہیں کہ علما متقدمین اور متاخرین میں سے ایک گروہ کا یہ مسلک ہے کہ دوزخ کی ابدیت جنت کی ابدیت کی طرح شارع کا منصوص علیہ نہیں ہے اس لئے کہ جنت کے حق بعد الا ماشاء ربک کے فرمایا عطاء غیر مجذوذ عطائے غیر منقطع یعنی بخشش بے انتہا اور دوزخ کے حق میں بعد استثنا مذکور کے فرمایا ان ربک فعال لما یرید یعنی بیشک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے اور کوئی ہمیشگی کی مقید نہیں فرمایا پس دونوں کی ابدیت میں فرق ہوگا اور بعض دلیلیں شرعی اور عقلی کسی وجہ میں دوزخ کے فانی ہونے کو چاہتی ہیں اس سے دوزخ والوں کے عذاب کا ختم ہونا لازم آتا ہے۔ باوجود قابل ہونے مولف انعام کے اس بات کے کہ جیسے دوزخ باقی ہے ہمیشہ اسمیں رہینگے

اور اس سے نکل نہ سکیں گے وما ہم بخارجین من النار اور جب دوزخ
فنا ہو جائیگی تو اُن کا عذاب مخلد بھی نہ رہیگا گو زمانہ دراز اور بہت لمبی مدتوں کے
بعد ہو اور شک نہیں کہ یہ فرق نہایت نازک ہے۔ اس واسطے حافظ ابن القیم
نے کتاب حادی الارواح الی بلاد الافراح کے سرسٹھویں باب میں بہشت اور دوزخ
کی ابدیت میں بسط کلام کے بعد اسی طرف میلان کیا ہے اور کہا ہے کہ حکمت الٰہی
میں یہ بات نہیں کہ شر اور بدی ہمیشہ رہے جس کیلئے نہایت اور انجام نہ ہو اور
خیر اور بھلائی سے بالکل مساوی ہو۔ انتہیٰ۔ پھر حافظ ابن القیم نے کتاب مذکور میں دونوں
کے دوام میں شرعاً و عقلاً پچیس وجہ سے فرق کیا اور کہا شاید یہ تحقیق پہلی کسی
کتاب میں نہ ملے اور اس کے ضمن میں دوزخ کا دوام ثابت کرنیوالوں کی دلیلوں کے
جواب دیئے اور دو تین جزو تک کلام کو لمبا کر کے مطلب کو ثابت کیا اور ان دلیلوں اور جوابات
پر غور کرنے سے ظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دوزخ کے ہمیشہ نہ رہنے پر انکی دلالت اشارۃ النص
اور التزام کے طور سے ہے اور بنا اسکی وعید الٰہی میں خلف کے ممکن ہونے پر ہے چنانچہ
متکلمین اہل سنت کا مذہب ہے۔ اس لئے کہ رحمت الٰہی غضب پر غالب ہے بخلاف
وعدہ کے کہ اسمیں خلاف نہ ہونے کو منصوص علیہ کہتے ہیں سو اس بنا پر مفہوم مذکور کسی قسم کا
ثبوت ضرور رکھتا ہے اگرچہ مذہب جمہور بلکہ نصوص عامہ کے برخلاف معلوم ہوتا۔
حافظ ابن قیم کے اُستاد حضرت ابن تیمیہ بھی اسطرف گئے ہیں کہ دوزخ
دوزخ کے لئے مدت مدید کے بعد فنا اور انقطاع ہے اور حضرت محی الدین [illegible]
رحمۃ اللہ علیہ جو صوفیائے جلیل سے ہے اُن کی بھی یہی رائے ہے کہ اہل نار کی
ابدیت اہل جنت کی طرح نہیں ہے جسے انقطاع و اختتام نہ ہو۔ پس اللہ کیا
کیا ہی رحیم و کریم و صاحب عفو عظیم ذات ہے جس پر اہل اسلام کو دنیا و
دین میں سہارا ہے۔ وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون ۰

تمّ

کیا کوئی ثبوت ہے جس سے معلوم ہو کہ احکام قرآنی پر چلنے سے اچھی جزا (بہشت) ملیگی اور اس سے بغاوت کرنیسے عاقبت میں بُری جزا (دوزخ) نصیب ہوگی؟

سارا قرآن شریف اس ثبوت سے بھر رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے ماموریں کی زندگی کو ہی جزا و سزائے عاقبت کا نمونہ اور ثبوت بینہ ٹھیرایا ہے جو لوگ ان ماموران الہی کے ساتھ ہوگئے وہ کامیاب برخوردار ہوگئے اور جو لوگ منحرف و باغی ہوگئے وہ ذلیل و خوار ہوئے ان ماموران اللہ نے اپنی زبان سے جو کچھ نکالا حرف بحرف پورا ہوا۔ مصدقین کو جزائے خیر ملی اور مکذبین کو انکی شرارت کی پاداش ملی۔ دنیا میں اُنکی زبان کی نکلی ہوئی باتوں کا حرف بحرف پورا ہونا دلالت بینہ ہے اس امر کی کہ آخرت کے بارے میں بھی جو کچھ انہوں نے ارشاد فرمایا وہ بالکل صادق ہوگا اور اسمیں سر مو فرق نہ ہوگا۔ مثال کیلئے ہم اسوقت مامور آخری یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی کو نظر کے سامنے لاتے ہیں اس سے اظہر من الشمس ہو جائیگا کہ ان کے متبعین کو اُن کے ارشاد کے موافق دنیا میں کسطرح پھل ملا اور اس سے جزائے اُخروی کی صداقت پر قطعی دلیل ملجائیگی اور مطلق شک نہ رہیگا کہ اسیطرح ان انبیاء کے ماننے والوں کو یقیناً اور بلا ریب عاقبت میں جزائے خیر ملیگی اور باغیوں اور نافرمانوں کا بُرا انجام ہوگا۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو قیامت کے آنیسے پہلے اُنکے ساتھ ہو جائیں اور انحراف اور بغاوت سے باز آئیں ؞

غور کرو حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو ایک یتیم بچے تھے جنکا باپ پیدائش سے پہلے ہی فوت ہوگیا تھوڑے عرصہ کے بعد والدہ فوت ہوگئی پھر دادا متولی ہوا وہ بھی فوت ہو گیا۔ چچے نے سرپرستی کی وہ بھی وفات پا گیا اور یوں یہ یتیم بچہ ماں باپ کی تعلیم و تربیت اور نوشت خواند سے بالکل محروم رہا اور بالکل بے کس اور بے بس ہو گیا خدا تعالےٰ نے اسکو علم لدنی عطا فرمایا۔ ۴۰ سال کی عمر تھی اس نے دعوے کیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہاری طرف بشیر و نذیر ہو کر .. تم اپنے اعمال بد کی پاداش میں تم مستوجب عقوبت ہو چکے ہو اگر اب بھی تم اللہ پر ایمان لے آؤ۔ چال چلن کو ٹھیک کر لو تو دنیا و آخرت دونوں؟

جہان میں تمہاری صلاح اور بہبودی ہوگی اور اگر خدا کے حکم سے روگردانی کروگے۔
اس پر ایمان نہ لاؤگے۔ چال چلن ٹھیک نہ کروگے تو تم پر سزا کا حکم ہو چکا ہے۔ اس دنیا
میں ثمرہ اعمال پاؤگے اور آخرت کا عذاب اس سے بہت بڑھکر ہے ولعذاب
الاخرۃ اکبر۔ یہ الہی ارشاد تھا جو رسول کریم نے اپنی قوم کو پہنچایا جسوقت رسول کریم نے اپنی قوم کو
یہ پیغام الہی پہنچایا اسوقت آپ تن تنہا ایک شخص تھے اور ساری قوم بلکہ ساری دنیا
آپ کی مخالف تھی جس قدر لوگ آپ کی قوم کے اس حکم الہی کو سنکر بیشک آپ پر ایمان
لے آئے لیکن وہ کیا تھے معدودے چند جو سب کے سب آنحضرت ؐ کے ساتھ آپ آفات
بلیات کا نشانہ بن رہے تھے آنحضرت ؐ کو اتنی بڑی مخالف و معاند قوم کے مقابل کیا مدد دے
سکتے تھے؟ غرضیکہ آنحضرت ؐ ابتدائے بعثت سے لیکر ۱۲-۱۳ برس تک اس بیکسی اور بے بسی
کی حالت میں رہے جسمیں کسی پولیٹیکل یعنی ظاہر بین آدمی کو ہرگز ہرگز امید نہیں ہو سکتی تھی کہ
آپ کبھی عروج اور ترقی پاکر اسی ملک کے بادشاہ بن سکیں گے اور اپنی نبوت سے لیکر اسوقت تک
کہ آپکو اپنی ناسپاس قوم کے درمیان سے ہجرت کرنا پڑا آپ جس مصیبت اور تکلیف کی حالت میں رہے
اسکا اندازہ کسی انسان سے ہو ہی نہیں سکتا سر ولیم میور صاحب بھی ان تکالیف اور آنحضرت ؐ
کے اس استقلال کو دیکھکر اپنی لائف آف محامت میں بڑا تعجب ظاہر کرتا ہے اور اسکو فوق العادۃ
قرار دیتا ہے۔ اب دیکھیے کہ ابتدائے نبوت سے لیکر ہجرت تک بلکہ بہت عرصہ اس کے بعد تک
جبکہ آپ کے پاس کوئی ظاہری سامان کفار پر غلبہ اور کامیابی کا نہ تھا۔ قرآن شریف میں متواتر
آپ وعدے دیتے رہتے اور تحدیاں کرتے رہے کہ خدا کے برخلاف اٹھ کھڑے ہونیوالے اور دین حق
کی اشاعت میں مزاحمت کرنیوالے فاسق و فاجر لوگ ضرور اپنے اعمال کی پاداش اسی دنیا میں
اسی طرح چکھیں گے جیسے تمام اگلی امتیں چکھتی رہیں۔ حق آخر کار غلبہ پا جائیگا باطل مٹ کر
نیست و نابود ہو جائیگا۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ تمام
وہ سورتیں جو مکہ میں نازل ہوئی ہیں انکو شروع سے پڑھو سلسلہ شروع سے زور و شور سے متواتر اس بات
کا وعدہ دیتا ہے کہ کفار امم سابقہ کی طرح ضرور اپنی کرتوتوں اور مخالفت دین حق کا بدلہ آخرت
کے سوا اس جہان میں بھی پائیں گے وہ لاکھ کوشش کریں ہزار مکر سوچیں دین حق آخر کار
غالب ہو جائیگا اور وہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے [illegible] نہیں سکیں گے
سیھزم الجمع ویولون الدبر [illegible] بہت سخت
مکر مکرھم وعند اللہ مکرھم وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال
فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ ان اللہ عزیز ذو انتقام

ولنذیقنهم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلهم یرجعون
کذبت قبلهم قوم نوح واصحاب الرس وثمود - وعاد وفرعون
واخوان لوط واصحاب الایکة وقوم تبع - کل کذب الرسل فحق
وعید - وکم اهلکنا قبلهم من قرن هم اشد منهم بطشا فنقبوا
فی البلاد هل من محیص - قرآن شریف میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے
اگلی امتوں کی ہلاکت کی خبر کی مثال کے طور پر دی ہے اور اس سے طرح کفار مکہ
کا مغلوب ہونا اور اسلام کا آخر کار غالب ہونا مستنبط کیا ہے اس دین حق کی پیشگوئی
کے سوا ایک بڑی غرض یہ بھی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں عملی طور پر سزا
جزا کا قطعی طور پر ملنا نظروں کے سامنے دکھا دیوے اور جزائے آخرت کیلئے نقطہ
قرار دے اسی واسطے بار بار ارشاد فرمایا کہ عذاب آخرت کے سوا بھی حق کے
مخالف اور کافر اسی دنیا میں بھی عذاب چکھ کر رہینگے - چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آخر کار
اُن وعدوں کو پورا کیا اور سرداران کفار کو پہلے تو جنگ بدر میں اُن کی شرارتوں
اور سرکشیوں کی سزا دی (دیکھو سورہ انفال) اُن کا زور توڑا اور آخر کار بالکل ہی
ان کو نیست و نابود کر کے اب عرب میں ایک متنفس مخالف دین حق نظر نہیں آتا -
یہ تو اللہ تعالیٰ نے سزائے آخرت ملنے کا عملی ثبوت دیا اور اس کا نظارہ اس جہان
میں نظروں کے سامنے دکھایا - اب دوسری طرف دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ ساتھ ہی جابجا
برابر اہل ایمان کو بشارت فرمائی کہ اگرچہ اسوقت تم لوگ کمزور ہو اور تمہیں سر رکھنے کو
جگہ نہیں - لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس جہان میں بھی جزائے حسنہ عطا فرمائیگا
جو کچھ تم نے ابتغاء مرضات اللہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کھو دیا ہے اس جہان میں
تم کو ملکر رہیگا - وہ آیات کلام ربانی جسمیں اللہ تعالیٰ نے ویسی بشارتیں عطا فرمائی
ہیں - بے انتہا ہیں - لیکن اُن میں سے ایک آیت یہاں ذکر کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے
سورہ نحل میں فرماتا ہے - والذین هاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا
لنبوئنهم فی الدنیا حسنة ولاجر الآخرة اکبر لو کانوا یعلمون الذین
صبروا وعلی ربهم یتوکلون جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں وطن چھوڑا ہے
اس کے بعد اُن پر ظلم ہوا ہم ان کو ضرور ضرور دنیا ہی میں عمدہ جگہ دینگے اور
بہتر آخرت کا اجر تو بہت بھاری ہے کاش لوگ اسے جانیں وے لوگ کہ جنہوں نے
[illegible] : یہ لوگ ان پر صبر کیا اور خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں -

اب دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے زور سے ارشاد فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں وطن چھوڑا اپنے مال نثار کئے انکو عمدہ ٹھکانا عطا فرمائے گا۔ اب انجام کو دیکھئے کہ آنحضرت کے ہمراہ جن لوگوں نے وطن چھوڑا اپنے مال نثار کئے انکو عمدہ ٹھکانا ملا یا نہ؟ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے ساتھ وطن چھوڑنے والے حضرت ابوبکر صدیق تھے سوکیا سب سے پہلے اُن کو اسکا اجر ملا یا نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے خلیفۃ المسلمین اور سلطان العالمین بنے یا نہ بنے ضرور بنے اور سارے جان نثار مہاجرین نے اپنے اپنے اعمال اور رتبہ کے موافق خلافت سلطنت۔ مراتب اور جاہ و ثروت سے حصہ لیا یا نہیں۔ جس نے ایک پیسہ خدا کی راہ میں کھویا۔ بلکہ ہزار گنا حاصل کیا۔ سبحان اللہ وبحمدہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں جس نے اس دنیا میں اپنے سارے وعدے وعید پورے کئے۔ قطعاً اور یقیناً اس بات کا ثبوت ہیں کہ آخرت میں بھی سزا اور جزا متحقق ہے اور کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش بات نہیں۔ کیا کوئی ہے جو اس پر غور کرے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ وعدہ وعید اور پھر اسکے موافق اسی دنیا میں سزا و جزا کا ملنا کوئی دہریہ سے دہریہ آدمی بھی اس واقعی یقینی مشاہدہ وعدہ محسوس دیکھی بات سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی ساری دنیا پر حجت پوری ہو چکی ہے۔

اب ہم ایک خدا کے منکر اور دہریہ سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا صاحب اعمال کی جزا اور سزا کا قطعی ہونا آپ نے مشاہدہ کیا یا نہیں اور کیا اب بھی آپ کو وعدہ اور وعید کرنیوالے اور پھر ٹھیک اسکے موافق اعمال کی جزا دینے والے عادل حکیم خدا کے ہونے میں شک ہے؟

کیا خدا کے سوائے کوئی شے قدیم غیر مخلوق اور واجب بالذات ہو سکتی ہے؟

ہرگز نہیں ایک واجب ہستی کے سوائے دوسری واجب بالذات کا ہونا عقلاً ممتنع ہے۔ دنیا میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو خدا کے سوائے الحی القیوم زندہ اپنی ذات کے ساتھ قائم ہو۔ کوئی جسم۔ کوئی ذرہ۔ کوئی شے آپ بوجوب ذاتی ہی

نہیں سکتی۔ ہر شے کا وجود بقا اور نمود اللہ ہی کے سہارے اور اُسی کے چمکانے سے ہے۔ ماسوائے اللہ کوئی شے بوجود ذاتی موجود نہیں ہے۔ اللہ خالق کل شیئی وھو علی کل شیئی وکیل ہر شے بادہ روح اور اجسام، کا خالق اللہ ہی ہے اور وہ ہر شے پر وکیل ہے یعنے ہر شے کا وجود و بقا اور نمود اسی کے سہارے سے ہے بدیع السموات والارض زمین و آسمان کا موجد وہی ہے۔ ایک وقت تھا جبکہ زمین و آسمان وغیرہ کچھ نہ تھا۔

کان اللہ ولم یکن معہ شیئی اللہ کی ذات ہی تھی اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی پھر اللہ تعالےٰ نے ہر شے کو اپنی قوت یکتا سے پیدا کیا۔ تو زمین و آسمان ہر شے چمک اٹھی۔ اللہ نور السموات والارض اللہ کے چمکانے کے بغیر کوئی شے اپنے انوار وجود کو آشکار نہیں کر سکتی۔

دنیا کا ذرہ ذرہ اس بات پر شاہد ہے کہ میرا کوئی مالک اور خالق ضرور ہے۔ میں آپ سے آپ پیدا نہیں ہو گیا۔ اجسام و ارواح سب مخلوق اور حدوث کے رنگ سے رنگین ہیں۔ انسان کا اپنا کام نہیں کہ روح و جسم ملکر ہیئت کذائی اختیار کرلے اور خلعت انسانی پہن لے ہر ذرہ انت مالکی پکار رہا ہے ہر روح انت ربی کی صدا دے رہی ہے۔ عالم کی جس چیز کی طرف دیکھو وہ خاص قیود سے قید اور خاص حدود میں محدود ہے۔ سب سے بڑے عظیم الشان وجود آفتاب ہی کی طرف نظر ڈالو تو وہ صرف ایک منور بالذات جسم ہے وبس۔ خاص جگہ میں محدود ہے اور خاص وصف سے مخصوص چاندنی کا کمال و زوال محتاج بیان نہیں۔ غرضکہ جس شے دنیا کی دیکھو وہ محدود جگہ میں آئی ہوئی ہے۔ خاص احاطہ میں سمائی ہوئی ہے۔ پھر یہ سب اشیاء یہاں تک ناقص فی الذات اور بے بس ہیں کہ وہ جس فطرت پر مفطور اور جس نیچر پر مجبول ہیں اُس سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتیں جیسے اظہر من الشمس ہے کہ وہ ضرور کسی عظیم الشان طاقت اور زبردست قوت کے بس میں پڑی ہوئی ہیں اور اسی کے ارادہ سے ان کا ظہور و نمود ہے جس نے اپنی مرضی سے ہر ایک شے کو خاص خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور خاص خاص صفات و عوارض اُسے لاحق کئے ہیں۔ چاند۔ سورج۔ ستارے سب اجرام علوی و سفلی ہمیں محسوس و مدرک ہو رہے ہیں۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ ان بے جان وجودوں کی اپنی ہستی تک کا بھی علم ہو۔ جس سے سوائے نمود بے بود اور فقط ...

کی صنعت کا ایک نقش اور قدرت کا ایک پرتو ہونے کے ان اشیاء کو ہم بڑھ کر نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے یقین اور حق الیقین ہوتا ہے کہ ان اشیاء کا ضرور کوئی خالق اور مالک ہے جسکی قدرت کا اثر صنعت کا نقش یہ سارا کارخانہ ہے اور ضرور وہ ایک ہی ہے کیونکہ یہ سارا انتظام عالم بلا تفاوت ایک ہی طرح پر چل رہا ہے اور دنیا کی ہر ایک شے ایک ہی سلسلہ میں منتظم اور ایک ہی سلک میں منسلک ہے جس سے قطعی یقین ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی کاریگر کے ہاتھ سے یہ ساری کل تکمیل ہوئی اور ایک ہی ذات نے چابی دے رکھی ہے جس سے قیامت تک یہ کل اسی طرح چلی جائے گی۔

دنیا کی ہر ایک شے حدوث کے رنگ سے رنگین ہے جس سے ثابت ہے کہ کوئی محدث خالق ضرور ہے۔ ہر ایک وجود کو کوئی نہ کوئی نقص لاحق ہے جس سے ظاہر ہے کہ کسی کامل حکیم نے اپنی مرضی و ارادہ سے ایسا کیا۔ آپ سے آپ ہونے والی چیز میں نقص ہو نہیں سکتا۔ مقترن بوجود اپنے حق میں کوئی شے نقص قبول نہیں کرتی اور سوال ہوتا ہے کہ کیوں اُس شے نے جس کا وجود خانہ زاد ہے۔ نعوذ باللہ اپنے وجود کے ساتھ ہی کوئی نقص لاحق کر لیا آیا اپنی مرضی سے یا کسی قاسر کی قسر سے۔ پہلا امر تو صریح باطل ہے اب دوسری بات رہ گئی کہ کسی اور ذات نے جو اُس سے بڑھ کر تھی اپنے ارادہ سے اسمیں یہ نقص لاحق کر دیا۔ اور خاص خاص حدود و صفات و عوارض کے ساتھ محدود و مقید کر دیا۔ وہ وہی ایک ذات واجب ہے جو آپ حدود قیود سے باہر اور ہر ایک شے اس کی مقررہ قیودوں سے بندھی ہوئی اور حدود سے مقید ہے۔

دنیا کو دیکھو۔ دنیا کی ہر ایک چیز پر نظر ڈالو۔ سب محدود ہیں۔ جس سے [illegible] ہوتا ہے کہ کسی کامل اور غیر محدود ذات نے اُن کو بنایا۔ کوئی شے محدود یا کوئی ناقص آپ سے آپ ہو نہیں سکتی۔ آپ سے آپ ہونے والی چیزیں وہ عیب یا نقصان یا محدودیت کہاں سے لاحق ہوئی۔ خود بخود ہونے والی چیز [illegible] مستقل اور واجب ہے۔ کب گوارا کر سکتی ہے کہ اپنے وجود کے ساتھ [illegible] یا عیب کو لاحق کرے۔ واجب شے کا اپنے وجود کے مقترن ہو کسی [illegible] کو عارض کر لینا کوئی [illegible] جس کا [illegible] [illegible] کسی چیز کو [illegible] [illegible] [illegible]

بظاہر اگر تمہیں کوئی اور نقص معلوم نہیں ہوتا تو اس کا محدود مکانات میں محاط ہونا ہی تو یہی نقص اس میں موجود ہے۔ اگر وہ شے آپ سے آپ ہے اور اس کا وجود حقیقی ہے تو یہ محدود مکان میں آنا اور خاص حدود و قیود سے مقید ہونا اسکو کہاں سے لاحق ہوا؟ وہ آپ سے آپ اور واجب ہو کر کیوں اپنی ذات کے ساتھ محدود اور مقید ہونا گوارا کر سکتی۔ کیوں نہ ذات و صفات میں غیر محدود ہوئی؟

یہی اصل ہے جس پر علم الٰہی کی بنیاد قائم ہے اور جس سے خدا تعالے کا وجود یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر ایک شے کو ناقص اور محدود دیکھ کر دانشمند آدمی کا یقین حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ضرور ان محدود الوجود اور ناقص فی الذات اشیاء کا کوئی خالق اور ہے جو ان اشیاء موجودات سے وراء الورا اور فوق الفوق اور صاحب عرش عظیم ہے۔ زبردست اور غیر محدود قوتوں اور طاقتوں والا ہے جس نے اپنی حکمت اور قدرت سے یہ عالم بنایا اور اپنی دانائی سے ہر ایک چیز کو خاص خواص صفات و عوارض و حدود و قیود سے مقید کیا۔ محدود اشیاء کے ملاحظہ سے۔ اس تجرد کی ضرورت ثابت ہے۔ جس کی ذات سب سے بالاتر اور نرالی بے عیب اور قدوس ہے۔ نقص و عیب کو وہاں راہ نہیں وہ الحی القیوم ذات ہے۔ جس کے سہارے سے ذرہ ذرہ کا وجود و بقا ہے اور ضرور وہ ایک ہے۔ کیونکہ ایک سے زیادہ وجود غیر محدود ہونے ممکن نہیں۔ ذات اور صفات میں غیر محدود ہستی ایک ہی ہو سکتی ہے اور ضرور ایک ہی ہے۔ جس میں دوئی اور تثلیث کو راہ نہیں۔

علم الٰہی کی صحیح اور صاف اصل بیان ہو چکی ہر ایک مذہب کو اس اصل کے سامنے پیش کر کے اس کی صداقت اور عدم صداقت کا امتحان کر لو۔ آریہ لوگ مادہ و ارواح کو قدیم اور واجب بالذات مانتے ہیں۔ اور ایسا ہی خدا کو۔ پس ان کے مذہب کے رو سے تین واجب ہوئے۔ مادہ۔ روح اور خدا۔ حالانکہ تعدد قدما اور ایک سے زیادہ ذات واجب کا ہونا محالات سے ہے کیونکہ واجب وہ ذات ہے جو کمال کے اس درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں۔ یعنی کہ وہ ذات اور صفات میں غیر محدود ہو۔ پس مادہ اور روح جو محدود وجود رکھتے ہیں اور خاص قیود سے مقید اور نقصان کے داغ سے تو پھر کس واجب بالذات اور قدیم

سلئے یا اسکو کہا جاتا ہے کہ جو شئے خود بخود ہوا سے کمال کے اس درجہ پر ہونا چاہیے (بقیہ حاشیہ آگے دیکھیں)

ہو سکتے ہیں۔ واجب ذات تو وہی ہو سکتی ہے جو غیر محدود کمالات
ہو۔ اور مادہ وارواح بالکل محدود وجود اور محدود صفات رکھتی ہیں
مادہ اور روح کو ناقص اور محدود مان کر واجب بالذات ماننے میں ایک
لازم آتا ہے اگر خدا کو بھی واجب اور قدیم قرار دینے کے باوجود ناقص
اور محدود فی الصفات مان لیا جائے تو کوئی عقلی دلیل اسکو روک نہیں
کیونکہ تینوں ہمرنگ واجبوں میں سے جب ایک میں نقص اور عیوب پا

جس سے بڑھ کر کمال تجویز کرنا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اگر ایک شئے خود بخود ہو اور
اس درجہ تک نہ ہو جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں۔ یعنی کمالیت میں محدو
تو سوال ہوگا یہ شئے اپنا ذاتی اور مستقل وجود رکھتے ہوئے کمالات میں کیوں
محدود ہو کر رہ گئی۔ اس میں غیر محدود کمالات کیوں نہ پائے گئے۔ آیا اسکی اپنی
سے یا غیر کی مرضی سے اگر اپنی مرضی سے ہے تو یہ خلاف عقل ہے۔ کوئی شئے موجود
ذاتی اپنے حق میں نقص نہیں قبول کر سکتی اور اگر دوسرے کی مرضی سے تو یہ
بخود اور واجب نہ رہی بلکہ دوسرے کی مرضی کی تابع ہوئی جو اس سے بڑھ
ثابت ہوا ایسا ہی جو شئے خود بخود ہو اس کا اس درجہ پر ہو جس سے بڑھ کر تجویز
ممکن نہیں اس کے خود بخود ہونا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ایک شئے کا
اس درجہ تک ہو جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اور اُسے خود بخود
جائے بلکہ دوسرے کی مخلوق اور ذات وصفات میں غیر کا دست نگر مانا
تو وہ پھر کمال کے اس درجہ تک نہ رہی۔ جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن
نہیں بلکہ اُس سے کمال میں وہ شئے بڑھ گئی ہے۔ جو اس کی خالق اور مر
الیہ ہے۔ اس اصول سے ظاہر ہے کہ مادہ اور ارواح جو ذات وصفات
محدود ہیں۔ کبھی خود بخود واجب اور قدیم نہیں ہو سکتی اور ایسا ہی ا
مادہ وارواح قدیم اور واجب بالذات ہوتے تو کبھی ذات وصفات
محدود اور دوسرے کی دست نگر اور اُس کے ماتحت نہ ہوتے۔ دو
ہمسروں اور واجبوں میں ایک کو دوسرے پر غالب ماننا ترجیح بلا
ہے۔

بظاہر اگر تمہیں کوئی اور نقص معلوم نہیں ہوتا تو اس کا محدود مکانات میں محاط ہونا یہ تو یہی نقص اس میں موجود ہے۔ اگر وہ شے آپ سے آپ ہے اور اس کا وجود حقیقی ہے تو یہ محدود مکان میں آنا اور خاص حدود و قیود سے مقید ہونا اسکو کہاں سے لاحق ہوا؟ وہ آپ سے آپ اور واجب ہو کر کیوں اپنی ذات کے ساتھ محدود اور مقید ہونا گوارا کر سکتی۔ کیوں نہ ذات و صفات میں غیر محدود ہوئی؟

یہی اصل ہے جس پر علم الٰہی کی بنیاد قائم ہے اور جس سے خدا تعالےٰ کا وجود یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر ایک شے کو ناقص اور محدود دیکھکر دانشمند آدمی کا یقین حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ضرور ان محدود الوجود اور ناقص فی الذات اشیاء کا کوئی خالق اور ہے جو ان اشیاء موجودات سے وراء الورا اور فوق الفوق اور صاحب عرش عظیم سے زبردست اور غیر محدود قوتوں اور طاقتوں والا ہے جس نے اپنی حکمت اور قدرت سے یہ عالم بنایا اور اپنی دانائی سے ہر ایک چیز کو خاص خاص مکانات و حدود و قیود سے مقید کیا۔ محدود اشیاء کے ملاحظہ سے اس مجرد کی ضرورت ثابت ہے۔ جس کی ذات سب سے بالاتر اور نرالی بے عیب اور قدوس ہے۔ نقص و عیب کو وہاں راہ نہیں وہ الحی القیوم ذات ہے جس کے سہارے سے ذرہ ذرہ کا وجود و بقا ہے اور ضرور وہ ایک ہے کیونکہ ایک سے زیادہ وجود غیر محدود ہونے ممکن نہیں۔ ذات اور صفات میں غیر محدود ہستی ایک ہی ہو سکتی ہے اور ضرور ایک ہی ہے جس میں دوئی اور تثلیث کو راہ نہیں۔

علم الٰہی کی صحیح اور صاف اصل بیان ہو چکی ہر ایک مذہب کو اس اصل کے سامنے پیش کر کے اس کی صداقت اور عدم صداقت کا امتحان کر لو۔ آریہ لوگ مادہ و ارواح کو قدیم اور واجب بالذات مانتے ہیں۔ اور ایسا ہی خدا کو۔ پس ان کے مذہب کے رو سے تین واجب ہوئے۔ مادہ۔ روح اور خدا۔ حالانکہ تعدد قدما اور ایک سے زیادہ ذات واجب کا ہونا محالات سے ہے کیونکہ واجب وہ ذات ہے جو کمال کے اس درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں۔ یعنی کہ وہ ذات اور صفات میں غیر محدود ہو۔ پس مادہ اور روح جو محدود وجود رکھتے ہیں اور خاص قیود سے مقید اور نقصان کے داغ سے تو پھر کس واجب بالذات اور قدیم

سکتا ہے کہ جو شے خود بخود ہوا سے کمال کے اس درجہ پر ہونا چاہیے (بقیہ حاشیہ ...)

ہو سکتے ہیں۔ واجب ذات تو وہی ہو سکتی ہے جو غیر محدود کمالات رکھتی ہو اور مادہ وارواح بالکل محدود وجود اور محدود صفات رکھتی ہیں۔ مادہ اور روح کو ناقص اور محدود مان کر واجب بالذات ماننے میں ایک محذورت لازم آتا ہے اگر غور اکریں واجب اور قدیم قرار دینے کے باوجود ناقص بالذات اور محدود فی الصفات مان لیا جائے تو کوئی عقلی دلیل اُسکو روک نہیں سکتی کیونکہ تینوں ہمرنگ واجبوں میں سے جب ایک میں نقص اور عیوب پائے گئے

جس سے بڑھ کر کمال تجویز کرنا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ اگر ایک شئے خود بخود ہو اور کمال کے اُس درجہ تک نہ ہو جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں۔ یعنی کمالیت میں محدود ہو تو سوال ہوگا یہ شئے اپنا ذاتی اور مستقل وجود رکھتے ہوئے کمالات میں کیوں ایک حد تک جا ٹھیری۔ اُس میں غیر محدود کمالات کیوں نہ پائے گئے۔ آیا اسکی اپنی ہی مرضی سے یا غیر کی مرضی سے اگر اپنی مرضی سے ہے تو یہ خلاف عقل ہے۔ کوئی شئے موجود بوجود ذاتی اپنے حق میں نقص نہیں قبول کر سکتی اور اگر دوسرے کی مرضی سے تو یہ شئے خود بخود اور واجب نہ رہی بلکہ دوسرے کی مرضی کی تابع ہوئی جو اُس سے بڑھ کر ذات ہوا۔ ایسی ہی جو شئے کمال کے اس درجہ پر ہو۔ جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اس کا خود بخود ہونا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ اگر ایک شئے کمال کے اُس درجہ تک ہو جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اور اُسے خود بخود مانا جائے بلکہ دوسرے کا محتاج ذات و صفات میں غیر کا دست نگر مانا جائے تو وہ پھر کمال کے اُس درجہ تک نہ رہا۔ جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ اُس سے کمال میں وہ شئے بڑھ گئی ہے۔ جو اُس کی خالق اور محتاج الیہ ہے۔ اس اصول سے ظاہر ہے کہ مادہ اور ارواح جو ذات و صفات میں محدود ہیں۔ کبھی خود بخود واجب اور قدیم نہیں ہو سکتی اور ایسا ہی اگر مادہ و ارواح قدیم اور واجب بالذات ہوتے تو کبھی ذات و صفات میں محدود اور دوسرے کی دست نگر اور اُس کے ماتحت نہ ہوتے۔ دیگر تین ہمسروں اور واجبوں میں ایک کو دوسرے پر غالب ماننا ترجیح بلا مرجح ہے +

تو دوسرے بھی اگر پائے جائیں تو اُس کے روکنے کیلئے کونسی دلیل ہے غرضکہ مادہ روح کے قدیم اور واجب ماننے سے خدا تعالےٰ کی اکملیت بلکہ الوہیت پر کوئی دلیل نہیں رہتی۔ جب ایسے بہت سے وجود جو محدود اور ناقص ہیں خود بخود ماننے پڑے تو کچھ ضرور نہیں ہے کہ خداوند تعالےٰ بھی خود بخود ہو کر ضرور کامل ہو۔ اسکو بھی ناقص اور محدود مان لیا جائے تو منطقی دلیل کوئی روک نہیں سکتی۔ ہاں! بلکہ اگر روح و اجسام کا دائمی تعلق اور انتظام کائنات کا سلسلہ بھی خود بخود چلتا ہوا مان لیں جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے اور خدا کو سرے سے تسلیم نہ کریں تو بھی کوئی دلیل اس سے مانع نہیں ہو سکتی۔

ایسا ہی عیسائیوں کے عقیدہ کی بنا پر خدا کا ماننا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ ان لوگوں نے جب حضرت عیسیٰ کو جنکا محدود وجود اظہر من الشمس ہے اور اُس میں انسانیت کے نقص و عیوب و احتیاجات کھانا پینا سونا۔ فنا ہونا وغیرہ بھی ثابت ہیں۔ خود بخود اور واجب بالذات خدا مان لیا۔ تو خدا کے ماننے کیلئے کیا دلیل رہی اور اس کے ماننے کی کیا ضرورت رہی۔ ناقص شے سے کامل شے کی طرف لے جانا۔ محدود چیز سے غیر محدود وجود کا سراغ لگانا ہی تو وجود الہی پر استدلال کی اصل تھی۔ ناقص اور محدود ہستی جب واجب اور خود بخود ٹھیر گئی تو خدا کے ناقص اور محدود ماننے سے کونسی دلیل روک سکتی ہے اور خدا کی ہستی کا کیا ثبوت؟ ہاں ارواح و اجسام جیسے اور مخلوقات جب ذات و صفات میں محدود اور حدوث کے رنگ سے رنگین مانے جائیں تو اُس سے ایک محدود اور محدث کی ضرورت پڑی۔ جو آپ ذات میں کامل ترین اور غیر محدود اور اللہ کے نام سے موسوم ہے اور جس نے تمام ارواح کو خاص خاص عوارض و صفات لاحق کئے اور اُنکو اپنی مرضی کے تابع جمال کا شیفتہ اور اپنی طرف میلان کرنے والا بنا دیا ◆

سیرت النبی

یا

تاریخ نبوی

سرورِ کائنات کی مقدس زندگی کے حالات مفصل ... تاریخ میں لکھے گئے ہیں اردو میں اعلیٰ
درجہ کی تاریخ رسول صلعم کے حالات بابرکات میں لکھی نہیں گئی۔ گو عربی اور فارسی میں
... جلدوں میں ہیں۔ اس کتاب میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل سوانحعمری
ایسے ڈھنگ پر لکھی گئی ہے کہ دنیا میں اسکی نظیر ہرگز نہیں پائی جاتی جسقدر اعتراضات
آنحضرت صلعم کی زندگی پر عیسائی وغیرہ کرتے ہیں۔ ان سب کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے
اور ساری تاریخ ایسی طرز پر لکھی گئی ہے کہ سب اعتراض خودبخود رد ہو گئے ہیں۔ پھر
سب سے خوبی اس کتاب میں یہ ہے کہ قدم بقدم آنحضرت صلعم کے مقابل میں علمار و
ہمارے نبی اور یورپین لوگوں کی شہادتیں لکھی گئی ہیں کہ ... پادری جسقدر بہتان
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہیں وہ بکواس سے بڑھکر نہیں۔ غرضیکہ جس
مسلمان کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ہے اس کتاب کو منگا کر
سرمۂ چشم بنانا لازم ہے حجم قریبا ۵۰۰ صفحہ جسقدر اسکی تیاری اور تالیف میں کیگئی ہے
اس کے مقابل میں اسکی قیمت .... [illegible]

حکیم بخش مالک و مہتمم رسالہ انوار الاسلام شہر سیالکوٹ

مختصر فہرست کتب موجودہ دفتر انوار الاسلام شہر سیالکوٹ

صاحبان! یہ وہ کتابیں ہیں جن کا ... ہر ایک مسلمان کا فرض ہے ... [illegible] ... حاصل ہوتی ہے ... [illegible] ... مفصل ... [illegible] ... انوار الاسلام شہر سیالکوٹ

مذہبی کتابیں

حمائل شریف ... مع ترجمہ
مع ترجمہ بالمقابل ... حاشیہ والی
مع فہرست مضامین قرآن مجید کی
جلد ...
تفسیر فرقانی (پہلا سیپارہ جلی قلم)
ہدیہ ...
پیارے نبی کے پیارے خلفاء حضرت
ابوبکر کی مفصل سوانح عمری معہ
حالات انبیاء ...
پیارے نبی کے پیارے حالات جلد دوم
ہدیہ ...
پیارے نبی کے پیارے حالات جلد سوم
ہدیہ ...
صدیق اکبر حضرت ابوبکر کی تالیف
عمر اعظم ...
ذوالنورین یعنی تیسرے خلیفہ کے حالات
و برکات ...
حضرت علی کی مفصل تاریخ ... مفصل
اسم جلیل ...
مسائل اور اس کی تقدیر ...
تفسیر فرقانی سورہ رحمن ...
ریحان ...
ایک نومسلم فرقی کے دس لیکچر اسلام
کی صداقت پر ...
مذاق العارفین ...
طریقت و حقیقت ...
مناجات فرقانی ...
نعت فرقانی ...
عیسائیت کی حقیقت کا نمونہ ...

تقدیس ... کا جواب
رفع شکن تعلیم زینب ...
آریہ سماج ... کا جواب ...
آریہ سماج کی عکسی تصویر ...
عیسائی مذہب کا فوٹو ...
الوہیت مسیح و تثلیث کا رد ...
قیمت ...
نماز اور اس کی حقیقت نماز کی فلاسفی
قیمت ...
معارف عشرہ مترجم دس وظیفے
آسمانی تحفہ ...
رافضہ ... آبادی
فتوح الغیب ... پیران پیر ... بر دست
کلام اور ترجمہ ...
قصص الانبیاء ...
تذکرۃ الاولیاء ...
گلدستہ کرامات ...
دیوان غوث الاعظم فارسی
... ...
مفتاح الجنت ...
شفیع المذنبین ...
آیات ...
براہین احمدیہ چہار ...
الحق المبین ... امہات المومنین
قیمت ...
قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا
ثبوت ...
عقائد اہلسنت و الجماعت عقائد
امام غزالی ...
سرمہ چشم آریہ (آریوں کا رد)

و مباحثہ ...
مجموعہ معجزات محمدیہ آنحضرت
کے معجزات ...
ضرورت السالمین۔ اسلام کی ضروری
باتیں ...
تائید المہدی والقرآن۔ ایک انگریز
قرآن کریم اور محمد کی تائید کرتا
نو مسلم ...
مولوی نذیر احمد صاحب کے
لیکچر ...
محسن الملک کے دو مشہور لیکچر
ولایت مسیح پر بحث ...
صداقت
قرآن کریم اور وید کا مقابلہ
اسلام کی فلاسفی۔ اسلام اور اس
کی حقیقت ...
انوار الاسلام کا مجموعہ بابت
سنہ ۱۶ مجلد ...
عشرہ کاملہ آریوں کے دس
اعتراض کا جواب ...
سیرت الفاروق حضرت عمر
کی مفصل سوانح عمری ...
قوت فیصلہ ...
اسلام کی پہلی کتاب ...
" " دوسری ...
" " تیسری ...
" " چوتھی ...
" " پانچواں ...
چیزاہن یوسفی۔ ترجمہ مثنوی اور نامہ
قیمت ...